فہم دین

جلد پنجم



ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز
5-6 مرکز الاویس داتا دربار مارکیٹ گنج بخش ہجویری سٹریٹ لاہور
042-7115771, 0333-8173630, 0321-9407699

وانک لتہدی الی صراط مستقیم

ادارہ صراط مستقیم پاکستان

وانک لتہدی الی صراط مستقیم

ادارہ صراط مستقیم پاکستان

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (سورۃ التوبہ: ۱۲۲)

اسلام کی آفاقی تعلیمات سے عوام کو روشناس کروانے کے لیے

فہم دین

جلد پنجم

2009

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز
5-6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ شیخ ھندی سٹریٹ لاہور
042-7115771, 0321-9407699

نام کتاب : فہم دین (جلد پنجم)

افادات : ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی

مرتب : مولانا محمد عبدالکریم جلالی (فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

نظر ثانی : مولانا محمد نسیم سیالوی (فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

نظر ثانی : مولانا سیّد محمد ابوبکر عمار شاہ (متعلم جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

اہتمام : شیخ محمد سرور اویسی، محمد آصف علی جلالی

پہلا ایڈیشن : یکم ستمبر 2009ء

تعداد : 1100

صفحات : 448

ہدیہ : 260 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ رضویہ لاہور/مسلم کتابوی لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور/جامعہ جلالیہ رضویہ لاہور

کرمانوالہ بک شاپ لاہور/مکتبہ جلالیہ صراط مستقیم گجرات

مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں/ مکتبہ صراط مستقیم گوجرہ ضلع منڈی

بھاؤالدین /مکتبہ صراط مستقیم عارف والا

مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ/مکتبہ قادریہ لاہور

مکتبہ حافظ الحدیث بھکھی شریف۔ منڈی بھاوالدین

مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ

اویسی بُک سٹال پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور 0321-9407699

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	**باب نمبر5**	188
2	**جنہیں دیکھ کے رب مسکرائے**	189
3	موضوع کے انتخاب کی وجہ	190
4	رب تعالیٰ کے مسکرانے کا مطلب	191
5	ایثار والے پر رب کی مسکراہٹ	194
6	قاتل و مقتول کے جنتی ہونے پر رب کی مسکراہٹ	200
7	بندے کی ناامید پر رب کی مسکراہٹ	203
8	اللہ تعالیٰ کی مسکراہٹ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا مسکرانا	205
9	اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استدلال	206
10	تین خوش نصیب جنہیں دیکھ کے رب مسکراتا ہے	212
11	بندہ مومن کی توبہ پر رب خوش ہوتا ہے	214
12	بارگاہ مصطفےٰ ﷺ سے رب کو خوش کرنے کا عمل	219
1	**باب نمبر6**	222
2	**قرآن اور تفکر کائنات**	223
3	تفکر کا لغوی معنیٰ	226

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

☆☆☆☆

انتساب

جانشینِ حضرتِ حافظ الحدیث

پیکرِ سوز و گداز فخر المشائخ

استاذی و استاذ العلماء

حضرتِ اقدس

پیر سید

محمد مظہر قیوم مشہدی

رحمہ اللہ تعالیٰ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ (متوفی ۲۹ شعبان ۱۴۳۰ھ
بھکھی شریف ۲۱۔ اگست ۲۰۰۹ء)

کے

نام

جنھوں نے دینی، ملی، روحانی پلیٹ فارم پر
گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

محمد رمضان آصف جلالی

۱۱ رمضان ۱۴۳۰ھ

۲ ستمبر ۲۰۰۹ء

خوشبوئے ہمدان پیر طریقت حضرت علامہ پیر

سید محمد اشرف اندرابی

حامدا و مصلیا و مسلما

سر براہ اعلیٰ شاہ ھمدان ٹرسٹ پانپور

مدیر اعلیٰ ماھنامہ: المصباح پانپور

بانی و مہتمم دار العلوم غوثیہ ھمدانیہ مونگہامہ پلوامہ مقبوضہ کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، محترم المقام جناب ڈاکٹر مولانا محمد اشرف آصف جلالی صاحب میری نظر میں پاکستان کے علماء اہل سنت میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں، میں نے تقریباً دس سال قبل جامع مسجد رضائے مجتبیٰ پیپلز کالونی، گوجرانوالہ میں ان کے جمعہ کے خطاب کا کچھ حصہ سُنا، نماز کے بعد ان کے کمرے میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، تعارف اور مختصر گفتگو کے بعد رخصت ہونے لگا تو انہوں نے اپنے چند مقالات اور رسائل ھدیۃً پیش کئے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ تحریر و تقریر دونوں میدانوں کے شہسوار ہیں، اس کے بعد پاکستان آنے کا جب بھی اتفاق ہوا، آپ سے ملنے کا موقعہ ملتا رہا۔ اس دوران آپ کے علم و فضل اور تبلیغ دین سے متعلق آپ کی مجاہدانہ مساعی جمیلہ سے بخوبی آگاہی ہوئی، آپ نے پاکستان کے جید اور معتمد علیہ علماءِ اہل سنت سے دینی علوم و فنون کا درس لیا ہے اس کے علاوہ بغداد معلّی کی جامعات سے بھی اکتساب فیض کیا ہے، حافظ قرآن بھی ہیں اور یہ جان

کر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی کہ انہوں نے گیارہویں محراب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خانقاہ عالیہ کی مسجد میں سنائی ہے یقیناً یہ ان کی دربار عالیہ میں پذیرائی اور مقبولیت کی دلیل ہے۔ آپ علوم وفنون کی قدیم راہوں کی شناسائی کے ساتھ ساتھ جدید راہوں اور تقاضوں سے بھی باخبر ہیں انہوں نے درس نظامی میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے کے بعد جامعہ پنجاب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ آپ بیک وقت ایک ماہر فن اور کامیاب مدرس، ایک منفرد اسلوب بیان کے مقرر اور دلنشین طرز تحریر کے صاحب قلم ہیں۔ آپ نے لاہور میں جامعہ رضویہ جلالیہ کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی ہے جہاں آپ شیخ الحدیث کے منصب عالی پر فائز ہیں۔ تبلیغی خدمات اور تصنیف وتالیف کے مشاغل کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ آپ بفضلہٖ تعالیٰ راسخ العقیدہ سنی ہیں لیکن مسلکِ اہل سنت اور عقائد حقہ کی تبلیغ واشاعت میں آپ نے جو اسلوب اپنایا ہے وہ واقعی قابل تحسین ہے، اگرچہ سنا ہے کہ آپ ایک کامیاب مناظر بھی ہیں۔ تاہم میں نے دو تین بار ان کی جو تقاریر سنی ہیں ان سے اندازہ لگایا ہے کہ مناظرانہ اسلوب سے ہٹ کر آپ نے دعوتی اسلوب کو اختیار کیا ہے اور یہ موجودہ حالات اور دینی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

اب کی بار میں پاکستان آیا تو مولانا جلالی مدظلہٗ العالی نے ملاقات کے وقت اپنے دروس دینیہ کی تقریریں ''جو فہم دین کے عنوان سے چار جلدوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہیں'' ۔عطا فرمائیں ہیں میں یہاں پہنچتے ہی بیماری کا شکار ہو گیا قریباً ایک ماہ صاحب فراش رہنے کے بعد افاقہ ہوا تو گونا گوں مصروفیات نے گھیر لیا، کتاب

بالاستیعاب مطالعہ نہ کرسکا پیش لفظ اور پہلی جلد کے پہلے درس کو پڑھ کر نیز مضامین کی فہرست پر نگاہ ڈال کر محسوس کیا کہ کیسٹوں سے منتقل ہو کر زینت قرطاس بننے والی یہ تقریریں مولانا کے گہرے مطالعہ، رسوخ فی العلم اور جذبۂ خلوص ومحبت اور مسلمانوں بالخصوص اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے سواد اعظم کی اصلاح کی تڑپ کی آئینہ دار ہیں، مولانا کا دلنشین انداز بیان اور ایمان افروز لہجہ سطر سطر سے نمایاں ہے۔ بے تکلف انداز گفتگو اور حشو وزوائد سے پاک جملے اور صاف وشفاف الفاظ وعبارات جو کتاب وسنت کے جواہر پاروں سے منور وروشن ہیں قاری کو مولانا جلالی کی مجلس میں پہنچا دیتے ہیں اور وہ محسوس کرتا ہے کہ مولانا کے سامنے بیٹھا آپ کی گوہر افشانی سے محظوظ ہو رہا ہوں۔ مفصّل تبصرہ تو ان شاء اللہ وطن جا کر سپرد قلم کرونگا۔ یہ چند سطور ارتجالا رقم کر رہا ہوں۔ گویا مولانا محترم کے ارمغان مودت کی رسید ہے حق جل مدہ سے التجا ہے کہ آپ کو تادیر سلامت رکھے اور بیش از بیش دینی خدمات انجام دینے کی توفیق سے نوازے، ملت اسلامیہ بالخصوص سواد اعظم اہل سنت کو ان کے علم وفضل کے فیضان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

فقیر حقیر سید محمد اشرف اندرابی قادری عفی عنہ

یاد گار اسلاف

شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد شریف رضوی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، مفکر اسلام مفسر قرآن شیخ الحدیث حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی دور حاضر کے عظیم محقق اور اسلام کے عظیم مبلغ ان کا وجود اہلسنت وجماعت کیلئے اللہ کی نعمت ہے آپ جسطرح ایک عظیم مقرر ہیں اسی طرح فن تدریس اور تالیف میں بھی آپکو مہارت تامہ حاصل ہے آپکی مرتب کردہ فہم دین کو میں نے بعض مقامات سے دیکھا ہے نہایت مفید اور تحقیق کا شاہکار پایا آپ نے نہایت سلیس اور شستہ زبان میں نہایت ادق مسائل کو بڑے عام فہم اور سہل انداز میں بیان فرمایا۔ اسکے علاوہ آپکی مختلف موضوعات پر تالیفات بھی نہایت تحقیقی ہیں اور اپنے صحیح معنیٰ میں مسلک حق اہلسنت کی ترجمانی فرمائی آپ نے عقائد اہلسنت کو بڑی تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسی طرح آپ ادارہ صراط مستقیم کے نام سے مسلک کی اشاعت وتبلیغ کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت علامہ کے ظاہری اور روحانی باطنی مراتب میں مزید اضافہ فرمائے اور اہلسنت پر ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

والسلام

فقیر محمد شریف رضوی

جامعہ سراجیہ رضویہ جھنگ روڈ بھکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 1

تربیتِ اولاد

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ o وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ o وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ o (پ۲۱ لقمان ۱۸-۱۷)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ

ان الله وملائكته يصلون على النبى يايها الذين امنو اصلوا عليه وسلموا تسليما

الصلوة والسلام عليك يارسول الله

وعلى الك واصحابك يا حبيب الله

مولاى صل و سلم دائما ابدا

على حبيبك خير الخلق كلهم

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ، وعم نوالہ، واعظم شانہ، واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین سامعین وناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کوادارہ صراطِ مستقیم کے زیرِ اہتمام فہمِ دین کورس کے بیسویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

تربیتِ اولاد

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کوقرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور اس کے ابلاغ وتبلیغ اوراس پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محتشم سامعین حضرات!

یقیناً اولاد کی تربیت ہمارے دین کے شعبہ جات میں سے ایک اہم شعبہ ہے، اگر قیمتی سرمائے کومحفوظ کرنا اور محفوظ رکھنا، یہ انسانی عقل کا تقاضا ہے تو پھر اولاد کے کردار کو محفوظ کرنا، یہ زمانے میں ایک حقیقت ہے۔

اگر پنیری کاشت کرنے کے بعداس کو پانی دینے کی اورنگہداشت کی ضرورت ہے، تو پھرانسانی چمن کے ان پھولوں کونگہداشت کی بھی یقیناً ضرورت ہے۔

اولاد یا انعامات کی بارش

اولاد کے بارے میں سید عالم ﷺ کے فرمودات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رب ذوالجلال کی رحمتوں اورنعمتوں کا ایک گلدستہ ہے اوراللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اوراس کے کرم کا ایک حوالہ ہے۔

بیٹی کی ولادت اور مدد کی نوید

سید عالم ﷺ کا فرمان امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب، کشف الغمہ میں موجود ہے، ہمارے محبوب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا وُلِدَتْ لِلرَّجُلِ جَارِيَةٌ

جب کسی انسان کے ہاں اس کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی ہے۔

بَعَثَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَھَا مَلَائِكَةً

تو اس بیٹی کی ولادت پر ربّ ذوالجلال آسمانوں سے کچھ فرشتوں کو اس گھر میں اتارتا ہے۔

يَزِفُّوْنَ الْبَرَكَةَ زَفًّا

وہ فرشتے اس گھر میں برکت لے کر آتے ہیں، اس کو برکت کی سوغات دینے کے لئے فرشتے اترتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ ضَعِيْفَةٌ خَرَجَتْ مِنْ ضَعِيْفٍ

اور وہ فرشتے کہتے ہیں کہ کمزور سی مخلوق کمزور سے باہر آئی ہے۔

اَلْقَيِّمُ عَلَيْهَا مُعَانٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

جو اس کی نگہداشت کرے گا، اس کے لئے نگران بنے گا، اس کی قیامت تک مدد کی جائے گی۔

بیٹے کی ولادت اور رب کا سلام

وَاِذَا وُلِدَ لِلرَّجُلِ غُلَامٌ

اور جب کسی انسان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے، اس کے گھر میں بچہ جنم لیتا ہے۔

بَعَثَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ مَلَکًا مِّنَ السَّمَآءِ

تو ربِّ ذوالجلال اس کی طرف فرشتے کو بھیجتا ہے۔

پہلے ملائکہ کا لفظ تھا، اب ملک کا لفظ ہے، پہلے بیٹی کی پیدائش پر کئی فرشتوں کا نزول تھا۔اب ایک خصوصی فرشتہ اس گھر میں آتا ہے۔

فَقَبَّلَ بَیْنَ عَیْنَیْہِ

تو وہ فرشتہ اس بچے کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے۔

وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یُقْرِئُکَ السَّلَامَ ۔(کشف الغمہ :۲۔۱/۲۸۰)

اور وہ فرشتہ کہتا ہے کہ خدا تجھے سلام کہتا ہے۔

لہٰذا انسان کے گھر میں ولادت کا جو مرحلہ آتا ہے، خواہ بچہ ہو یا بچی ہو، یہ یقیناً اس کے گھر پر ربِّ ذوالجلال کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے فرشتے آتے ہیں اور انسان اگر چہ خود نہ دیکھ سکے لیکن ہمارا چونکہ ایمان بالغیب ہے اور جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے ہیں، ہم وہ نہیں دیکھ سکتے۔ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے پر پورا یقین ہے اور جو وہ فرماتے ہیں، اس کے بارے میں ہم یقینِ کامل رکھنے والے ہیں۔

”وَدود“ و ”ولود“ خاتون سے شادی

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی یقیناً اولاد کے لحاظ سے بڑا اہم ہے

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ

تم اُس خاتون سے شادی کرو جو ودود ہو اور ولود ہو، ودود کا معنیٰ ہے کہ جو خاتون الفت کرنے والی ہو اور ولود کا معنیٰ ہے کہ جس خاتون کے ہاں بچے زیادہ پیدا ہونے

والے ہوں تم اُس خاتون سے شادی کرو۔

فَاِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ۔(ابوداؤد شریف حدیث نمبر ۲۰۵۰)

اس واسطے کہ میں تمہاری وجہ سے دیگر امتوں کے مقابلے میں کثرت ظاہر کروں گا کہ میری امت کے افراد زیادہ ہیں۔

کثرت اولاد خوشی کا باعث اور فخر

سید عالم ﷺ کے اس فرمان سے بھی پتہ چلا کہ انسان کا صاحب اولاد ہونا یہ اُس کی ایک مستقل شان ہے اور پھر اس کا کثیر العیال ہونا یہ کوئی اُس کا عیب نہیں ہے بلکہ اُس کا امت کی کاؤنٹنگ میں بڑا حصہ ہے کہ جس کے گھر بچے زیادہ ہیں اور آپ نے یہ جو فرمایا کہ اُس خاتون سے شادی کرو جو کہ ولود ہو اسکا مطلب یہ تھا کہ اُس خاتون کی جو رشتہ دار خواتین ہیں اُن کی اولاد سے تمہیں پتہ چل سکتا ہے۔ اُس کی ہمشیر گان کے لحاظ سے، اُس کی پھوپھیوں کے لحاظ سے اور اس کی خالاؤں کے لحاظ سے۔ اس بنیاد پر رشتہ کے وقت یہ بھی دیکھو کہ وہ ولود ہے تو ولود ہونا اُسکی ایک مستقل شان ہے اور اُسکی خصوصیت ہے۔

لہٰذا آج جو فیملی پلاننگ کے ذریعے امت میں فتنہ پیدا کیا جا رہا ہے اُس کو بھی روکنا چاہئے، کہ یہ کوئی خاتون کے ہاں عیب نہیں ہے کہ اُس کو بیماری قرار دے کر اُس کیلئے کوئی بانجھ پن پیدا کر دیا جائے، بلکہ یہ تو اُس کی شان ہے۔

یہ سید عالم ﷺ کی ان گھرانوں کے لئے ایک ترجیح ہے جو کثیر الاولاد ہیں اُس کے بارے میں میرے محبوب علیہ السلام فرمانے لگے کہ میں امم کے مقابلے میں کثرت ظاہر کرنے والا ہوں، لہٰذا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد کے سلسلہ میں اپنی امت کے

ساتھ ایک مستقل پیار ہے۔ اس واسطے آپ چاہتے ہیں کہ اولاد ہو اور پھر اُس کی تربیت کی جائے وہ معاشرے کیلئے بوجھ نہ بنے، وہ سوسائٹی کا کوئی ناسور نہ بن جائیں۔ اس انداز میں اُن کی تربیت ہو کہ وہ چلتے پھرتے فرشتے معلوم ہوں اور اس قدر سوسائٹی میں اولاد کا حسن پیدا ہو جائے کہ جب وہ انسان جس کے وہ بچے ہیں یا بچیاں ہیں دنیا سے جارہا ہو اُن بچوں کی ماں دنیا سے جارہی ہو تو فرشتے اس کو مبارکباد دے رہے ہوں اُس کی روح کا استقبال کیا جارہا ہو کہ یہ وہ ہے کہ جس نے ملت کو حسین کردار والے پھول عطا کیے ہیں۔ اس واسطے اولاد کی تربیت کا شعبہ اسلام کی زیرِ نگاہ رہا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے اس کے مختلف ابواب اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں۔

والدین کی تربیت کی گہری تاثیر

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ والدین کی تربیت کی تاثیر کتنی ہے تو اس کیلئے صرف ایک حدیث شریف ہی کافی ہے کہ جس میں میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ

اولاد پر جو والدین کے اثرات ہیں ایک تو اس لحاظ سے کہ وہ اولاد انہیں سے پیدا ہوئی، وہ اثرات یقیناً ہیں لیکن بالخصوص والدین کی صحبت کا جو اولاد پر اثر ہے اور والدین کی کمپنی کا جو اولاد پر اثر ہے اُس کو بیان کرتے ہوئے میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح کیا کہ اگر والدین کا اپنا اخلاق اچھا ہے تو اولاد پر یقیناً اثرات مرتب ہونگے۔ اگر اُن کے اپنے اطوار اچھے ہیں تو جو اُن کے زیرِ سایہ پھول کھل رہے ہیں اُن میں بھی خوشبو موجود ہو گی۔ اگر اُن کا اپنا عقیدہ صحیح ہے تو یقیناً اُن کی اولاد پر بھی اُن کے اثرات مرتب

ہونگے اور اگر اُن کا کردار اچھا نہیں ہے، اُن کے اطوار اچھے نہیں ہیں، گفتار اچھی نہیں ہے یا اُن کے عقائد اچھے نہیں ہیں، اعمال اچھے نہیں ہیں تو یقیناً یہ اثراتِ بد بھی اُن کی اولاد کی طرف ضرور منتقل ہو جائیں گے۔

اس واسطے والدین کی تربیت یقیناً ایک گہرا اثر رکھتی ہے اور اس سلسلہ میں والدین کو پہلے اپنا کردار اچھا رکھنا چاہئے تا کہ ان کی وجہ سے خود بخود ایک ایسا سلسلہ پیدا ہو جائے کہ بغیر کسی تقویٰ کی کلاس لگانے کے اُن کے پاس بیٹھنے والے اُٹھنے والے، اُن کے ساتھ بولنے والے بیٹے اور بیٹیوں کے اندر خود بخود ایسے اثرات مرتب ہو جائیں کہ وہ اپنے والدین کے حقیقی معنوں میں وارث بن جائیں۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے کوئی بچہ پہلے دن سے برا نہیں ہوتا، کسی بچے کا دل گندہ نہیں ہوتا اور کسی کو بھی اللہ تعالیٰ دھندلا شیشہ عطا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ہر بچے کو اتنا چمکتا دل دیتا ہے کہ اگر اس چمک کو محفوظ رکھا جائے تو وہی بچہ کل زمانے کا غوث بن جائے۔

وہی مصلح ہو، وہی زمانے کا انقلابی ہو اور وہی زمانے کا سب سے بڑا کردار ہو۔

لیکن پھر کیا ہوتا ہے۔

اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ

اس بچے کو یہودی بناتے ہیں تو والدین بناتے ہیں۔

اَوْ يُنَصِّرَانِهِ

یا اس کو عیسائی بناتے ہیں تو اس کے والدین بناتے ہیں۔

اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ

یا اس کو مجوسی بناتے ہیں تو اس کے والدین بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میں اس کو مجوسی پیدا نہیں کرتا، میں اس کو عیسائی پیدا نہیں کرتا اور میں اس کو یہودی پیدا نہیں کرتا، میں تو اس کو فطرتِ اسلام پہ پیدا کرتا ہوں۔

اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اسکی وضاحت کررہے ہیں کہ اس بچے کیلئے سب سے پہلی کمپنی اس کے والدین کی کمپنی ہے بعد میں دوست آئیں گے بعد میں محلے والے آئیں گے۔ والدین کا سب سے بڑا کردار ہے اگر یہاں پر والدین نے اس اپنے حسن کردار کو پیش نہیں کیا تو وہ یقیناً بچہ برا ہو جائے گا۔ اگر بچہ روزانہ اپنے والد کے وہ منصوبے سنے گا کہ رات کو فلاں جگہ چوری کرنی ہے اور فلاں جگہ پہنچنا ہے تو یقیناً بچے کے دل پر بھی چوری کے اثرات مرتب ہونگے۔ اور وہ بھی مستقبل میں بڑی چوریوں کی منصوبہ بندی کرے گا۔

اگر وہ بچہ رات کو عشاء کے بعد اپنے والد کی یہ گفتگو سنتا ہے کہ میں وقت پہ سو جاؤں تاکہ میں وقت پہ اٹھ کے تہجد پڑھوں اور میں نوافل پڑھوں تو اس میں بچے کو شوق پیدا ہوگا کہ جو کچھ میرا باپ کرتا ہے میں بھی کبھی اٹھوں اور میں بھی وہی کام کروں۔ اگر بیٹا چھوٹا سا ہے تین سال کا یا چار سال کا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں اس کی امی بھی نماز پڑھتی ہے، اس کی بہنیں بھی نماز پڑھتی ہیں اور سارے گھر والے نماز پڑھتے ہیں تو اس کو شوق پیدا ہوتا ہے وہ بغیر کہنے کے سجدے میں پڑ جاتا ہے۔ اس میں اس کام کا ذوق پیدا

ہوتا ہے اور اس کی فطرت میں یہ نقش بن جاتا ہے کہ رب کے دربار میں جھکنا چاہئے۔ اگر اس کا گھر معاذ اللہ برائی کا اڈہ ہے تو پھر شروع ہی سے اس کے دل کے صفحے پر برے داغ لگنے شروع ہو جائیں گے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے والدین کا کردار بنیادی طور پر اہم قرار دیا ہے۔ جس وقت والدین ستھرے ہونگے تو انکی اولاد کا کردار بھی ستھرا ہوگا۔ آگے پھر سارا جہ ن ستھرا ہو جائے گا اور انقلاب آ جائے گا۔ اگر ان کا کردار برا ہوگا تو اولاد بھی بری ہو جائے گی۔

اس فرمان سے پتہ چلا کہ واقعی والدین کے کردار کا بڑا گہرا اثر ہے اور اگر کوئی انسان چاہتا ہے کہ اس کے بچے اچھے ہوں تو اسے پہلے اپنا کردار اچھا کرنا چاہئے اسکے بچے یقیناً اس کے کردار کو دیکھتے ہوئے عمومی طریقہ کے مطابق خود بخود اچھائی اختیار کرلیں گے۔

تربیت اولاد کے بنیادی عناصر

یہاں پر یہ دیکھنا چاہئے کہ تربیت اولاد کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟

تربیت اولاد کے اہم بنیادی عناصر تین ہیں

1۔ حقوق اللہ:

سب سے پہلا بنیادی عنصر یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کو سکھاتے وقت سب سے پہلے یہ پڑھائیں کہ سب سے پہلا حق تم پہ اللہ کا ہے۔ لہٰذا دنیا ناراض ہوتی ہے تو ہو جائے تمہارا رب تم سے ناراض نہیں ہونا چاہئے، دنیا کا ناغہ ہوتا ہے تو ہو جائے اللہ کے

دربار کا ناغہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تربیت کا بنیادی پہلو ہے کہ حقوق اللہ کو اجاگر کیا جائے اور اپنی اولاد کو بتایا جائے کہ تمہارا خالق رب ہے اور وہ روزانہ کھلاتا ہے پلاتا ہے اس کا حق ہے کہ اس کو راضی رکھا جائے تو حقوق کے لحاظ سے والدین اپنی اولاد کو یہ بتائیں کہ رب کا ہم سب پہ حق ہے لہٰذا اس حق کو سمجھنا بھی ہے اور اس کو پھر بجالانے کیلئے پوری زندگی اسکا دھیان بھی رکھنا ہے۔

2۔ حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

دوسرا بنیادی عنصر یہ ہے کہ والدین پر فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بتائیں کہ ہم مومن ہیں، ہم مسلمان ہیں۔ ہم مسلمان اس لحاظ سے ہیں کہ ہم نے رب کو ایک مانا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رب کا رسول مانا ہے۔ ہمارا ایمان اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے دل کے اندر ساری کائنات سے زیادہ محبت اس ذات کے ساتھ نہیں ہو جاتی۔ جب تک ان کو ہم ساری کائنات میں سے محبوب اعظم نہ بنالیں اس وقت تک ہمارا ایمان کامل نہیں ہو سکے گا بلکہ وہ حاصل ہی نہیں ہو سکے گا۔

یہ حقوق کا دوسرا شعبہ ہے۔ کہ پہلے دن سے ان کو یہ بتایا جائے کہ یہ ذات گرامی بڑی محبوب ذات ہے کہ جن کی محبت رب کائنات کا ایک تحفہ ہے، لہٰذا ان کی محبت کو سامنے رکھتے ہوئے، انکی سنت کو اپنانا ہے اور پوری زندگی ان کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے گزارنی ہے۔

3۔ حقوق العباد:

تربیت اولاد کے لحاظ سے تیسرا شعبہ حقوق العباد کا ہے کہ جس میں وہ اپنی اولاد کو

اپنے حق بھی بتائے گا اور انکی والدہ کے حقوق بھی بتائے گا، یہ سب کچھ بیان کرے گا۔ رشتہ داروں کے حقوق، خالاؤں اور چچوں کے حقوق، محلے والوں اور اساتذہ کے حقوق، یہ سارے حقوق آغاز ہی سے بتانا والدین کا کام ہے تاکہ بچے کیلئے ایک سکیچ Sketch ذہن میں موجود ہو۔ تاکہ جوں جوں آگے بڑھتا جائے اس کی سیرت میں نکھار آتا جائے اور چلتے چلتے جب وہ بلوغ کی عمر تک پہنچ چکا ہو تو اس نے اپنے شعبہ جات کے سارے سبق مکمل کر لئے ہوں۔

تربیتِ اولاد قرآن کی روشنی میں

بالخصوص پہلے یہاں سے قرآنی اقتباس کو دیکھنا چاہیے۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ جو اصح اقوال کے مطابق پیغمبر نہیں تھے لیکن بہت بڑے حکیم تھے۔ ان کی حکمت بھری باتیں تھیں۔ رب ذوالجلال نے ان کا کلام آیت کی شکل میں بیان کیا۔

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۔(سورہ لقمان:۱۳)

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو کہہ رہے تھے اس حال میں کہ ان کو نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اس واسطے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اور پھر دوسرے نمبر پر فرمایا۔

یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ

اے میرے بیٹے اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز پتھر میں ہو یا آسمانوں

میں ہو یا زمین میں ہو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو ظاہر کر دے گا۔

اگر وہ نیکی ہے تو نیکی کا ظہور ہو جائے گا اگر بدی ہے تو وہ بھی ضرور سامنے آئے گی۔ اس واسطے اپنی زندگی گزارتے وقت اس چیز کو سامنے رکھو۔ کہ ایک دن سارا حساب وکتاب ہونا ہے اور ہر چیز سامنے آنی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۔(سورہ لقمان:۱۶)

بے شک رب ذوالجلال مہربانی فرمانے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ آگے فرمایا

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ

اے میرے پیارے بیٹے نماز قائم کرتے رہنا۔

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

اور لوگوں کو اچھائی کا حکم دینا۔

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور برائی سے لوگوں کو روکنا۔ یہ شروع سے حق پرستوں کا راستہ رہا ہے۔

یعنی صرف اچھائی کا حکم دینا یا صرف برائی سے روکنا یہ حق پرستی نہیں ہے۔ یعنی دونوں چیزیں ہوں کہ اچھائی کا حکم ہو اور برائی سے روکا جائے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ

میرے بیٹے جتنی بھی مصیبتیں آجائیں تم نے صبر کرنا ہے۔ صبر کا دامن تم نے نہیں چھوڑنا۔

یعنی آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہو جائے تو کبھی بھی تم نے رب سے شکایت نہیں کرنی کہ اے اللہ تو نے مجھے کس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے بلکہ اس کی آزمائش پر صبر کرنا ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ جب انسانی جگر پگھلا دینے والی مصیبتیں آجائیں اس

وقت جو صبر کر رہا ہے تو یقیناً وہ بہت بڑا کام کر رہا ہے۔

پھر حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

اپنا رخسار لوگوں کیلئے کبھی بھی کج نہ کرو۔

رخسار کج کرنے کا مطلب ہے کہ کسی سے گفتگو کرتے وقت اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، اس کو ذلیل سمجھنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور اپنے چہرے کا یوں موڑ بنانا کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ تم کچھ نہیں ہو میں بہت کچھ ہوں۔ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری گفتگو کا انداز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا

اور زمین میں کبھی اکڑ کے نہ چلنا۔ عاجزی کو زمین پر چلتے وقت برقرار رکھنا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ

بیشک رب ذوالجلال اترانے والے، تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کے ساتھ پیار نہیں کرتا۔ رب ذوالجلال عاجزی والوں کے ساتھ پیار کرتا ہے۔

پھر فرمایا۔

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ

اے میرے بیٹے درمیانی چال چلنا۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ

اور اپنی آواز کو کچھ پست رکھنا

إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

بے شک آوازوں میں جو بری آواز ہے وہ گدھے کی آواز ہے۔

یعنی جو بہت اونچی ہو جاتی ہے اس کو اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ کہا گیا۔

یقیناً حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی گفتگو جو ہمارے قرآن میں موجود ہے یہ ایک مستقل نصاب ہے۔ اگر والدین یہ آیات ہفتے میں ایک بار اپنے بیٹوں کو پڑھ کے سنادیں تو رب کعبہ کی قسم ہے اولاد میں ایک نکھار پیدا ہو جائے گا اور ایک بہار آجائے گی کیونکہ یہ نغمہ جبریل ہے، یہ کلام الٰہی ہے اور یہ حراء کی روشنی ہے، حرا کا نور ہے اور ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابر کرم سے برسنے والی بارش ہے، اسکے ایک قطرہ میں اتنی برکت ہے کہ اگر یہ جام اپنی اولاد کو پلائے جائیں گے تو ان کی تشنگی بھی ختم ہو جائے گی اور انہیں پھر کسی اور آئیڈیل کردار کو دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی انہیں فلمی سٹار کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہیں ملے گا جب پڑھیں گے تو قرآن سے سورت سامنے آجائے گی اور اس سورۃ کی روشنی میں اپنی صورت کو سنوارتے چلے جائیں گے۔

تربیت اولاد فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

تربیت اولاد کا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نصاب دیا ہے وہ بڑا ہی حسین ہے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث شریف کے راوی کہتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَاٰى رَجُلًا مَعَهٗ غُلَامٌ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک بچہ تھا۔

فَقَالَ لِلْغُلَامِ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو مخاطب کر کے کہا

مَنْ هٰذَا ؟

یہ تیرے ساتھ جو بڑا آدمی ہے یہ کون ہے؟

قَالَ اَبِیْ

اس بچے نے کہا یہ میرے والد صاحب ہیں۔ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بچے کو خود تربیت دیتے ہیں۔

یہ اسلام کا ہم پہ احسان ہے کہ عزتوں کے سارے سبق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود پڑھائے ہیں اور پھر والدین کو اپنے بیٹے اسلام کیلئے پیش کرتے وقت جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیے اس واسطے کہ بیٹوں کو شناخت ہی اسلام نے کروائی ہے کہ یہ تمہارے والد صاحب ہیں ان کو رب ذوالجلال نے اتنا بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

اگرچہ اس کے والد زمانے کے غوث نہیں ہیں، ولی نہیں ہیں اور کوئی قطب نہیں ہیں۔ وہ کوئی محدث اور مفسر نہیں ہیں لیکن وہ جس کے بھی والد صاحب ہیں اس کے لئے ان کا مرتبہ کیا ہے؟ میرے نبی علیہ السلام فرمانے لگے۔

فَلَا تَمْشِ اَمَامَهٗ

اے بیٹے کبھی بھی چلتے وقت اپنے باپ سے آگے نہ چلنا یہ تیرے ابا جی ہیں کبھی بھی ان سے آگے نہ چلنا کہ تیری پیٹھ ان کی طرف ہو جائے۔

وَلَا تَسْتَسِبَّ لَهٗ

اور کبھی بھی ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے تمہارے والد صاحب کو گالی دی جائے۔ یعنی تم کسی کو گالی دو اور وہ جواباً تمہارے باپ کو گالی دے۔ لہٰذا تمہاری وجہ سے تمہارے والد کو گالی مل جائے گی۔ اسلئے فرمایا اپنے والد کو گالیاں نہ دلواتے رہنا۔

دوسرا اسکا مطلب یہ ہے کہ ایسے کام نہ کرنا کہ تمہارے باپ کو تجھے گالیاں دینی پڑ جائیں، اپنے باپ سے گالی طلب نہ کرنا۔ یا اس لفظ کا مطلب ہے کہ تم ایسی حرکت کرو کہ تمہارے والد غصے میں ہوں اور تمہیں کچھ کہنا پڑ جائے۔ تو ایسا موقع اپنے والد صاحب کو فراہم نہ کرنا۔ نہ ان کے آگے چلنا، نہ ان کو گالی دلوانا اور نہ ان سے گالی لینے کا موقع پیدا کرنا۔

اس کے ساتھ ہی فرمایا:

وَلَا تَجْلِسْ قَبْلَهٗ

اگر تم دونوں کہیں اکٹھے جاؤ تو اپنے والد کے بیٹھنے سے پہلے تم نہ بیٹھو۔

ایسا نہ ہو کہ تمہارے والد کھڑے ہوں اور تم ان سے پہلے بیٹھ جاؤ۔ ان سے پہلے نہ بیٹھنا۔ یہ کتنے حسین اور زریں اصول ہیں۔ دنیا کا مکمل نظام اس طرح کی اپنی اولاد کو تربیت نہیں دے سکتا جو تربیت ماہ مدینہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ فرمایا: ان سے پہلے تم کبھی نہ بیٹھنا۔

وَلَا تَدْعُهٗ بِاسْمِهٖ۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص ۱۳۷)

اور کبھی بھی نام لیکر اپنے ابا جی کو نہ پکارنا۔

سید عالم ﷺ نے اس بچے کو یہ اصل دیا تو مطلب یہ نہیں تھا کہ اسی تک محدود رہے بلکہ مطلب یہ تھا کہ قیامت تک جتنی بھی میری امت ہے سارے بچوں کو یہ سبق پڑھایا جائے اور فہم دین کورس کو اپنے لئے رحمت سمجھتے ہیں کہ یہ دین ایسا ہے کہ اس کو بھی ظاہر کرنے کی ضرورت ہے اگر یہ کتابوں کے پیٹ میں دفن رہے تو پھر ہماری زندگیوں میں انقلاب کیسے آئے گا۔ اگر اس کو ظاہر نہ کیا جائے، اجاگر نہ کیا جائے تو پھر جو ہمارے لئے نبوت کا فیضان ہے وہ کیسے عام ہوگا۔

سید عالم ﷺ کا یہ فرمان میں نے بحیثیت وکیل آپ کے سامنے پیش کیا ہے لہٰذا

اپنے بچوں کو جو اس وقت نہیں سن رہے ان کو مائیں بھی بتائیں، ان کو والدین یہ سبق دیں کہ تمہارا ایک نصاب ہے وہ پہلی کلاس سے بھی پہلے ضروری ہے۔

اس نصاب کو پڑھو اور اس کو بالخصوص اس طرح ذہن میں رکھا جائے آج اس سلسلے میں کچھ غلط فہمی ہو جاتی ہے۔

آج ہم یقیناً اپنے اساتذہ کا بھی ادب کرتے ہیں اپنے مشائخ کا بھی ادب کرتے ہیں لیکن ان کے ادب کے ساتھ والدین کا جو ادب ہے اس کی تو مستقل حیثیت ہے جتنا احسان والدین کا بچے پر ہے۔ وہ تو ایک مستقل احسان کا شعبہ ہے لہٰذا اگر ہم اپنے مشائخ کا احترام کرتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ ہم ان کے آگے نہ چلیں تو والدین کے بارے میں اصل نص موجود ہے۔

نص میں موجود ہے کہ والد تمہارا اگرچہ ان پڑھ ہو۔ اگرچہ وہ عام سا انسان ہو لیکن اس کا والد ہونا تمہارے لئے اس کی بہت بڑی شان ہے۔

لہٰذا اس کے آگے نہ چلو، جب بیٹھنے کا وقت آئے تو اس سے پہلے نہ بیٹھو۔ یہ بالخصوص اپنے ذہن میں رکھو اور پھر اس انداز میں ساری صورتحال کو واضح کر دیا کہ آداب یہاں بھی پیش نظر رکھو جیسے دیگر مقامات پر آداب ہیں ایسے ہی یہاں بھی ہوں اور کبھی بھی نام لیکر اپنے ابا جی کو آواز نہ دو بلکہ جو ادب کا قرینہ ہے اس کے مطابق اپنے والد کو بلاؤ تو والدین تربیت کرتے وقت سمجھیں کہ یہ ہمارے نبی علیہ السلام کی طرف سے ہماری ڈیوٹی ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کو یہ بات بتانی ہے اور بچے پڑھتے وقت یہ نہ سمجھیں کہ صرف والدین کی ہم بات مان رہے ہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ ہم کونین کے بادشاہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بات مانتے ہوئے اپنے والدین کا ادب کر رہے ہیں۔ پھر اس سے کئی گنا

فائدہ زیادہ ہو جائے گا۔ گھر بھی امن سے مامور ہو جائے گا اور سنت نبوی پہ عمل کا ثواب بھی مل جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے جو نصاب بیان کیا ہے اس میں ایک ایک بات گھنٹوں بحث کی مستحق ہے۔ اگر اس کے اسرار و رموز کو چھیڑا جائے تو کیا کیا خوشبو اس میں موجود ہے۔

حدیث نمبر ۲:۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِیْنَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو خواہ بچے ہوں یا بچیاں ہوں اُن کو نماز کا حکم دو اس حالت میں کہ ان کی عمر سات سال ہو جائے۔

سات سال کی عمر میں با قاعدہ اُن کے ذہن میں ڈالو کہ تم نے آخری سانس تک نماز پڑھنی ہے۔

مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ

اپنی اولاد کو حکم دو کہ رب کے دربار کی حاضری ہے اور تم نے نماز پڑھنی ہے۔

وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَآءُ عَشَرِ سِنِیْنَ

جب دس سال کے ہو جائیں تو اب انہیں مارو۔

اگر وہ اب بھی نہیں پڑھتے تو ان کو توبیخ کے ساتھ ادب سکھاؤ اور مناسب تھوڑی سی ان کو سزا دو اور ان کو رب ذوالجلال کے دربار کی طرف متوجہ کرو۔

اب دیکھئے کسی ماں کے کلیجے میں اپنے بیٹے کا اتنا پیار نہیں ہے جتنا پیار نبی علیہ

السلام کو اپنی امت کے ساتھ ہے حشر کے دن جب ماں بیٹے کو بھول جائے گی اس وقت سرکار امتی کو نہیں بھولیں گے۔

جس وقت اس امتی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ اُس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملجاو ماویٰ ہونگے۔

گناہگاروں کا روز محشر شفیع خیر الانام ہوگا
دلہن شفاعت بنے گی دولہا نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام ہوگا
ادھر وہ گرتوں کو تھام لیں گے ادھر پیاسوں کو جام دیں گے
صراط و میزان مومن کوثر یہی وہ عالی مقام ہوگا
انا لھا کہہ کے عاصیوں کو لیں گے آغوش مرحمت میں
عزیز اکلوتا جیسے ماں کو نبی کو اپنا غلام ہوگا

اس واسطے جو سرکار نے مارنے کا حکم دیا تو یہ نہیں ہے کہ سرکار کو کوئی پیار نہیں ہے۔ کوئی ماں کہے کہ میں اپنے پیارے کو کیسے ماروں۔ یہ دس سال کا ہو گیا ہے پھر بھی نماز نہیں پڑھتا مگر مارنے کو دل نہیں چاہتا۔ اُسے سوچنا چاہئے کہ یہ مارنے والا لفظ تجھ سے کروڑ مرتبہ زیادہ رحمت والے آقا ﷺ نے کہا ہے۔ اس واسطے اس مار میں بھی رحمت ہے، اس مار میں بھی پیار ہے، اس مار میں شفقت ہے اور یہ دوائی اگرچہ کڑوی ہے مگر صحت اس سے ہی ملتی ہے۔

اس واسطے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیت دینے کا جو انداز ہے۔ اُس میں تھوڑا سا حصہ مار کا ہے اور اس کو میں اس واسطے بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آج جو گلیوں بازاروں اور سکولوں میں بورڈ لگا دیئے گئے ہیں کہ "مار نہیں پیار" اور اس طرح کی باتیں

ہو رہی ہیں لیکن وہاں مار بھی ہے پیار بھی ہے۔

ہم اُس دین والے ہیں جس میں پیار بھی ہے اور وقت پر کچھ مار بھی ہے۔

مار بغض اور حسد سے نہیں بلکہ مار بھی پیار کی وجہ سے ہے۔اس واسطے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا باقاعدہ اُن کو مارو۔

وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرَ سِنِيْنَ۔

اُن کو سزا دو نماز کے معاملے میں جبکہ وہ دس سال کے ہو جائیں۔

اس واسطے یہ مار ہے لیکن کوئی شخص اس مار کو پھٹکار نہ سمجھے بلکہ یہ رحمت کی پھوار ہے اور رحمت کی وجہ سے اولاد کی تربیت کے لئے اس تھوڑے سے حصے کو لازم کر دیا گیا ہے۔

اسکے ساتھ ہی ایک اہم حکم بھی دیا۔آپ نے فرمایا۔

وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔(مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ ص ۵۸)

جب اس عمر کو بچے پہنچ جائیں تو ان کے بستر جدا جدا کر دو۔

بہنیں اور بھائی اکٹھے نہ سوئیں،ایک ہی بستر میں وہ نہ رہیں اُن کو جدا جدا کرو۔ قیامت تک کی حکمتیں،قیامت تک کا شعور اور قیامت تک کے اجالے اس مقام تک نہیں جا سکتے جہاں سے صدیوں قبل میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوچ گزر رہی تھی اور جہاں آپ کی سوچ کی پرواز تھی۔

جب یہ اس عمر کو پہنچ جائیں تو اب ان کے بستر جدا جدا کر دو ان کو اکٹھا نہ سونے دو۔ یہ بھی ایک مستقل نظام دیا ہے۔

پتہ چلا کہ حضرت آپ کلمہ پڑھانے ہی نہیں آئے تھے کلمہ پڑھا کے سونے کے طریقے بھی بیان کرنے آئے تھے،گھر بسانے آئے تھے گھر بنانے آئے تھے اور امتی کو

آداب سکھانے آئے تھے۔ ہم کیوں دیکھیں کسی اور کو، جس کے گھر کچھ نہ ہو وہ کسی سے مانگتا پھرے اور جس کا گھر بھرا ہو وہ کسی کے آگے ہاتھ کیوں پھیلائے۔ ہم دنیا کے بنائے ہوئے ضابطوں کی بھیک مانگیں تو کیوں مانگیں۔ ہمیں محبوب علیہ السلام نے وہ ضابطہ دیا ہے جہاں ننھے اور ننھی کو سلانے کا طریقہ موجود ہے۔

حدیث نمبر ۳:۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں بچہ یا بچی پیدا ہونے کے بعد جب وہ اس عمر کو پہنچ جائیں کہ اب زبان سے لفظ بول سکتے ہیں تو اُن کو c-a-t کیٹ نہ پڑھاؤ، اُن کو کیا پڑھاؤ؟

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اِفْتَحُوْ عَلٰی صِبْیَانِکُمْ اَوَّلَ کَلِمَۃٍ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اپنی اولاد کو سب سے پہلے جو پڑھاؤ تو وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھاؤ۔

سب سے پہلے تمہارے بیٹے کی زبان پر جو لفظ ہونا چاہیے قبل اس کے کہ اس کو امی کا نام یا ابو کا نام بتایا جائے یا اُس کو کچھ اور بتایا جائے۔ نہیں! میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

سب سے پہلے اپنے بچے کو جو تلقین کرو، اُس کے کان میں اور کچھ آواز جانے ہی نہ دو۔ جدھر دیکھے بہن کی طرف دیکھے، اپنے بھائی کی طرف دیکھے، ماں کی طرف دیکھے یا باپ کی طرف دیکھے، جو بھی اس سے بولنا چاہے وہ اُس کو دیکھ کر کہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

جب ہر طرف سے وہ یہی سنے گا تو یقیناً جو پہلے دن بولے گا تو یہی بولے گا۔ لہٰذا اس کے گرد کلمۂ اسلام کا پہرہ ہونا چاہیے کہ جدھر بھی دیکھتا ہے، پھوپھی کہتی ہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور خالہ بھی کہتی ہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اب بچے کے ذہن میں

نقش ہو جائے گا اور ایسا نقش ہوگا کہ خدا کی قسم آخری سانس تک پھر یہ کلمہ برقرار رہے گا۔

اس واسطے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

وَافْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ۔

اپنے بچوں کا افتتاح کرو تو اس سے اُس کی زبان پر پہلا لفظ جو آئے وہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہو۔ پھر آگے فرمایا۔

وَلَقِّنُوْهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ ۔

انسانی زندگی کے دو کنارے ہیں آغاز اور اختتام۔ فرمایا جب یہ بچہ بوڑھا ہو گیا اَسّی سال کا بابا تھا چارپائی پے لیٹا تھا اب بھی اُس کے پاس ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھو یعنی وہ جدھر دیکھے آگے آواز اس کلمہ کی آئے اس کو یہ نہ کہو کہ تم پڑھو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کتنی مشکل میں ہو تو وہ کہیں انکار نہ کر جائے اور زندگی برباد نہ ہو جائے۔

آپ نے فرمایا تم اُس کے گرد پڑھو وہ جدھر بھی دیکھے گا آگے سے یہ آواز آئے گی'' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو نتیجہ کیا نکلے گا۔ آخری سانس جب نکل رہی ہوگی تو زبان پر یہی کلمہ موجود ہوگا۔

اوّل سے لیکر آخر تک یہ پورا سفر ہے۔ میرے محبوب علیہ السلام فرمانے لگے یہ اُس کا آخری کلام ہونا چاہیے۔

فَاِنَّہٗ مَنْ كَانَ اَوَّلُ كَلَامِهٖ لا اله الا الله وَ آخِرُ كلامِهٖ لا اله الا الله ثُمَّ عَاشَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

کیوں کہ جس بندے کی کلام کا اول اور آخر لا الہ الا اللہ ہوا گر اُس کی زندگی ایک ہزار سال ہو، پہلی جو اُس نے کلام کی تھی وہ یہی کلمہ تھا اور آخری جو کلام کی ہے وہ بھی یہی

کلمہ تھا۔ اگر ان دو حدود میں ہزار سال زندہ رہا اور گناہ بھی ہو گئے۔

مَا سُئِلَ عَنْ ذَنْبٍ وَّاحِدٍ ۔ (جامع الاحادیث ج ۲ ص ۲۴)

ہزار سال کا ایک گناہ بھی اُس سے نہیں پوچھا جائے گا۔

اگر وہ ہزار سال بھی درمیان میں زندگی پاتا ہے۔ یہ نہیں کہ مستقل گناہوں کا عادی بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چھوٹے موٹے اس سے ہو گئے ہیں یہ کلمہ کی برکت ہو گی کہ اگر کلام کا افتتاح کلمہ سے ہو چکا ہے اور یہ اہم موقع ہے بعد میں افتتاح تو نہیں ہو سکے گا جب وہ پانچ سال کا یا چھے سال کا ہو جائے تو کئی باتیں اُس کے ریکارڈ میں آ چکی ہوں گی اور کئی سٹوریاں پڑھ چکا ہو گا اب لا الہ الا اللہ پڑھے گا تو وہ مرتبہ نہیں ہے جو پہلے دن کلام کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا پہلا جملہ اُس کی زبان سے جو نکلے تو وہ یہ کلمہ ہو اور آخری بھی یہ کلمہ ہو تو میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں درمیان کی زندگی ہزار سال کی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس جانبین کے کلمہ کی برکت کو ساری زندگی پہ پھیلا دے گا اور اس سے کسی ایک گناہ کا بھی سوال نہیں کیا جائے گا۔

میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان حسین فرمودات کے اندر کتنی روشنی ہے کہ یہ تربیت دیتے وقت عملی زندگی کے اندر آپ نے خود متوجہ کیا۔ کہ میری امت کے بیٹے اور بیٹیاں اپنے والدین کو کیا سمجھیں اور اگر والدین اُن سے کچھ لیتے ہیں تو یہ اس واسطے کہ یہ کماتے ہیں اور والدین کھاتے ہیں یا اس طرح کا کوئی سلسلہ بنتا ہے۔ فرمایا جو کچھ بھی اپنے والدین کو دے دیں یہ بھی احسان کا اظہار نہ کریں۔

حدیث نمبر ۴:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِیْ مَالًا وَوَلَدًا وَاِنَّ اَبِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَّحْتَاجَ مَالِیْ فَقَالَ اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ۔ (ابوداؤد شریف حدیث نمبر ۳۵۳۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس کو روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ

اِنَّ لِیْ مَالًا وَّوَلَدًا

میرے پاس مال بھی ہے۔ مگر آگے میری اولاد ہے۔

وَاِنَّ اَبِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَّحْتَاجَ مَالِیْ۔

مگر میرے اباجی میرا مال لینا چاہتے ہیں۔

میں تو خود بچوں والا ہوں۔ مجھے خود ضرورت ہے لیکن میرے والد میرے بچوں کو نہیں دیکھ رہے وہ کہتے ہیں کہ مال مجھے دو۔

اس پر میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمانے لگے۔

اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ۔

تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کے لئے ہے۔

جب تم اُس کے ہو تو تمہارا مال بھی اُس کا ہے۔ اس واسطے غصہ نہ کرو اگر وہ چاہتے ہیں تو دے دو اور انہیں بھی خیال کرنا چاہیے کہ اُس کے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور وہ بھی تو ایسے سخت دل نہیں ہونگے کہ ان بچوں کا لقمہ چھین کے لے جائیں۔ لیکن میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قانون دیا ہے۔ اُس میں واضح کیا کہ اولاد کو یہ خیال کرنا ہوگا کہ اُس کے والدین کا اس کے لیے کیا مقام ہے اور یہ بات یقیناً بڑی اہم ہے کہ ایک

شخص جب اپنے والدین کا لحاظ کرے گا تو اُس کے بیٹے یقیناً اُس کا لحاظ کریں گے اور اُس کا ادب کریں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل فرمان اس بارے میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں کہتے کہ۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بِرُّوْا آبَائَکُمْ تَبَرَّکُمْ اَبْنَاؤُکُمْ

رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے اچھا سلوک کریں گے۔

اس سے پتہ چلا کہ اپنے فائدے کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی اگر انسان اپنے بیٹوں کی اصلاح چاہتا ہے۔ یہ تربیت کا طریقہ Indirect ہے۔ ایک بندہ یہ چاہتا ہے کہ میرے بیٹے میرے فرمانبردار ہوں تو وہ اُن کے سامنے اپنے ابا جی کی فرمانبرداری کرے۔ اگر ایک بندہ یہ چاہتا ہے کہ میرے بیٹے میرے سامنے نہ بولیں تو وہ ان بیٹوں کے دادا جی کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولے تو بیٹوں کے ذہن میں خود نقش ہو جائے گا کہ والد کا احترام یوں کیا جاتا ہے۔

یہ حکمت سے لبریز گفتگو ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یوں کرو گے تو تمہاری اولاد کی خود بخود تربیت ہوتی جائے گی۔

تم یہ تقاضا کرتے ہو کہ میرے بیٹے میرے مطیع ہو جائیں تو تم اپنے باپ کی فرمانبرداری کیا کرو اور اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ جب تم ان کے ساتھ اچھے سلوک کے ساتھ پیش آؤ گے تو تم امید رکھو تمہاری اولاد خراب نہیں ہو گی ان کے دلوں میں رب ذوالجلال تمہارا ادب واحترام ڈال دے گا۔

اسی طرح ایک کہاوت مشہور ہے کہ

ایک شخص اپنے باپ کو اُٹھا کے دریا میں پھینکنے جا رہا تھا۔ جب قریب پہنچا اور گرانا چاہتا تھا تو باپ نے بیٹے سے کہا اے بیٹے یہاں تو میں نے اپنا باپ گرایا تھا۔ مجھے کسی اور جگہ پہ گراؤ تو اُس بیٹے نے سمجھا کہ میرے باپ نے بھی اپنا باپ گرایا تھا اور آج میں اپنا باپ گرانے آیا ہوں تو کل پھر میرے بیٹے مجھے گرانے آئیں گے۔ لہٰذا وہ وہیں سے اپنے والد کو گھر لے کر چلا گیا۔ اُس کا ذہن روشن ہو گیا کہ جو اپنے والد کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے کل اُس کے بیٹے بھی اُس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے۔

اس واسطے یہ ایک تربیت کا Indirect طریقہ ہے اور یہاں پر جو دوسرا جملہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ عائلی زندگی کے ساتھ اور بالخصوص معاشرے کی تطہیر کے ساتھ اسکا بڑا تعلق ہے۔ اگرچہ اس وقت کے موضوع کے ساتھ منسلک نہیں ہے لیکن ہمارے دائمی موضوع کا حصّہ ہے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

وَ عِفُّوْا تَعِفَّ نِسَاؤُكُمْ ۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۱۷)

خود پاک دامن بنو تمہاری عورتیں خود پاک دامن بن جائیں گی۔

عِفُّوْا۔

تم اپنی آنکھ کو بچاؤ۔ تم اپنے آپ کو پاک رکھو، تم اپنا کردار صحیح رکھو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہماری عورتیں گھروں سے باہر نہ نکلیں اور ہماری خواتین پردے میں رہیں۔ ہماری خواتین ہمارا احترام کریں اور کسی طرح کی عریانی فحاشی کا ارتکاب نہ کریں۔ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اُن سے یہ تقاضا کرنے سے پہلے جو میرا تجھ سے تقاضا ہے وہ تو پورا کرو۔

عِفُّوا۔

تم عفیف یعنی پاک دامن بن جاؤ۔ اپنا کردار اچھا کرو اسکا یہ مطلب بھی بنا کہ تم کسی کی ماں بہن کی طرف بہو بیٹی کی طرف گندی نگاہ سے نہ دیکھو اللہ تمہاری بیٹیوں کو محفوظ رکھے گا۔

عِفُّوا تَعِفَّ نِسَآءُ کُمْ۔

تم پاکباز بن جاؤ تمہاری بیویاں تمہاری اولاد اور تمہاری بچیاں ان سب میں عفت آجائے گی، پاکیزگی آجائے گی اور وہ پاکدامن بن جائیں گی۔ یہ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمارے لئے زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے کہ جس جس لفظ کو دیکھتے ہو اس میں رحمتوں کے کئی سمندر آباد نظر آتے ہیں۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی طریقہ جو آپ نے دیا ہے۔

میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

عَلِّمُوا اَوْلَادَ کُمُ الْقُرْآنَ ۔

اپنی اولاد کو قرآن مجید سکھاؤ۔

وَحُبَّ نَبِیِّہٖ ۔

اللہ کے نبی کی محبت سکھاؤ۔ پھر فرمایا۔

عَلِّمُوْا اَبْنَآءَ کُمُ السِّبَاحَۃَ ۔

اپنی اولاد کو تیرنے کا طریقہ بتاؤ۔

اب یہ مستقل ایک سبق ہے کہ جس میں عسکری شعبہ آجاتا ہے کہ اسلام کیلئے اور پھر بالخصوص جو تیر اندازی کا اُس وقت زمانہ تھا اُس کے بارے میں فرمایا کہ

اُس کی تعلیم دو اور یہ عسکری ٹریننگ جو مسلمانوں کو ہونی چاہیے۔ بچپن سے ہی اس کی طرف متوجہ کر دیا اور پھر فرمایا۔

اَلتُّرَابُ رَبِیْعُ الصِّبْیَانِ۔ (جامع الاحادیث ج۴ص۱۳۸)

مٹی بچوں کی بہار ہے۔

کچھ وقت اپنے بچوں کو مٹی پہ چھوڑو کہ وہ اُس میں کھیل لیں، اس میں وہ پھلیں گے پھولیں گے۔ ہر وقت ان کو ٹیسٹ ٹیوب بے بی بنا کے نہ رکھو کہ وہ شیشے کی بوتلوں میں ہی بند رہیں۔

یہ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکمت بھری باتیں ہیں۔ جن میں سے ہر چیز کی طرف جب ہم متوجہ ہونگے تو ہماری زندگی کے اندر ایک نیا سرور آ جائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ جو ہمیں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے دین دیا گیا ہے۔

اگر کوئی بندہ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے تو اس کا اجر بھی موجود ہے۔ اگر تربیت نہیں کرتا تو اس کا مواخذہ بھی موجود ہے۔

تربیتِ اولاد کا اجر۔

میرے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالیشان ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَحِمَ اللّٰہُ وَالِدًا اَعَانَ وَلَدَہٗ عَلٰی بِرِّہٖ۔

(کتاب الثواب نضرۃ النعیم: ۲۳۷)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ اس باپ پر رحم کرے کہ جس نے اپنی اولاد کی فرمانبرداری میں مدد کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اُس باپ پر رحم کرے جس نے اپنی اولاد کو تنگ کر کے نافرمان نہیں بنایا۔

رَحِمَ اللّٰہُ وَالِدًا

اللہ تعالیٰ اُس باپ پر رحم کرے۔

اَعَانَ وَلَدَہٗ۔

جس نے اپنے بیٹے کی مدد کی۔ کس بات میں؟

عَلٰی بِرِّہٖ۔

کہ وہ بیٹا اپنے باپ کی بات مانتا رہے۔

بیٹے کو مطیع بنانے میں جس نے بیٹے کے ساتھ تعاون کیا تو یہ بڑی گہری بات ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ والدین کیحقوق اور اس کے ساتھ حسن سلوک یہ ساری چیزیں بڑی لازم ہیں۔ مگر والدین کو بھی اپنی اولاد کا لحاظ رکھنا چاہیے اور وہ خواہ مخواہ ان کو اتنا Torcher نہ کریں کہ جس کی وجہ سے اولاد تنگ ہو جائے اور اُن کے لئے اطاعت کرنا مشکل ہو جائے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ وہ والد قابل رحم ہے۔ جس نے اپنی اولاد کو اس حال میں رکھا ہوا ہے کہ اولاد کو ان کی اطاعت کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا اور کوئی تنگی محسوس نہیں ہوتی۔ جو شخص اپنی اولاد کا یہ خیال رکھتا ہے کہ میری اولاد کہیں میرے کردار کی وجہ سے تنگ نہ ہو جائے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں دعا کرتا ہوں اللہ اُس بندے کو رحمتوں کا تاج پہنا دے۔

والدین سے تربیت کا مواخذہ:

جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بن مُبَارَك

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آ گیا۔

فَشَكَا إِلَيْهِ بَعْضَ وَلَدِهِ ۔

پس اس نے آپ کے پاس اپنے ایک بیٹے کی شکایت کی۔

یہ سن کر آپ نے اس سے ایک سوال کیا۔

فَقَالَ هَلْ دَعَوْتَ عليه

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا کبھی ایسا ہوا کہ تم نے اپنے بیٹے کے لیے دعائے نقصان کی ہو۔ ایسا کبھی ہوا کہ تم نے اس کیلئے کوئی ایسے لفظ بولے ہوں کہ جن میں اللہ تعالیٰ سے یہ مانگا گیا ہو کہ رب تمہارے بیٹوں کو تباہ و برباد کر دے۔ اُس نے کہا۔

نَعَمْ

ہاں ایسا تو ہوا ہے۔ تو آپ نے فرمایا

أَنْتَ أَفْسَدْتَهُ ۔ (نضرۃ النعیم: ۲۳۷)

پھر وہ خراب نہیں ہوا تو نے اُس کو خراب کیا ہے۔ تیرے جملوں نے اُس کو خراب کیا ہے۔ تیری وجہ سے وہ خراب ہوا ہے۔

اس واسطے جو طریقہ نبوی ہے اُس میں یہ چیزیں بھی موجود ہیں اور ان کو بالخصوص پیش نظر رکھنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے جو ہمیں حسن طریق دیا ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ

مَنْ عَلَّمَ ابْنَهُ الْقُرْآنَ نَظَرًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ ۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵)

جو بندہ اپنے بچے کو ناظرہ قرآن پڑھا دیتا ہے۔ تو پھر کیا ہوتا ہے کہ بیٹا تو پڑھ گیا۔ یہ فائدہ تو ہو ہی گیا۔ لیکن باپ کے پڑھانے پر اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

جس نے ناظرہ قرآن پاک اپنے بچے کو پڑھا دیا ہے اللہ اس کے باپ کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اس بہترین تربیت کے سلسلہ میں ایک اہم شاہد جو ہمارے پاس ہے۔ بالخصوص اس سلسلہ میں خواتین اسلامی کو توجہ کے ساتھ یہ بات سننی چاہیے۔

ذھبی نے سیر اعلام النبلاء کے اندر اس کو ذکر کیا ہے۔

مدینہ شریف میں ایک بہت بڑے امام ہوئے ہیں جن کو ربیعہ رائی کہا جاتا ہے۔

امام ربیعہ کے والد کا نام فروخ ہے۔

اور بنو امیہ میں حضرت فروخ جہاد پہ نکل گئے۔ یہ زمانہ مسلسل جنگوں کا تھا۔ کئی کئی سالوں تک مجاہدین جنگوں میں ہی رہتے تھے۔ اور یہ ایسا واقعہ تھا کہ حضرت فروخ جب گھر سے گئے تو۔

رَبِيعَةُ حُمِلَ فِى بَطْنِ أُمِّهِ ۔

انکی اہلیہ بچے کی امید سے تھی۔ حضرت ربیعہ اُن کے بطن میں موجود تھے۔ حضرت فروخ گھر سے چلے گئے اور پیچھے بیٹے کی ولادت ہوئی اور اس بیٹے کو ربیعہ رائی کہا گیا۔

خَلَفَ عِنْدَ زَوْجَتِهٖ أُمِّ رَبِيعَةَ ثَلَاثِيْنَ أَلْفَ دِيْنَار

حضرت فروخ اپنی اہلیہ کے پاس تیس ہزار دینار چھوڑ کے گئے تھے۔

فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَعْدَ سَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ سَنَةً

اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت فروخ ستائیس سال کے بعد واپس مدینہ شریف آئے۔

جب وہ گھر آئے تو بیٹا پڑھ گیا ستائیس سال کا امام ربیعہ رائی دنیا میں مشہور ہو چکا تھا، جس وقت وہ فروخ اپنے گھر آئے۔

وَهُوَ رَاكِبُ فَرَسٍ وَفِي يَدِهٖ رُمْحٌ

وہ گھوڑے پر سوار ہیں اور ہاتھ میں نیزہ ہے۔

فَنَزَلَ عَنْ فَرَسِهٖ

گھر کے باہر گھوڑے پر سے اترے

ثُمَّ دَفَعَ الْبَابَ بِرُمْحِهٖ

پھر اپنے دروازے کو نیزے سے کھٹکھٹایا تو جب دروازہ کھلا

فَخَرَجَ رَبِيعَةُ

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکل آئے۔

فَقَالَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ اَتَهْجِمُ عَلٰى مَنْزِلِي

حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے خدا کے دشمن تم پردوں والے گھروں کا لحاظ نہیں رکھتے اور اس گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو، پوچھے بغیر اندر آرہے ہو، دروازے پر دستک دی جاتی ہے پھر گھر میں داخل ہو سکتے ہو۔

وَقَالَ فَرُّوْخُ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ اَنْتَ رَجُلٌ دَخَلْتَ عَلٰى حُرْمَتِي

حضرت فروخ کہنے لگے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اے خدا کے دشمن تمہیں پتہ نہیں کہ پردے والے گھروں میں غیر محرم نہیں آتے، تو میرے گھر میں کہاں سے آ گیا ہے۔ تو میرے گھر میں داخل ہے یہ حرمت اور احترام والا گھر ہے تجھے پتہ ہی نہیں ہے کہ اسلامی گھروں کے ادب کا تقاضا کیا ہوتا ہے۔

اب دونوں کا جھگڑا ہو گیا۔ اب اتفاق ایسا تھا کہ ستائیس سال ہو گئے تھے محلے والوں میں کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ فروخ ہیں اور وہ آئے ہوئے ہیں، ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا

اتنے میں لوگوں نے کہا کہ آپس میں صلح صفائی کرو معاملہ سمیٹو تو فروخ کہنے لگے یہ میرا گھر ہے میں ستائیس سال پہلے جہاد پہ گیا تھا، اب میں آیا ہو تو یہ مجھے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ یہ باتیں حضرت ربیعہ رائی کی امی نے سن لیں اور پہچان لیا کہ یہ تو میرے شوہر آئے ہوئے ہیں اور میرا بیٹا اُن کو گھر میں داخل نہیں ہونے دیتا، لہٰذا انہوں نے مداخلت کی اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ سارے پیچھے ہٹ جاؤ فیصلہ میں کرتی ہوں۔

فَقَالَتْ هٰذَا زَوْجِيْ وَهٰذَا اِبْنِيْ الَّذِيْ خَلَّفْتَهٗ

وہ کہنے لگی کہ یہ میرا شوہر ہے اور یہ میرا بیٹا ہے جس کو یہ پیچھے چھوڑ کر گئے تھے آپس میں یہ باپ بیٹا ہیں۔

باپ بیٹے کو نہیں جانتا اور بیٹا باپ کو نہیں جانتا، درمیان میں ایسا وقت گزرا ہے کہ بیٹے کی ولادت ہی بعد میں ہوئی تھی اور اب یہ واپس آئے ہیں اس پر جب انہوں نے حقیقت کو واضح کیا اور پردہ اُٹھایا تو جس وقت دونوں کو پتہ چلا

ہگیا

دونں رو پڑے

دونوں نے آپس میں معانقہ کیا دونوں ملے کہ ہمارا تو کتنا قریبی تعلق تھا اور ہم اس طرح آپس میں الجھ رہے تھے، اسکے بعد اب ادب واحترام سے حضرت ربیعہ رائی نے اپنے باپ کو وصول کیا اور گھر میں لے گئے اور اُن کو ادب سے جا کے بٹھایا۔

اب باتیں ہو رہی تھیں، امام ربیعہ رائی کے والد نے اپنی زوجہ سے پوچھا کہ میں تمہیں تیس ہزار دینار دیکر گیا تھا وہ پیسے کہاں ہیں اُن کا بندوبست کرو، چونکہ میں اتنے سالوں کے بعد آیا ہوں مجھے ضرورت ہے۔

اتنے میں نماز کا وقت ہو چکا تھا امام ربیعہ رائی کو اللہ نے اتنا مقام دیا ہوا تھا کہ وہ مسجد نبوی شریف میں شیخ الحدیث تھے اور حدیث پڑھاتے تھے والد صاحب کو حضرت ربیعہ گھر میں چھوڑ کے اپنی کلاس میں چلے گئے اور ایسی بڑی کلاس کہ جن میں امام مالک جیسے لوگ بیٹھے ہوئے تھے مسجد نبوی شریف میں اتنا بڑا مجمع لگا ہوا تھا اور امام ربیعہ ایک بہت بڑا تاج محدثین والا سر پر تھا اور وہ وہاں مسجد میں بیٹھ کے حدیث پڑھا رہے تھے جب ظہر کا وقت ہوا تو امام ربیعہ رائی کی امی نے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے آپ مسجد میں نماز پڑھ آئیں اور وہ جو خزانہ میں نے دفن کیا ہوا ہے آپ آتے ہیں تو میں نکال کر دے دوں گی۔

امام ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد جب مسجد میں پہنچے تو مسجد میں دیکھا کہ ایک نور نگر بنا ہوا ہے وہ تو مسجد نبوی شریف ویسے ہی نور نگر ہے۔

ہر ایک درو دیوار پہ مہر نے کی ہے جبیں سائی
نگار مسجد اقدس میں کب سونے کا پانی ہے

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف میں سونے کے پانی کا نقش ونگار ہے فرماتے ہیں وہ سونا چاندی نہیں ہے بلکہ ہر دیوار پر ہر جگہ کہیں سورج ماتھا رگڑتا ہے کہیں چاند ماتھا رگڑتا ہے کچھ جالیاں سنہری ہو گئی ہیں اور کہیں چاندنی آ گئی ہے۔ اس لیے وہ تو ویسے ہی نور نگر ہے۔

اُس نور نگر میں ایک محدث ہے زمانہ نگاہ جھکا کے بیٹھا ہے اور بڑے بڑے بزرگ بڑی عمر کے لوگ اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک کے بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت ربیعہ درمیان میں بیٹھے حدیث پڑھا رہے ہیں۔ جس وقت فروخ داخل ہوئے تو حیران رہ گئے کہنے لگے۔

مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ؟

اتنا بڑا استاد کون ہے ابھی پہلی ملاقات سے شناسائی بھی پوری نہیں ہو سکی تھی اور پھر اُن کا انداز بدلا ہوا تھا اپنے گھر کی حالت میں نہیں تھے وہ محدث تھے اور محدث کی صورت میں بیٹھے تھے اور یہ بھی ضروری ہے کہ محدث کپڑے خوبصورت پہنے اور عمامہ وقار والا ہو اور اس انداز میں وہ بیٹھ کے پڑھائے۔

امام ربیعہ رائی کو اُن کے ابا جی پھر نہ پہچان سکے لوگوں سے پوچھتے ہیں۔

مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ؟

یہ زمانے کا امام جن کے سامنے اتنی عظیم شخصیات بیٹھی ہیں اور حدیث پڑھا رہا ہے یہ کون ہے؟

فَقَالُوْ لَهٗ هٰذَا رَبِيْعَةُ ابْنُ اَبِىْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ

تو لوگوں نے کہا کہ یہ تمہارا بیٹا ربیعہ رائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے یہ وہ حدیث پڑھا رہا ہے یہ زمانے کا محدث بن چکا ہے یہ بہت بڑا امام ہے۔

حضرت فروخ اپنی قسمت پر حیران رہ گئے کہ میں جانتا ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی میرے گھر کے اندر نور موجود ہے اور اتنی چمک موجود ہے۔

جب نماز پڑھ کے واپس آئے تو اپنی بیوی سے کہتے ہیں میں قربان جاؤں ربیعہ رائی کی عظمتوں پر کس انداز میں اللہ نے اُس کو مقام دیا ہے اور میں حیران ہوں تمہاری محنت پر کہ میں ستائیس سال گھر میں داخل نہیں ہوا یہ کردار ہے اے ربیعہ کی امی تمہاری محنتوں کا اور تمہاری شفقتوں کا کہ تم نے تربیت کا حق ادا کر دیا ہے کہ میں اس گھر کو خالی چھوڑ کے گیا تھا جب آیا ہوں تو اُس میں بیٹا بھی ہے اور زمانے کا امام بھی ہے۔

اب دیکھیئے اگر کوئی عام خاتون ہوتی تو تیس ہزار دینار ویسے ہی خرچ کر دیتی نہ بیٹے

کی نگرانی ہوتی اور نہ کوئی کام ہوتا، عمومی طور پر آج جو لوگ بیرون ملک رہتے ہیں اُن کی اولادیں پیچھے خراب ہو جاتی ہیں۔ انہیں کوئی پتہ ہی نہیں ہوتا، کوئی اثر ہی نہیں ہوتا لیکن وہ کتنی روشن دماغ خاتون تھیں جنہوں نے اپنے زوج کی ستائیس سالہ عدم موجودگی میں بھی اپنے بیٹے کا ٹائم ضائع نہیں ہونے دیا اور پھر اُس تعلیم میں لگایا ہے کہ پوری دنیا اُس وقت نظریں اُٹھا کے یہ دیکھتی تھی کہ یہ زمانے کا امام ربیعہ رائی جا رہا ہے

جس وقت حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابا جی نے اپنے بڑے ہی اچھے تاثرات کا اظہار کیا تو حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امی کہنے لگی اب تم مجھے ایک بات کا جواب دو۔

جو تم نے مسجد میں منظر دیکھا اور اُس کو تم دیکھ کے آئے ہو میں تم سے اس وقت یہ پوچھنا چاہتی ہوں۔

اَیُّمَا اَحَبُّ اِلَیْكَ ثَلَاثُوْنَ اَلْفَ دِیْنَارٍ اَوْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ فِیْهِ مِنَ الْجَاهِ؟

مجھے یہ بتاؤ تمہیں کیا چاہئے تیس ہزار دینار چاہئیں یا زمانے کا امام ربیعہ چاہیے تم کیا لینا پسند کرتے ہو۔

قَالَ لَا

حضرت فروخ کہنے لگے تیس ہزار دینار سے کیا ہوتا ہے اتنا بڑا امام تو کروڑوں میں بھی نہیں ملتا جو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔

قَالَ لَا وَاللّٰهِ اِلَّا هٰذَا

حضرت فروخ کہنے لگے مجھے دینار نہیں چاہئیں بلکہ خدا کی قسم ہے مجھے تو ربیعہ چاہیے۔ پھر حضرت ربیعہ کی والدہ کہنے لگی۔

فَاِنِّیْ قَدْ اَنْفَقْتُ الْمَالَ كُلَّهٗ عَلَیْهِ

میں نے تیرا تیس ہزار دینار ضائع نہیں کیا میں نے خرچ کر کے تیرے بچے کو پڑھایا

ہے اور یہ میں نے کہا تھا کہ میں نے وہ خزانہ دفن کیا ہوا ہے۔

فَوَاللّٰہِ مَا ضَیَّعْتُہٗ ۔(سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۲۲)

خدا کی قسم میں نے اُن کو ضائع نہیں کیا بلکہ میں نے اُس کو خرچ کر کے تیرے بیٹے کو پڑھایا ہے۔

وہ تیس ہزار دینار میں نے اس کی تربیت پہ لگائے ہیں تو اب حضرت فروخ نے رب کا شکرادا کیا کہ میری زوجہ نے میرے ساتھ وفا کی ہے دیانت کی ہے، خیانت نہیں کی۔ میرا پیسہ خرچ کیا ہے اور اسکو اس انداز میں خرچ کیا ہے کہ آج پورا زمانہ میرے بیٹے کی امامت کا منظر دیکھ رہا ہے۔

اسواسطے تربیت کے لحاظ سے ان شواہد کو بھی سامنے رکھنا چاہیے امام ذہبی نے اس کو ذکر کیا اور پھر کچھ مضمون کے لحاظ سے بعد بھی بیان کیا لیکن مکمل طور پر اسکو ذکر کیا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک واقعہ آج کی مسلم خاتون اپنے دل کے کسی گوشے میں محفوظ کر لیتی ہے اور یہ تڑپ رکھتی ہے کہ میں نے بھی اپنے بیٹے کو زمانے کا امام بنانا ہے، میں نے بھی دنیا کو ایک امام دینا ہے، میں نے بھی دنیا کو ایک فقیہہ دینا ہے، ایک محدث دینا ہے اور ایک مفسر دینا ہے۔

میں نے دنیا کیلئے ایک روشنی کا سامان پیدا کرنا ہے کہ یہ کائنات اندھیروں سے بھر گئی ہے اور میں نے زمانے کو ایک چراغ دینا ہے۔ یہ دنیا بدبو سے بھر گئی ہے اور میں نے زمانے کو ایک گلاب دینا ہے۔ اس دنیا کے اندر چور بڑے ہو گئے ہیں اور میں نے زمانے کو ایک محافظ دینا ہے۔ اس دنیا کے اندر ایمان اور امن کے لٹیرے بڑے ہیں اور میں نے امن اور ایمان کا پہرے دار دینا ہے۔

اس تڑپ کو لیکر وہ اپنے بچوں کی تربیت کرتی ہے پڑھاتی ہے تو اُن کیلئے یہ مشعل راہ موجود ہے اور بالخصوص اگر شوہر موجود ہے تو خود خاوند کو اپنی اولاد کی تربیت کرتے ہوئے اس انداز میں سوچنا چاہیے کہ کل جب میرا جنازہ نکلے، جنازہ اٹھے، میرے گھر سے چارپائی نکلے تو جنازہ کے ہمراہ فرشتے موجود ہوں کہ یہ ایک محدث کا والد ہے، محدث کا باپ ہے۔

اس انداز میں جس وقت ہم سوچتے ہیں تو یقیناً ایک انقلاب آنے والا ہے۔ اس سلسلہ میں والدین کی جو سختی ہے اسکو بیٹوں کو سختی نہیں کہنا چاہیے، جو باپ جھڑکے تو اس کو جھڑک نہیں کہنا چاہیے، باپ کی محبت والی ڈانٹ کو ڈانٹ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ میں سمجھتا ہوں جب میں ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا میرے والد محترم خدا انہیں لمبی زندگی دے اُس کلاس کو فارسی کا مضمون پڑھاتے تھے گرمی کا موسم تھا تو فرمانے لگے اس وقت مکئی کی فصل کو پانی کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی اولاد کیلئے والد کی ڈانٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور اُس ڈانٹ کا جتنا فائدہ اولاد کو ہوتا ہے اتنا فائدہ آج اس گرمی کے موسم میں پانی کا مکئی کی فصل کو نہیں ہے اور یقیناً اگر انسان سمجھے تو کوئی سخت معاملہ نہیں ہے۔

بعض جگہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کے والدین بڑے سخت ہیں، اُس کے اباجی بڑے سخت ہیں اور وہ ڈانٹتے ہیں تو یہ سختی نہیں ہے حقیقت میں اس کے اندر بھلا موجود ہوتا ہے اور رہبری ملتی ہے۔

میری دعا ہے خالق کائنات جل جلالہٗ ہمیں تربیت اولاد کے وقت یہ اصول سامنے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب نمبر
2

تقلید سے متعلق
شبہات کا ازالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

نہایت ہی معزز و محتشم حضرات و خواتین:

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے صراط مستقیم کے پرنور پروگرام میں آج ہم سب کو فہم دین کورس کے اکیسویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج کا ہمارا موضوع ہے۔

تقلید سے متعلق شبہات کا ازالہ

میری دعا ہے رب ذوالجلال ہمارے اس پروگرام کو زیادہ سے زیادہ بابرکت بنائے اور رب ذوالجلال میرے انداز کو تفہیم و تاثیر اور اپنی طرف سے خصوصی تنویر عطا فرمائے۔

تقلید سے متعلق چند موضوعات ہمارے گذشتہ سالوں کے کورسز میں ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے ایک موضوع ہے کہ ہم مقلد کیوں ہیں اور ایک موضوع ہے ضرورت تقلید اور گذشتہ سال ترکِ تقلید کی تباہ کاریاں کے موضوع پر آپ گفتگو سن چکے ہیں۔ لیکن آج کا موضوع ہے تقلید کے متعلق شبہات کا ازالہ۔

چونکہ تقلید خیر القرون کے آخری عہد سے لیکر آج تک امت مسلمہ کی غالب اکثریت کا یہ نظریہ رہا ہے۔ اس لیے فقہ اسلامی اور آئین اسلامی کے لحاظ سے بھی جہاں بھی اسلام خلفاء راشدین کے بعد عملی شکل میں نافذ ہوا یا رائج ہوا۔ وہ تقلیدی تشریحات کی روشنی میں رائج ہوا۔ خواہ وہ دور عباسی ہو، خواہ وہ عثمانیوں کا دور ہو اور خواہ وہ فتاویٰ عالمگیری کی ترویج کا زمانہ ہو۔ تو اس لحاظ سے اسلام کی روشن تاریخ تقلید سے وابستہ ہے اور تقلید کے متعلق

مشرق و مغرب میں جہاں جہاں تک مسلم امہ موجود ہے۔ تقلید کے خوبصورت عنوان سے واقف ہے اور اسکی برکات سے زمانہ آج بھی معطر و منور ہے۔

تقلید کا لغوی معنیٰ:

تقلید کا لغوی معنیٰ ہار پہنانا ہے۔ قلادہ ڈالنا ہے۔

تقلید کا شرعی معنیٰ:

هُوَ الْاَخْذُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ مَعْرِفَةِ دَلِيْلِه ۔(شرح عقود رسم المفتی ص ۸۴)

تقلید یہ ہے کہ مجتہد کی بات کو مان لینا دلیل کا تقاضا کیے بغیر اور دلیل جانے بغیر۔ آسان لفظوں میں تعریف یہ ہے۔

تقلید یہ ہے کہ امام کے بادلیل قول کو بغیر مطالبہ دلیل کے تسلیم کر لینا۔ امام سے دلیل پوچھے بغیر مان لینا۔ اُس قول کی یقیناً امام کے پاس دلیل ہے۔ لیکن ایک شخص جو اس پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ اُس کیلئے دلیل کا جاننا لازم نہیں ہے۔ صرف اُس قول سے واقف ہوتا ہے اور عمل شروع کر دیتا ہے اس طرح کے عمل کو تقلید کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے احکام ہوں یا سید عالم ﷺ کے فرامین ہوں اس مسئلے کیلئے بھی ہر جگہ روشنی موجود ہے۔ چونکہ یہ تھوڑا سا موضوع مشکل ہوگا تو اُس کاروان سخن کے ساتھ آپ کو چلنے کیلئے بیداری اور اس کے ساتھ اپنی دلی رغبت کو شامل کرنا ہوگا رب ذوالجلال نے قرآن مجید کی سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔(سورۃ النحل آیت نمبر ۴۳)

اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

تو اب یقیناً یہاں جس بات کے پوچھنے کا ذکر ہو رہا ہے اُس کا تعلق کوئی دنیاوی امور سے نہیں بلکہ دینی امور سے ہے۔ خالق کائنات جل جلالہ دنیا کے مسائل کے لحاظ سے لوگوں کی یہ رہنمائی نہیں کر رہا کہ اگر تم نے دنیا کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو اہل ذکر کے پاس جاؤ۔ خالص دینی رہنمائی کیلئے رب ذوالجلال حکم فرما رہا ہے کہ تم اگر نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔

اہل ذکر سے پوچھنے کے بعد اگر انسان کا اُس پہ عمل کرنا نا جائز ہو تو پھر اہل ذکر کے پاس جانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور رب ذوالجلال کا اپنے بندوں کو اہل ذکر کی طرف بھیجنے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ یہ ایک لغو حکم ہو جائے گا اور ہمارا رب لغو حکم دینے سے پاک ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ذکر کو اس قابل بنایا ہے کہ جو اُن کے پاس جائے گا وہ اس کی الجھن دور کریں گے اور دینی رہنمائی کریں گے۔ دینی رہنمائی بندہ اہل ذکر سے لے لے گا۔ تو اس کے بعد اُس پر عمل کرنا بندے کیلئے لازم ہو جائے گا اور وہ عمل اللہ تعالیٰ کے دربار میں باعث ثواب بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ایک ذریعہ بن جائے گا۔

اہل ذکر کا لفظ بظاہر ایک عام لفظ ہے۔ یہ قانون ہے کہ جس وقت کسی لفظ کے تمام افراد بیک مراد لئے جا سکتے ہوں۔ تو اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِہٖ

اہل ذکر سے مراد ہزاروں اور لاکھوں لوگ ہو سکتے ہیں۔ مگر یہاں پر اہل ذکر سے مراد کامل اہل ذکر ہیں۔ چونکہ اسکا ہر فرد تو مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اس واسطے مطلق کا جو دوسرا قانون ہے۔ اس قانون کے مطابق ہمیں مطلق کے فرد کامل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

اَلْمُطْلَقُ یَنْصَرِفُ اِلَی الْفَرْدِ الْکَامِلِ

اس واسطے کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ پھر معنیٰ یہ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ

اہل ذکر میں سے جو کامل اہل ذکر ہیں اُن کے پاس تم جا کے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں اور پھر تم اُس پہ عمل کرو۔ لہٰذا مطلق کے کامل قانون کے لحاظ سے اہل ذکر سے مراد اہل ذکر کا ہر فرد نہیں بلکہ خاص اہل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ذکر میں جو فرد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں اُن کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ ان لوگوں کے فتویٰ کے بعد عمل کرنا ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف عمل ہو رہا ہو۔ نہیں! جن کی طرف اللہ بھیج رہا ہے اُن کی بات پہ عمل کرنا یقیناً رب ذوالجلال کی رضا کے حصول کا سبب بن جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کامل اہل ذکر کون ہیں۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت کریمہ ہے سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۵۵ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ

تم اچھی سے اچھی بات کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی۔

اس آیت کریمہ میں ایک ہے ماانزل کہ اللہ کی طرف سے جو نازل کیا گیا اور ایک ہے ماانزل میں احسن۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ماانزل میں جو احسن ہیں اُس پر تم نے عمل کرنا ہے، اُس کی تم نے اتباع کرنی ہے اور اچھی سے اچھی بات کو تلاش کر کے اُس کی تم نے پیروی کرنی ہے۔

مجتہد کی تقلید کیوں؟

جس وقت ما انزل میں سے احسن کی اتباع کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اب ما انزل میں سے احسن کو وہ بیان کرے گا۔ اہل ذکر میں سے جو فرد کامل ہے ما انزل میں سے احسن کو وہ بیان کرے گا۔ اُس کی اتباع کا اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے۔ یعنی بالواسطہ یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اہل ذکر کا جو فرد کامل ہے اُس کی اتباع کرنے کا حکم دے رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف متوجہ کیا جس کے پاس استدلال کی صلاحیت ہے، جو قرآن مجید سے مسائل کا استخراج کر سکتا ہے، مسائل کو نکال سکتا ہے۔ اب یہ پتہ چلا کہ جو کچھ یہ بیان کرے گا، وہ اپنا نہیں ہوگا بلکہ وہ رب ذوالجلال کے کلام کا ایک حصہ ہوگا۔ جو ما انزل و میں سے احسن ہے اس کا حکم دیا جا رہا ہے۔ تو ہمارے نزدیک جو مجتہد ہوتا ہے وہ احکام کا مثبت نہیں بلکہ احکام کا مظہر ہوتا ہے۔

ان مجتہدین کا Status حکم کو ثابت کرنا نہیں بلکہ حکم کو ظاہر کرنا ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ (سورۃ الانعام: ۵۷)

حکم ضرور اللہ کا ہے۔

حکم اللہ کی طرف سے ہے۔ مثبتِ حکم اللہ تعالیٰ ہے کسی چیز کو حلال کرے تو اللہ اور کسی چیز کو حرام کرے تو اللہ۔ مجتہد کا کام کسی چیز کو حرام کرنا نہیں مجتہد کا کام کسی چیز کو حلال کرنا نہیں بلکہ مجتہد کا کام یہ ہے کہ جو حلت و حرمت لوگوں سے پوشیدہ ہے اُس حلت و حرمت کو ظاہر کر دے۔ لہٰذا اسلام کے اندر مجتہد کی جو حیثیت ہے اور قیاس کا جو مرتبہ ہے اس کے متعلق توضیح تلویح میں یہ بات موجود ہے کہ قیاس مثبت حکم نہیں ہوتا بلکہ یہ مظہر حکم ہوتا ہے۔

اس لیے مجتہد مثبتِ حکم نہیں ہوتا بلکہ مظہرِ حکم ہوتا ہے۔ حکم تو قرآن مجید میں موجود ہے لیکن عام لوگوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہے تو مجتہد نے اس حکم کو لوگوں کیلئے ظاہر کیا اور یہ اہل ذکر کا فرد کامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کیلئے جو خود مجتہد نہیں ہیں، جن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حکم کہاں واقع ہے اور کس طرح ثابت ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان نہ جاننے والوں کیلئے اس جاننے والے کی بات کو لازم کر دیا ہے۔

مثال:

اس کی حیثیت مثال سے سمجھنا چاہیں تو یوں سمجھئے:

جس طرح کہ ایک برقی رو کی کیبل دس کمروں سے گذر کر گیارہویں کمرے میں جارہی ہے گیارہویں کمرے میں بلب لگا ہوا ہے اور وہاں پر روشنی ہے۔ جن دس کمروں سے گذر کر آرہی ہے وہاں کوئی ہولڈر نہیں ہے، کوئی بلب نہیں ہے۔ لہٰذا وہاں اندھیرا ہے۔

وہ عام سابندہ جس کا بجلی سے کوئی تعارف نہیں ہے اور بجلی کے بارے میں جانتا نہیں ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ صرف یہاں روشنی ہے۔ لیکن جو الیکٹریشن ہے اُس کو پتہ ہے کہ جن دس کمروں سے یہ تار گذر کر آرہی ہے۔ اگر وہاں ہولڈر لگا کے بلب لگا دیا جائے تو جیسے روشنی گیارہویں کمرے میں ہے ایسے باقی دس کمروں میں بھی ہو سکتی ہے۔

اُس نے ہولڈر لگا دیا۔ تو پھر کیا ہوا؟ وہاں دوسرے کمروں میں بھی روشنی ہو گئی۔ جو پہلے دس کمروں میں روشنی ہے کیا اسکا ماخذ اور ہے؟ نہیں ایک ہی برقی رو سب کا ماخذ ہے۔ لیکن دس مقامات پوشیدہ تھے۔ یہاں پہلے بھی پاور موجود تھی۔ مگر اظہار کی ضرورت تھی۔

اسی طرح شریعت مطہرہ کے مجتہد کا کام ہی یہ ہے کہ یہ ہولڈر لگا کے بلب لگاتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ جتنے مسائل ہمیں معلوم نہیں ہو رہے تھے۔ یہ اُسی برقی رو سے روشن ہیں کہ جس سے ایک کمرے میں پہلے روشنی ہو رہی تھی۔ یہ کسی نئے ٹرانسفارمر سے برقی رو نہیں لایا، اس نے کہیں اور سے سلسلہ نہیں بنایا۔ صرف بات یہ ہے کہ اُس کو یہ معلوم ہے کہ کہاں کہاں سے یہ برقی رو گذر رہی ہے اور کہاں سے اسکا تعلق ہے لیکن اس کو مہارت ہے اور اُس نے یہ کام کیا ہے تو دس جگہ اور بھی روشنی ہوگئی ہے۔ اگر یہی کام کوئی اناڑی کرے گا۔ ہوسکتا ہے وہ بلب لگانے میں لٹک جائے وہ خود مر جائے، اوروں کو مار دے، اور اندھیرے مزید بڑھ جائیں

یہ مجتہد کی شان ہے کہ وہ مثبتِ حکم نہیں ہوتا بلکہ وہ مظہر حکم ہوتا ہے۔ حکم پہلے موجود ہے لیکن پردہ ہٹانے کی ضرورت ہے۔ اس کا کام پردہ ہٹانا ہے لہٰذا جب اسکی بات کو مانا جارہا ہے۔ تو غیر اللہ کی بات کو نہیں بلکہ اللہ ہی کی بات کو مانا جارہا ہے۔ لہٰذا یہ تقلید کا مطلب ہے کہ امام کے بادلیل قول کو مطالبہ دلیل کے بغیر مان جانا۔

اب جس کو روشنی سے کام ہے اُسے یہ مقصد نہیں ہے کہ پوچھتا پھرے کھمبا کہاں ہے، ٹرانسفارمر کہاں ہے، ہولڈر کیسے لگتا ہے، بلب کہاں سے ملتا ہے اُس کو روشنی سے کام ہے اگر یہ سیکھتا چلا جائے تو جو قیمتی وقت ہے وہ اسی بات میں گذر جائے گا اور جو روشنی میں کام کرنا تھا وہ سارا زمانہ ہی بیت جائے گا اس واسطے عوام کیلئے دلیل کا جاننا لازم نہیں ہے۔ وہ مجتہد پردہ اُٹھاتا ہے تو لوگوں کیلئے بھی وہ حکم عام ہو جاتا ہے۔

ا۔ دیکھیں ایک حکم ہوتا ہے اور ایک عِلت ہوتی ہے۔ یہ اجتہاد ہے اور قیاس ہے کہ جہاں جہاں علت پائی جارہی ہے۔ وہاں حکم لگا دیا جائے علت جہاں موجود ہے وہاں حکم

کو لگا دیا جائے۔ مثلاً شراب حرام ہے علت کیا ہے؟ کہ وہ مسکر ہے نشہ آور ہے۔ لہٰذا جہاں جہاں سکر اور نشہ والی عِلّت ہوگی وہاں وہاں حکم آجائے گا۔

ہمیں کوئی علیحدہ آیت کی ضرورت نہیں ہے کہ افیون کیلئے اور آیت نازل ہو۔ بھنگ کیلئے اور آیت نازل ہو۔ چرس کیلئے اور آیت نازل ہو۔نہیں: بلکہ علت مشترکہ دیکھیں گے۔ جہاں وہ علت پائی جائے گی کہ جس کی وجہ سے شراب کو حرام کیا گیا وہاں علت تلاش کریں گے ساتھ ہی حکم لگتا چلا جائے گا۔

تو یہ انداز ہے مجتہدین کا جس طرح ہولڈر لگا کے بلب لگایا جاتا ہے تو یہ مجتہد کا سینہ ہے جو علوم کا مدینہ ہے۔ اُس کو مہارت حاصل ہے لہٰذا ہم پڑھیں تو ہمیں ایک آیت سے ایک مسئلہ نظر آتا ہے۔

لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ پڑھیں تو وہ اسی قرآن پاک سے پانچ لاکھ مسائل لوگوں کیلئے پیش کردیں۔

اس صورتحال کو دیکھنے کیلئے ہم اگر پلٹ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا نقطہ نظر دیکھتے ہیں تو ابن قیم کے قول کے مطابق جو اعلام الموقعین میں موجود ہے۔

سارے صحابہ کرام جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اُن میں سے اصحاب فتویٰ ۱۳۰ ایک سوتیس اور کچھ تھے۔ یعنی ایک سوتیس سے لیکر ایک سو انتالیس تک، اسکے درمیان انکی تعداد ہے۔ اب جس وقت وہ اصحاب فتویٰ تھے تو باقی سارے اُن کا فتویٰ مانتے تھے اور ان کے فتویٰ کی پیروی کرتے تھے۔ 135 یہ اصحاب فتویٰ دینے والے تھے اور ہزاروں فتویٰ ماننے والے تھے۔ اب جتنے بھی صحابہ کرام کے فتاوی ہیں ہمارے پاس وہ کتابیں موجود ہیں۔ اُن میں جو انداز ہے صحابہ کرام کو فتویٰ دینے کا وہ انداز وہی ہے جو تقلید کا انداز ہوتا ہے۔

یعنی صحابہ کرام نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھا ہے۔ بیس کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیتے وقت یہ بتایا ہے کہ یہ چیز کس آیت سے حرام ہے اور کس حدیث سے حرام ہے یا یہ چیز کس آیت سے جائز ہے، کس حدیث سے جائز ہے۔ صحابہ کرام نے عمل کرنا ہے انہوں نے سن کے عمل کرنا شروع کر دیا۔ تو یہ شروع سے لیکر صراط مستقیم کا ایک سلسلہ ہے۔ اسی طرح عمل کرنے والے حضرات کیلئے حکم کا جاننا ضروری ہے۔ دلیل کا یاد کرنا اور اُس کا طلب کرنا ضروری نہیں ہے اور دلیل جانے بغیر جس وقت مجتہد کی بات کو مان لیا جاتا ہے تو اسکو شریعت کی زبان میں تقلید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اب یہاں پر چند باتیں ضروری ہیں۔

چند سوال پہنچے تو ہم نے اُن سے صرف نظر کیا کہ وہ بچگانہ سوال ہیں۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اُن کے ترکش کے وہ آخری تیر تھے اور اس پر اُنہیں کے سارے مذہب کا مدار ہے۔

اسواسطے اُن سوالات کا جواب بھی دیں گے۔ اس سے پہلے ایک جامع گفتگو کرتے ہیں کہ جس سے ہر سوال کا جواب خود بخود سب کو سمجھ آ جائے گا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کیوں کی جاتی ہے اور تقلید کب سے شروع ہوئی ہے۔

تقلید کب سے شروع ہوئی؟

تقلید جزوی حالت میں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں موجود تھی اور اس انداز سے موجود تھی کہ ابھی قرآن نازل ہو رہا تھا تقلید والے تقلید کر رہے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جو یمن میں بھیجا تھا۔ اُن کو یمن میں فیصلہ کرنے اور

مسئلہ بتانے کیلئے بھیجا تھا اور پھر جب پوچھا کہ

كَيْفَ تَقْضِيْ

اے معاذ میں تم کو یمن کا قاضی بنا رہا ہوں ذرا بتاؤ تم وہاں کیسے لوگوں کے مسائل کا فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے کہا:

اَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

یارسول اللہ ﷺ میں قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر قرآن سے نہ ملا؟ تو انہوں نے کہا پھر میں سنت رسول ﷺ سے فیصلہ کروں گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر سنت رسول ﷺ سے نہ ملا تو پھر

اَجْتَهِدُ بِرَأْيِي۔ (جامع ترمذی: ۱۳۲۷)

میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

چونکہ پہلے یہ تفصیلاً بیان ہو چکی ہے میں اسکی تفصیل کی طرف نہیں جاتا۔ اب یہاں یمن والوں کیلئے حضرت معاذ کی بات کو اور انکے قول کو ماننا لازم تھا کہ وہ سنیں اور عمل کریں۔ حالانکہ ابھی قرآن نازل ہو رہا تھا۔ ہوسکتا ہے جو مسئلہ لوگ حضرت معاذ سے پوچھ رہے ہیں اور حضرت معاذ اپنی رائے سے بتا رہے ہیں وہ بعد میں کسی سورت میں اتر چکا ہو، نازل ہو چکا ہو۔ اسکے باوجود رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پابند نہیں کیا کہ پہلے میرے ساتھ رابطہ کرنا ہوسکتا ہے تمہارے بعد کچھ قرآن اترے اور وہ مسئلہ اُس میں موجود ہو۔ بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں تم جو مسئلہ اپنی رائے سے بیان کرو گے۔ وہ مسئلہ اتنا اچھا مسئلہ ہے کہ سرکار نے فرمایا میں خوش ہو گیا ہوں کہ اللہ نے میرے گورنر کو وہ

بات کہنے کی توفیق دی ہے کہ جس کو سن کے میرا دل راضی ہو گیا ہے، میں خوش ہو گیا ہوں۔ اگر یمن والوں کیلئے حضرت معاذ کا قول ماننا جائز نہ ہوتا تو ہر گز اُن کو یہ فیصلہ کرنے کی اجازت نہ دی جاتی جب کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنکی تصدیق کر دی ہے کہ جو تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو گے وہ صحیح ہو گا اور یمن والوں کیلئے اُسکا ماننا لازم ہے یہ تقلید شخصی کا ایک جزوی مقام ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مسئلہ بیان کریں گے اور اُن کا دینی مسئلہ جو انہوں نے اپنی رائے سے بیان کیا ہو گا سارے یمن والوں پر اُس کا ماننا لازم ہو جائے گا۔

بعض صحابہ کے اپنے پیروکار

بخاری شریف جلد نمبر اص نمبر 237 پر یہ حدیث شریف موجود ہے کہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض کے اپنے اپنے پیروکار تھے اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مسئلہ پوچھتے تھے اور انکی تقلید کرتے تھے۔

جس طرح کہ اہل مدینہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھتے تھے پھر اُس پر عمل کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کتنے جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ مدینہ شریف تشریف لے گئے تو مدینہ شریف کے لوگوں نے ایک مسئلہ پیش کر دیا۔

کہنے لگے کہ ایک عورت مکہ شریف حج کرنے گئی ابھی اُس نے طواف وداع کرنا تھا کہ اُسے حیض آ گیا تو کیا وہ وہیں رہے گی۔ حیض کے دن ختم ہونے کے بعد طواف کر کے پھر گھر واپس آئے یا اُس کو اجازت ہے کہ وہ طواف کرنے کے بغیر گھر واپس آ جائے۔ آخری طواف چھوڑ دے، الوداعی طواف کو ترک کر کے وہ گھر واپس آ جائے۔

جس وقت اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا تو فرمانے لگے کہ

تَنۡفِرُ

وہ آخری الوداعی طواف چھوڑ کے جاسکتی ہے۔

اُس کو اس حالت میں طواف چھوڑ کے گھر جانے کی اجازت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ حیض کے اختتام کا انتظار کرے پھر طواف وداع کرے۔ وہ عورت حیض کے ختم ہونے کا انتظار نہ کرے بلکہ گھر چلی جائے۔

اب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھنے کے بعد اہل مدینہ کہنے لگے۔

قَالُوْا لَا نَأْخُذُ بِقَوْلِكَ وَ نَدَعُ قَوْلَ زَيْدٍ؟

ہم آپکے قول پر عمل نہیں کریں گے کہ حضرت زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ دیں؟

مدینہ والوں نے کہا اے عبداللہ بن عباس ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ ہم حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بات مانیں گے۔ ہم پہلے اُس سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا موقف اس بارے میں یہ ہے کہ اُس عورت کو وہیں ٹھہرنا چاہیے۔ جب حیض ختم ہو تو پھر طواف کر کے گھر جائے۔

اب اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی مسائل میں ایسا اختلاف تھا اس میں اُن کے ماننے والے بھی تھے۔ مدینہ شریف والے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے کہنے لگے اے ابن عباس ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ حالانکہ مسئلہ انہوں نے خود پوچھا ہے۔ جب انہوں نے بیان کر دیا تو کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہم تو حضرت زید کی بات مانیں گے۔ نہ ابن عباس نبی ہیں اور نہ حضرت زید نبی ہیں لیکن صحابہ ان کو اپنا پیشوا بنائے ہوئے ہیں۔ صحابہ ان سے مسئلہ پوچھتے ہیں، ان سے فتویٰ لیتے ہیں اور صحابہ کرام ان کے فتویٰ کے مطابق عمل

بھی کرتے ہیں۔ پتہ چلا کہ آج ان لوگوں نے جو نعرہ بنالیا کہ کتاب وسنت ہمارے لئے کافی ہے اور اس کے سوا ہم کسی چیز کو نہیں مانتے۔ پھر اہل مدینہ حضرت زید کی بات کو کیوں مان رہے ہیں اور اہل مکہ حضرت عبداللہ بن عباس کی بات کو کیوں مان رہے تھے۔

پتہ چلا کہ ان کی بات کو ماننا قرآن وسنت کے شعبے کا ایک حصہ ہے۔ چونکہ وہ اسی کو ظاہر کررہے ہیں۔ لہٰذا خود صحابہ کرام میں تقلید کا ایک دور موجود تھا۔

اگرچہ ہم یہ کہیں گے کہ تقلید پوری طرح، کلی طور پر جو رائج ہوئی تو اُس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول ہے۔ انہوں نے فرمادیا کہ تقلید اپنے پورے انداز کے ساتھ اس وقت رائج ہوئی جب امت کا کارواں دو صدیوں کا سفر طے کر چکا تھا۔

تقلید کلی طور پر دو صدیوں کے بعد رائج ہوئی

اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول ایک حتمی حیثیت رکھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب "الانصاف" کے اندر فرماتے ہیں۔

بَعْدَ الْمِئَتَیْنِ ظَهَرَ فِیْهِمُ التَّمَذْهُبُ لِلْمُجْتَهِدِیْنَ بِاَعْیَانِهِمْ

دو صدیوں کے بعد ایک امام کی فقہ پر کار بند ہو جانے کا، کسی ایک امام کے مقلد ہو جانیکا سلسلہ شروع ہو گیا۔

وَقَلَّ مَنْ لَا كَانَ یَعْتَمِدُ عَلٰی مَذْهَبٍ (الانصاف مخطوط، ص ۳۱،)

بہت کم تھا جو کسی فقہ کا پیرو کار نہ ہو۔

غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے

اور دو صدیوں کے گذر جانے کے بعد جب تقلید شروع ہوئی ہے تو شاید کوئی شاذ و

نادر ایسا بندہ ہو جو کسی امام کا مقلد نہ ہو۔ ساری کی ساری قوم اور سارے خری کے سلسلہ کے لوگ اور اسلام کی ابتدائی عظمتوں کے ان حامل لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرمانے لگے:

وَكَانَ هٰذَا هُوَ الْوَاجِبُ

اور یہ تقلید اُن پر واجب ہو چکی تھی۔

اُس وقت اُن پر تقلید فرض تھی۔ لہٰذا تقلید کا آغاز اجتماعی شکل میں اور اس انداز میں دو صدیوں کے بعد ہوا لیکن اصل میں جزوی طور پر شخصی تقلید پہلے بھی موجود تھی۔ لیکن پھر دو صدیوں کے بعد اس کو واجب سمجھا گیا۔ اس حیثیت کے ساتھ تقلید کی ابتداء ہوئی۔ اسکے بھی مستقل اسباب تھے کہ پہلے اس کی حیثیت وجوب والی نہیں تھی۔ لیکن پھر شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ہر بندے پر جو مجتہد نہیں تھا۔ اس کیلئے مقلد ہونا شرعی طور پر واجب ہو چکا تھا۔

جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ صحابہ کرام کا عہد زریں جہاد سے بھرا ہوا تھا۔ روزانہ جنگیں اور معرکے تھے۔ کہیں منکرین زکوٰۃ سے جنگ تھی۔ کہیں مرتدین سے جنگ تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ حدیث کی تدوین کا کام بھی صحابہ کرام کے زمانے میں نہیں ہو سکا کہ حدیث شریف صحابہ کرام کے زمانہ میں مدوّن ہو جاتی اور احادیث کو جمع کر لیا جاتا اور احادیث کی کتابیں لکھی جاتیں۔ اگرچہ نفس کتابت حدیث تو خود رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں ثابت ہے۔ اسکے کئی اسباب تھے۔

1 پہلا سبب:

اس وقت اُنکی مصروفیت زیادہ تھی اور روزانہ نئے افق پہ اسلام کی شمع کو روشن کرنا تھا۔ لوگوں کو کلمہ پڑھانا تھا۔

2 دوسرا سبب:

كَانَتْ قُلُوبُهُمْ صَنَادِيقَ عُلُومِهِمْ

اُن کے دل ہی علوم کے صندوق تھے۔

اُنہیں یہ ضرورت ہی پیش نہیں ہو رہی تھی کہ ہم کچھ لکھیں اور کتاب بنائیں پھر اس کو پڑھیں اور اُس کو پڑھائیں۔ جو ان کے اندر علم کے صندوق موجود تھے اُسی پر اکتفا کر رہے تھے۔

3 تیسرا سبب:

عہد نبوی سے کاروان جوں جوں دور جا رہا تھا اس میں تبدیلی آ رہی تھی، تغیر آ رہا تھا۔ لوگوں کے اندر تقویٰ کا گراف گر رہا تھا۔ اور نئی نئی چیزیں آ رہی تھیں۔ اسکی وجہ سے بھی بعد میں ایک اہم کام کی ضرورت تھی لیکن صحابہ کرام کے جہاد کی برکات اتنی تھیں کہ اگرچہ بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ مگر ایسے لوگ ابھی سوسائٹی میں نہیں آئے تھے کہ جن کی وجہ سے امت کے کاروان کے لٹ جانے کا خطرہ ہو اور فکری محاذ پر وہ اتنے تیز ہو چکے ہوں کہ باقاعدہ کسی قانون کی ضرورت آ چکی ہو۔ لہٰذا صحابہ کرام کا دور یوں گذرتا گیا اور کارواں آگے بڑھتا گیا۔ لیکن جس وقت دو سو سال کا زمانہ بیت چکا تھا اب بعد میں جو صورتحال تھی کہ تقویٰ کمزور ہوا اور مختلف فرقے بن گئے۔ کہیں قدریہ ہیں اور کہیں جبریہ ہیں۔ کہیں خوارج و روافض اور کہیں معتزلہ ہیں۔ اب ضرورت تھی کہ ملت کیلئے قانون کو اس طرح بنا دیا جائے کہ کسی شخصیت کے پیچھے لگ کے اُس وقت کی ضرورت کے مطابق دین کو محفوظ کر لیا جائے اور اس دین پر عمل کیا جائے۔

لہٰذا یہ سبب بنا اور اسکو ضروری سمجھا گیا کہ کوئی بندہ اُس وقت تک دین محفوظ نہیں کر

سکتا۔ جب تک وہ کسی امام کا مقلد نہیں بن جاتا۔ لہذا ایسے حالات کے اندر تقلید شروع ہوگئی اور پھر بالاتفاق پوری امت نے اسکو اپنے لئے زیور سمجھا اور اجماعی عقیدہ کے مطابق چار اماموں میں سے ایک امام کا مقلد ہو جانا اسکو سب نے عوام کیلئے لازم قرار دے دیا۔

تقلید کے اسباب حدیث کی روشنی میں

اب ایسی صورتحال کے اندر جس وقت ہم تقلید کے اسباب کو دیکھتے ہیں تو سید عالم ﷺ کا یہ فرمان سامنے رکھنا چاہیے۔

آپ کا یہ فرمان بخاری شریف جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 1047 پر موجود ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس زبیر بن عدی آئے اور انہوں نے حجاج کی شکایتیں کیں کہ حجاج کے مظالم بڑے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے

اِصْبِرُوْا

حجاج کے مظالم پر صبر کرو۔

اِنَّہٗ لَا یَاْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِیْ بَعْدَہٗ شَرٌّ مِّنْہُ

جتنا بھی بعد کا وقت آئے گا وہ پہلے سے زیادہ شر والا ہوگا۔

جوں جوں بعد کے حالات آتے جائیں گے ابھی تو حجاج ہے اس سے زیادہ شر بھی آسکتا ہے۔ لہذا صبر کرو۔ جس وقت آپ نے بیان کیا تو سننے والوں کو تعجب ہوا کہ کیا یہ واقعی حقیقت ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت سے امت کا کارواں آگے بڑھتا جائے گا تو شر آتا جائے گا اور فساد آتا جائے گا تو حضرت انس بن مالک کہنے لگے۔

سَمِعْتُہٗ مِنْ نَبِیِّکُمْ

یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ یہ بات میں نے نبی علیہ السلام سے سنی ہے۔

لہٰذا اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص بعد کے حالات کو صحابہ کرام کے حالات کے ساتھ مساوی کرنا چاہے کہ جیسے صحابہ کرام کے اطوار تھے ایسے ہی بعد والوں کے ہونے چاہئیں۔ اُسے سوچنا چاہیے کہ جب سوسائٹی تقویٰ سے بھری ہوئی ہو اُس کے پیمانے اور ہوتے ہیں اور جب سوسائٹی میں ظلم آجائے تو اِس وقت کے انداز اور ہوتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام کا وہ زمانہ کہ جس وقت تقلید کو بحیثیت اجتماعی لازم قرار نہیں دیا گیا تھا اُس وقت اسکی ضرورت نہیں تھی۔ جس وقت بعد میں شریر پیدا ہو گئے، دین کو لوٹا جانے لگا تو اب یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ امام ہونا چاہیے تاکہ وہ امام امت کی قیادت کرے اور قرآن وسنت کے حقیقی فیصلوں سے لوگوں کو آشنا کرتا رہے۔

صحابہ کرام اور بعد والوں کے حالات میں فرق

لوگ صحابہ کرام کی بات کرتے ہوئے یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے اور یہ کہنا آسان بھی بڑا ہے۔ کہ صحابہ کرام نے نہیں کیا تم تم کیوں کرتے ہو۔

لیکن سوچنا چاہیے کہ صحابہ کرام کے زمانے کے حالات، اُن کی ضرورتیں، اُن کے معمولات اور جو اُس وقت کی صورتحال تھی۔ سب کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ہمیں یقیناً اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ صحابہ دین کی جڑ ہیں۔

صحابہ کرام اصل ہیں اور بعد والے فرع ہیں

ہم جڑ نہیں ہیں بعد والے سارے ٹہنیاں ہیں۔

جڑ اور ٹہنی کا تعلق آپس میں بڑا ہوتا ہے۔ جڑ نہ ہو تو ٹہنی نہیں آتی اور جڑ ہی نہ ہو تو ٹہنی ہری نہیں ہوتی۔ جڑ سلامت نہ ہو تو ٹہنی کے پتے نہیں ہوتے۔

لیکن یہ فرق ضرور ہوتا ہے کہ جڑ پہ پتے نہیں ہوتے ٹہنی پے پتے ہوتے ہیں جڑ پے پھول نہیں ہوتے، ٹہنی پے پھول ہوتے ہیں۔ ہم صحابہ کرام کے اصل ہونے کے معترف ہیں اور وہ دین کی جڑ ہیں۔ ہمارا اُن کیساتھ ربط ہے۔ بعد والے جتنے بھی آئے ہیں اُن سب کو صحابہ کرام کے ساتھ ایک پلڑے میں تولیں تو یہ ناانصافی ہوگی۔ اس واسطے کہ جڑ کے حالات اور ہوتے ہیں ٹہنی کے حالات اور ہوتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات، بالکل ثابت ہوگئی کہ بعد میں جب ضرورت پڑی تو تقلید ایک حصار ہے۔ قلعہ ہے، پہلے یہ تھا جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے لیکن بعد میں لازم ہوگیا۔

رسول اکرم ﷺ کا جامع ترمذی میں یہ فرمان موجود ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ

آخر زمانے میں ایسی قوم نکل آئے گی جو دین کے ذریعے دنیا طلب کریں گے۔

يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّانِ مِنَ اللِّيْنِ

لوگوں کے لیے نرمی ظاہر کرتے ہوئے بھیڑوں کی کھالیں پہن لیں گے۔

- وہ لوگوں کیلئے بھیڑوں والے خول پہن لیں گے۔ اُنکے لباس بھیڑوں والے ہونگے۔

أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ

اُنکی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہونگی۔

قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ۔ (جامع ترمذی ۲/ ۶۶، مشکوٰۃ شریف: ج ۵۳۲۳)

مگر اُن کے دل بھیڑیوں والے ہونگے۔

ایسی قوم نکلے گی جن کی کھالیں بھیڑوں والی ہیں اندر سے بھیڑیے ہیں جن کی

زبانیں بڑی میٹھی ہیں اندر سے کڑوے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کا کام کیا ہوگا؟

یہ دنیا کو دین سے ملا دیں گے اور دین کو دنیا سے ملا دیں گے۔ جب ایسا وقت ہو کہ ملاوٹ ہونے لگے تو اب پہرے دار کی ضرورت ہے۔ جب ملاوٹ نہیں تھی تو اس وقت کیلئے یہ تقاضا کرنا کہ اُس وقت بھی اتنے ہی گارڈ ہوتے اور اتنے ہی پہرے دار ہوتے تو یہ کوئی عقل کا تقاضا نہیں ہے اور اس کی کوئی مقبولیت نہیں ہے۔

لہٰذا جس وقت امت کو Protection کی ضرورت تھی اور احصار کی ضرورت تھی رب ذوالجلال نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ جیسے لوگ اس امت کو عطا فرما دیئے کہ جس وقت وہ قومیں (خوارج و روافض وغیرہ) پیدا ہو رہی ہیں کہ جو اندر سے بھیڑیئے ہیں اور بھیڑوں والی کھالیں پہنی ہوئی ہیں اور دین کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اب ضرورت تھی کہ کسی بچانے والے کا دامن پکڑا جائے اور اس دامن کے پکڑنے کے عمل کو تقلید کہا جاتا ہے۔ اور جس کا دامن پکڑا جائے اُس کو امام کہا جاتا ہے۔

اب جس وقت تقلید کا یہ سلسلہ شروع ہوا تو اس میں صحابہ کرام کا زمانہ اور بعد والا فرق اس کے لحاظ سے گواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب آج جو ہم سے یہ تقاضا کرے کہ صحابہ کرام میں بھی ایسی تقلید ہو کہ جیسے تم حنفی ہو کچھ صحابہ صدیقی ہوں تقلید کے لحاظ سے اور کچھ صحابی فاروقی ہوں فقہ کے لحاظ سے اور کچھ فقہ کے لحاظ سے عثمانی ہوں۔ ہم اُن سے کہیں گے کہ اگر ایک شخص اپنی زندگی کے بیس سال تک بیمار نہیں ہوا اور اکیسویں سال بیمار ہو گیا ہے جس وقت وہ بیمار ہوا تو اُس کو ڈاکٹر نے دوائی دی۔ آج اگر کوئی اُس سے جھگڑا کرے پہلے بیس سال تجھے یاد نہیں آیا کہ تو دوائی کھاتا

آج تو نے شروع کر دی ہے۔ یہ تو کیا کام کر رہا ہے۔ بگاڑ پیدا کر رہا ہے۔ تو ایسے شخص کی عقل کا ماتم نہ کریں تو کیا کریں۔ کہ جب بیس سال ضرورت نہیں تھی تو پھر دوائی کھانا بیوقوفی تھی اور جب ضرورت ہو تو پھر نہ کھانا بیوقوفی ہے۔

صحابہ کرام کا زمانہ تھا اُس وقت اس دوائی کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب ضرورت پڑ گئی اُس وقت بھی اگر اس کا انکار کر دیا جائے اور اس کو غیر ضروری کہہ دیا جائے تو یہ کسی عقلمند انسان کی بات نہیں ہو سکتی۔ اُس شخص کے دماغ کا علاج کرانا چاہیے کہ حالات کا اپنا تقاضا ہوتا ہے اور مجتہدین نے امت کے تقاضوں پر پوری طرح پہرہ دیا ہے۔

اس واسطے حضرت شاہ ولی اللہ جیسا شخص ویسے تو نہیں کہتا

کہ امت پر تقلید کرنا دو صدیوں کے بعد واجب ہو گیا تھا کہ جب چور پیدا ہو گئے تو ضروری ہوا کہ کسی امام کی اقتداء کی جائے، امام کے پیچھے چل کے دین کو آگے پھیلایا جائے۔ لہٰذا یہ وجوب تھا جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی نہیں بلکہ اور بھی درجنوں امت کے محدثین نے ذکر کیا ہے اور امت کا اس بات پر اتفاق تھا تب ہی تو چاروں فقہ پر پوری ملت کو محبوس رکھا گیا۔ کہ یہی حق ہے اور اسی پر پابند رہو۔ اس واسطے یہ سلسلہ شروع ہوا اور رب ذوالجلال کے فضل سے آج تک یہ سلسلہ ملت اسلامیہ کے جمہور میں اُسی طرح موجود ہے۔ اب غیر مقلدین کی طرف سے پیش کیے چند سوالات کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔

سوال نمبر 1:۔ ایک ہی امام کی تقلید کیوں؟

اس مقام پر غیر مقلدین بڑا اہم سوال بنا کر پیش کرتے ہیں۔ کہ پھر ایک امام کیوں ضروری ہے۔

چلو ٹھیک ہے ہم مان لیتے ہیں کہ امام ہونا چاہیے۔ لیکن ایک کیوں ہونا چاہیے۔ کئی امام ہوں اور پھر جہاں سے اچھا ملے وہاں سے لے لو۔ کچھ باتیں کسی کی مان اور کچھ باتیں کسی کی مان لو۔ اُن کے پاس ایک ہی دلیل ہے۔

یعنی نماز کا مسئلہ اگر کوئی شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ہے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ زکوٰۃ کا مسئلہ بھی انہیں سے پوچھے۔ زکوٰۃ کا مسئلہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھ سکتا تھا۔

جو زکوٰۃ کا مسئلہ حضرت فاروق اعظم سے پوچھے یہ ضروری نہیں کہ روزے کا مسئلہ بھی انہیں سے پوچھے۔ روزے کا مسئلہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھ سکتا تھا۔

جب یہ لازم نہیں تھا کہ ایک ہی سے پوچھا جائے۔ اُس وقت اختیار تھا جس سے چاہو پوچھ لو۔ جس وقت وہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں ایک کو فقہ کے لحاظ سے امام بنانا لازم نہیں تھا۔ خلافت کے لحاظ سے ان سے علیحدہ صورتحال تھی۔ وہاں جس وقت ایک کی تقلید اتنی لازم نہیں تھی تو بعد میں پھر ایک کی تقلید لازم کیوں ہوگئی۔ یعنی جو حنفی ہے وہ حنفی فقہ میں رہے۔ اور جو مالکی ہے وہ مالکی فقہ میں رہے۔ جو حنبلی ہے وہ حنبلی فقہ میں رہے اور جو شافعی ہے وہ شافعی فقہ میں رہے۔

جواب: اس کے جواب کو سمجھنے کیلئے دو حیثیات کو سامنے رکھنا چاہیے۔

1 پہلی حیثیت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں فقہ کے لحاظ سے گروپ نہیں تھے کہ یہ عثمانی ہے وہ جس سے چاہتے تھے پوچھ لیتے تھے۔ اس کا سبب کیا تھا، مطلب کیا تھا؟ کہ کوئی صحابی

ایسے نہیں تھے جو دین کے سارے شعبہ جات کے لحاظ سے مسئلہ بتاتے ہوں۔انہوں نے شعبے بانٹے ہوئے تھے اور اس لحاظ سے انہوں نے اصول نہیں بنایا ہوا تھا کہ ہر مسئلہ ہم اخذ کریں گے اور ہر مسئلہ ہم بتائیں گے۔

جس وقت خلفاء راشدین میں حدیث کی روایت ہم دیکھتے ہیں تو صرف چند سو روایات خلفاء راشدین سے مروی ہیں۔ اُس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا تو پتہ چلا کہ اُن لوگوں کے ہاں جس موقع پر وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔ وہ حدیث سامنے تھی وہ کسی نے پوچھی تو بیان کردی اور جس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے تو جب کسی نے پوچھی تو اگلے کے پاس اُس کو بھیج دیا۔

2 دوسری حیثیت

ہر شخص کے پاس دین کا پورا سلیبس لوگوں کو فتویٰ دینے کے لحاظ سے تیار کیا ہوا موجود نہیں تھا۔ چونکہ اُن کو جتنا ملا ہے اتنا محفوظ کیا ہے۔ابھی تدوین بعد میں ہونی ہے اور باقی کے معاملات بعد میں ہونے ہیں۔ چونکہ صحابہ کرام نے اپنے اپنے اصول وضع نہیں کیے تھے۔ لہٰذا پھر ایک کی مکمل تقلید کس طرح ہوسکتی تھی۔ایک سے جتنا ملتا تھا اتنا لینا تھا۔ دوسے سے جتنا ملتا تھا اتنا لینا تھا۔اول سے لیکر آخر تک کہ نماز بھی، زکوٰۃ بھی، روزہ بھی، حج بھی اور طلاق بھی، زراعت بھی، عتاق بھی یہ سارے شریعت کے جو سینکڑوں باب ہیں ان سب میں جب ایک صحابی سے ساری احادیث مروی نہیں یہ سبب تھا کہ ایک صحابی کی مکمل طور پر تقلید نہیں کی گئی۔ جتنا جہاں سے ملا ہے۔ اتنا وہاں سے لیا ہے اور پھر اگلے کے پاس سفر کیا گیا ہے۔

ہم اس دور کی بات کر رہے ہیں کہ جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے

شریعت کا مکمل اصول مدون کر دیا تو اب وقت آ گیا کہ ایک سے پوچھو اور ہر بات پوچھو اور اس میں اسکے پیچھے پکے ہو جاؤ۔

یہ ظاہر ہے اور واضح ہے اور یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرم علیہم الرضوان میں سے اگر چہ جن سے حدیثیں تھوڑی بھی روایت ہیں تو ان کا ایک لمحہ سرکار ﷺ کو دیکھ لینا وہ بعد والوں کے کروڑوں سالوں سے بھاری ہے اور علوم کے لحاظ سے اُنکا یہ مرتبہ ہے لیکن پھر با قاعدہ اصحاب فتویٰ ایک سو اٹھتالیس کیوں تھے، تو ماننا پڑے گا کہ کچھ اسباب تھے، تقسیم تھی، درجہ بندی تھی اور اُس کے لحاظ سے کام چلتا تھا تو وہاں پر چونکہ مسلسل جہاد کا زمانہ تھا غزوات کا مسلسل دور تھا، ابھی تک حدیث کو بھی مدون نہیں کیا گیا تھا۔ یہ اصول فقہ کی بات تو بعد میں تھی۔ اس واسطے جتنا جس سے ملتا تھا اتنا ہی اس سے لینے کی اجازت تھی۔ باقی اگلے کے پاس سے لینا ضروری تھا۔ لیکن جب مکمل دین کے سارے شعبہ جات پر ایک فقہ مرتب ہو گئی اور سب کچھ اُس میں موجود ہے تو اب کسی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ ایک مسئلہ کسی سے لے اور دوسرا مسئلہ کسی سے لے۔ اسکی جو خرابی ہے وہ بہت بڑی ہے اور گزارا ہونے کیلئے یہاں سب کچھ موجود ہے۔

اس واسطے اب اُس کو ایک فقہ میں رہنا پڑے گا۔ دوسری فقہ کی طرف جانا اُس کیلئے جائز نہیں ہے۔

ہر امام کی تقلید کرنے سے اجتماع نقیضین لازم آئے گا

اس میں خرابی یہ ہے کہ اگر اس کو جائز قرار دے دیا جائے کہ جس کی جہاں سے مرضی آئے وہاں سے فتویٰ لے لے۔ خواہ مالکی ہے تو وہ حنبلیوں کے پاس چلا جائے۔ حنبلی ہے تو شافعیوں کے پاس چلا جائے۔ نماز کا مسئلہ شافعیوں سے پوچھ لے اور زکوۃ

کا مسئلہ حنبلیوں سے پوچھ لے روزے کا وہ حنفیوں سے پوچھ لے۔ اگر یہ قرار دے دیا جائے۔تو پھر دو بڑی خرابیاں لازم آئیں گی۔

1 پہلی خرابی

ایک تو یہ ہوگا کہ انسان اپنی پوری زندگی مکلف بن ہی نہیں سکے گا۔

2 دوسری خرابی

دوسرا یہ ہوگا کہ روئے زمین سے حرام نام کی چیز ہی ختم ہو جائے گی۔ اب تو شریعت میں کچھ چیزیں حلال ہیں اور کچھ حرام ہیں۔ ہر بندہ ان کا مکلف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر امام کی مانو تو پھر یہ دو خرابیاں ہوں گی اور ان دونوں سے دین ختم ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ہو کہ زمین پر کوئی بندہ مکلف نہیں تو مطلب کیا ہوگا کہ اللہ کا نظام معطل ہو چکا ہے، قرآن کو عملاً ماننا لازم نہیں رہا۔

یہ دو خرابیاں اس وجہ سے لازم آئیں گی کہ جب ایک ہی امام کو اپنا امام نہیں مانا جائے گا۔ جب ہر طرف ہر دیگ کا چمچہ بننا چاہے گا تو اُس کے بعد دین کی اساسی حیثیت ختم ہو جائے گی۔

مثال

اس کو سمجھنے کیلئے یہ مثال سامنے رکھیئے۔

کسی شخص کو ایک مسئلہ پیش ہو۔ امام شافعی کے نزدیک وہ کام کرنا حلال تھا لیکن امام مالک کے نزدیک یہ کام حرام تھا۔ اب ایک بندہ امام مالک کا مقتدی ہے تو اس نے کہا کہ امام شافعی کے پاس اس کی چھوٹ ہے تو میں ادھر چلا جاتا ہوں۔ اب اُس نے اس کو حلال سمجھ لیا۔ جبکہ قانون اوپر یہ ہے کہ جس کی مرضی ہو جو لے لے جب حلال وحرام کا

مقابلہ ہوگا اب یہ بندہ حلال کے کیمپ میں داخل ہو جائے گا۔ جب بھی کسی جگہ سختی ہوگی حلال وحرام کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا اور بندے پر پابندی ہوگی کہ یہ تم پر حرام ہے تم نے اسکونہیں کرنا تو وہ کسی دوسرے کیمپ میں داخل ہو کے وہ کام کرے گا اور کہے گا کہ میرے لئے حلال ہے۔ اس طرح کیا ساری زندگی اُس کو شریعت کا مکلف بنایا جائیگا؟ ساری زندگی وہ بندہ شریعت کا پابند نہیں ہو سکے گا۔ چونکہ جہاں سے اُس کو حلال نظر آئے گا وہ وہاں ہی داخل ہو جائے گا۔ ایسا کوئی بندہ نہیں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے شترِ بے مہار بنایا ہو۔ یہ شترِ بے مہار بننے سے تب بچ سکے گا جب وہ ایک امام کا جھنڈا پکڑے گا اور آخری سانس تک تھامے رکھے گا۔

دوسری طرف اگر یہ جائز ہو جائے تو پھر حرام نام کی چیز ختم ہو جائے گی۔ اب ہمارے لئے با قاعدہ کچھ محرمات ہیں اور کچھ حلال ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ۔(سورۃ النساء:۲۳)

تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔

حرام پورا شعبہ ہے۔ اب اگر یہ جائز ہو کہ جس امام کی چاہو تقلید کرو اور جس سے جی چاہے مسئلہ پوچھو تو پھر کیا ہوگا کہ ہر انسان سہولت پسند ہے۔ کوئی بھی مشکل کی طرف نہیں جائے گا اور بالآخر کوئی حکم زمین پر حرام سمجھا ہی نہیں جائے گا۔ لوگ اپنا میلان حلال کی طرف کرلیں گے۔

یہ مثال میں نے مخصوص مسئلے کی دی ہے لیکن اس کو غیر مخصوص مسئلے میں نافذ کرنا کہ جہاں پر بھی آپس میں فقہاء کا اختلاف ہوگا۔ ایک طرف حلت ہوگی دوسری طرف حرمت ہوگی تو ہر بندہ حرمت کی طرف نہیں جائے گا۔ اپنی سہولت کیلئے حلت کی طرف جائیگا۔ پھر

نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسلام میں ساری چیزیں حلال ہیں حرام کوئی بھی نہیں۔ جبکہ اسلام میں باقاعدہ حرام چیزوں کے ابواب موجود ہیں۔ لہٰذا یہ بات ہے کہ جس کی وجہ سے ایک امام کی تقلید کرنا لازم ہے۔

اسکے ساتھ یہ صورتحال بھی ذہن میں رکھنی چاہیے۔

احکام کی دو قسمیں ہیں

1۔ایک احکام اتفاقی ہیں۔ اتفاقی سے مراد سارے امام کے نزدیک اتفاقی ہیں۔

2۔دوسرے احکام اختلافی ہیں۔ اختلافی سے مراد یہ ہے کہ ایک امام کے نزدیک وہ کام جائز ہے اور دوسرے کے نزدیک وہ کام ناجائز ہے۔

یہ جائز و ناجائز ہونا اُن فقہاء کے نزدیک عدل کے لحاظ سے ہے۔ انہوں نے دلائل کو ڈھونڈنے کی پوری کوششیں کی۔ دلائل کی روشنی میں انہوں نے فیصلہ کیا۔ یہاں تک کہ تاریخ بغداد میں یہ لکھا ہے کہ

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک ایک مسئلے پر کبھی مہینہ مہینہ بحث ہوتی تھی۔ اور اس میں ایک ہزار علماء کا بورڈ بیٹھتا تھا۔ اُن علماء کرام میں چالیس مجتہد تھے۔ ان کے پاس وقت کے صوفی بھی، وقت کے مجتہد بھی، وقت کے صرفی نحوی، مفسر اور محدث سارے بیٹھتے تھے۔ مسئلے پر بحث ہوتی تھی بحث کے بعد جو مسئلہ حل ہوتا تھا اُس کو فقہ کا نام دے کر فقہ حنفی کے دفتر میں لکھا جاتا تھا۔ اس لیے یہ انداز ہے کہ کچھ مسائل اتفاقی ہیں اور کچھ اختلافی ہیں۔

جس وقت آئمہ کے نزدیک کچھ مسائل اختلافی ہیں تو اب اگر ایک ہی امام کی تقلید نہ کی جائے تو پھر اجتماع نقیضین لازم آجائے گا۔

اجتماع نقیضین کیا ہے؟

مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ زید کھڑا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ زید کھڑا نہیں ہے تو نفس الامر میں وہ یا تو قائم ہے یا غیر قائم ہے۔ان دونوں میں سے ایک ہی چیز ہو سکتی ہے دونوں نہیں ہو سکتیں۔ایک شخص کہتا ہے کہ زید سویا ہے دوسرا کہتا ہے کہ زید سویا نہیں ہے تو حقیقت میں وہ یا تو سویا ہوا ہوگا یا سویا ہوا نہیں ہوگا۔اگر ایک امام کی پیروی نہ کی جائے تو یہ عقیدہ ہوگا کہ وہ قائم بھی ہے اور غیر قائم بھی ہے۔وہ نائم بھی ہے اور غیر نائم بھی ہے تو یہ اجتماع نقیضین عقلاً باطل ہے۔اس واسطے ماننا پڑے گا کہ ایک ہی امام کے پیچھے چلنا لازم ہے۔

سوال نمبر 3:۔ان چار اماموں کو کس نے معین کیا؟

یہاں پر لوگوں کے ذہنوں میں ایک یہ بھی مغالطہ ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ان اماموں کو معین کس نے کیا تھا؟ پھر یہ چار ہی کیوں ہیں۔اور بھی امام موجود تھے۔انکی تقلید کیوں نہیں کی جاتی،اور بھی آئمہ تھے اُنکی فقہ پہ کیوں عمل نہیں کیا جاتا۔یہ چار ہی کیوں ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں۔

جواب: میرے بھائیو! میری اس بات کو نہایت ہی دھیان سے سننا۔

اس سوال کے تین جواب ہیں۔

اصل میں بات یہ ہے مسلمانوں میں قبولیت کے لحاظ سے جو ان چار ائمہ کا مقام ہے وہ اور کا نہیں ہے۔

جیسے تم دیکھتے ہو کہ کسی آیت میں نہیں لکھا ہوا کہ حدیث کی فلاں کتابوں کو صحاح ستہ کہا جائے گا۔یہ لوگوں کی اپنی چاہت ہے کہ ماننے میں اُن کو سب سے زیادہ مان گئے۔ حالانکہ ان کتابوں سے پہلے بھی کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔اُن سے بڑی بھی لکھی ہوئی ہیں۔

مگر اُن کو کوئی صحاح ستہ نہیں کہتے۔ صحاح ستہ اگر کہا جاتا ہے تو ان چھ کتابوں کو جو امام بخاری و مسلم وغیرہ کی ہیں۔

اب ان پر جو صحاح ستہ کی اصطلاح ہے وہ کیا عرش سے نازل ہوئی ہے یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے؟ نہ وہ اصطلاح عرش سے آئی ہے اور نہ نبی علیہ السلام نے دی ہے۔ لیکن مانتے سارے ہیں تو کس بنیاد پہ مانتے ہیں۔ وہ کیا صحابہ کرام نے دی ہے۔ یہ اصطلاح صحابہ کرام نے بھی نہیں دی تو ان کو صحاح ستہ کیوں مانتے ہیں۔

ان کو صحاح ستہ اس لئے مانتے ہیں کہ ان میں کمال تھا اور کمال والی چیز ہر ایک کو اچھی لگتی ہے۔ لہٰذا ان کے کمال نے لوگوں سے اپنا آپ منوالیا۔ مسلمانوں میں ان کی مقبولیت ان کے تعین کی دلیل ہے۔

اس کے سوا اور کیا دلیل ہے۔ اصحاب ستہ کی کتابوں کو صحاح ستہ کہنا اور پھر ماننا اُن کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ اس میں وہ کس کی تقلید کرتے ہیں؟ وہ کس بنیاد پر تقلید کے منکرین کہتے ہیں۔ اللہ کا حکم بھی نہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم بھی نہیں صحابہ کرام کا حکم بھی نہیں اس کے باوجود ان کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں اور کسی کو شامل نہیں کرتے۔ کہ جیسے کوئی ضابطہ ہوتا ہے اور قانون ہوتا ہے۔ اسی طرح

یہ آئمہ بھی اللہ نے عرش سے معین نہیں کیئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث میں معین نہیں کیئے بلکہ ان کی فقہ کا کمال یہ تھا کہ ان کی فقہ نے لوگوں کی ضرورتیں پوری کر دی ہیں۔ اس لیے لوگوں نے ان چاروں کو اپنا قائد تسلیم کر لیا ہے۔

باقی آئمہ میں مجتہد بھی تھے مگر ان کے اندر جامعیت نہیں تھی، کسی نے صرف نماز کے مسائل لکھے اور کسی نے صرف روزے کے مسائل لکھے۔ کسی نے صرف دس اصول

بنائے۔ لہٰذا اُن کے اندر گذارہ نہیں ہوتا تھا۔ ملت کو تو وہ چاہیے تھا جس کو اول سے لیکر آخر تک مانیں تو پھر کمی نہ ہو۔ ہر مسئلہ وہاں سے ملے چار ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کے سوا کسی کی فقہ کے اندر جامعیت نہیں تھی۔ وہ ادھوری تھی ان کی فقہ نے لوگوں کی ضرورت کو پورا نہیں کیا تھا۔

اس بنیاد پر امت میں یہ چار امام مشہور ہو گئے۔ ان کو رب ذوالجلال کی طرف سے متبولیت دی ہوئی تھی جس طرح کہ حدیث کی چھ کتابیں مشہور ہو گئیں اسی طرح یہ چار امام بھی فقہ میں مشہور ہو گئے۔

دوسرا جواب

اسکا دوسرا سبب یہ ہے کہ صرف اصول بنانا کافی نہیں بلکہ اصولوں کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ ایک بندہ زندگی میں ایک بات کر جائے۔ اس میں کئی باتیں مجمل رہ جاتی ہیں اور کئی مبہم رہ جاتی ہیں تو ان کی تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے اور اُن کے بارے میں وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان چاروں ائمہ کے اصحاب اتنے تھے اور انکے شاگرد اتنے تھے۔

اب کے ہر ہر لفظ پر اُن اماموں نے پہرے لگائے۔ اور اعتکاف کیے اور وضاحتیں کیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یوں بولیں تو اسکا یہ مطلب ہے۔

یوں کہیں تو پھر اسکا یہ معنیٰ ہوتا ہے۔ یوں بولیں تو اس کی یہ تشریح ہوتی ہے۔

لہٰذا اصول بن جانے کے بعد ابہام کی جو وضاحت تھی وہ ان چاروں کی تو پائی گئی لیکن دوسرے اماموں کی ایسی وضاحت نہیں پائی گئی اور کسی امام کو ایسا نیٹ ورک نہیں ملا۔ اُن کے پاس ایسے Sorces نہیں تھے اور اُن کے پاس کوئی Majority نہیں

تھی جو انکی باتوں کی تشریح کرتی اور پھر تشریح کے ساتھ جو لوگوں کی ضرورت تھی وہ پوری ہو جاتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے جو اصول تھے وہ جامع قرار پائے۔ انکی جامعیت کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو ساری وضاحتیں بھی ملتی رہیں اور لوگوں میں یہ مقبول ہوگئی۔

دوسرے بھی امام ہیں اُن کا اجتہاد بھی ہے مگر اُن کا نصاب ایک تو جامع نہیں، دوسرا جن اجتہادی اُصولوں کی وضاحت کی ضرورت تھی ان کی وضاحت نہیں ہوئی۔

اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگوں میں مقبول نہ ہو سکے اور اللہ نے اب چار کو زیادہ مقبولیت عطا فرمادی ہے۔

تیسرا جواب:

اور پھر یہ بات بھی ہے کہ جو دیگر ائمہ کرام نے کیا وہ ضرور غلط تھا؟ نہیں وہ صحیح ہو سکتا ہے مگر ہم تک پہنچا کیسے۔

ان چاروں اماموں کی فقہ تواتر سے پہنچی ہیں اور باقی لوگوں کی آراء خبر واحد سے پہنچی ہیں۔ اس لئے پہنچنے کے لحاظ سے بھی ان دونوں میں فرق ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ کوئی بندہ حدیث نبوی کا انکار کر سکتا ہے؟ حدیث ہمیشہ حدیث ہے لیکن ایک وہ حدیث ہے جو تواتر سے ہم تک پہنچی اُس کو مرتبہ مل گیا اور جو خبر واحد سے پہنچی وہ پیچھے رہ گئی۔ حالانکہ سرکار ﷺ کا فرمان ہونے میں تو سب برابر تھیں۔ صحابہ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنتے ہیں اور اس کو حدیث مانتے ہیں اور پھر ایسا مانتے جیسے قرآن کی آیت مانی جاتی ہے۔

لیکن آج حدیث کی قسمیں بن گئیں کہ یہ متواتر ہے۔ اسکا بڑا مقام ہے اور یہ خبر واحد ہے۔ اسکا وہ مقام نہیں ہے۔ اب حدیث کی یہ تقسیم کیوں ہوگئی؟ کہ ہم تک پہنچے

میں فرق ہو گیا۔ جو متواتر ہے اسکے راوی زیادہ ہیں اور جو خبر واحد ہے اُسکا راوی ایک ہے۔ اس لحاظ سے انکی شان اور مرتبے میں فرق ہو گیا۔

ایسے ہی اصل کے لحاظ سے فقہ اُن اماموں کی بھی بڑی اچھی تھی۔ مگر ہم تک پہنچنے کے لحاظ سے ہم تک تواتر سے نہیں پہنچی خبر واحد ہو گئی ہے۔ لیکن ان چاروں ائمہ کی فقہ تواتر سے پہنچی ہے۔ لہٰذا جیسے حدیث کی شان تواتر سے بڑھ جاتی ہے۔ ایسے ہی فقہ کی شان تواتر سے بڑھ گئی ہے۔

یہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن چاروں ائمہ کو دیگر پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ پھر ان چار میں سے رب ذوالجلال نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہ کو وہ شان عطا کر دی ہے کہ میرے نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب فیوض الحرمین میں بیان کرتے ہیں۔

عَرَّفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ فِی الْمَذْھَبِ الْحَنَفِیِّ طَرِیْقَۃً اَنِیْقَۃً ھِیَ اَوْفَقُ الطُّرُقِ بِالسُّنَّۃِ الْمَعْرُوْفَۃِ الَّتِیْ جُمِعَتْ وَنُقِحَتْ فِیْ زَمَانِ الْبُخَارِیِّ وَاَصْحَابِہٖ (فیوض الحرمین ص 49 مطبع احمدی، دہلی ہند)

مجھے رسول اللہ ﷺ نے پہچان کروائی ہے کی حنفی مذہب میں بہت اچھا طریقہ ہے جو سنتِ معروفہ کے زیادہ موافق ہے جسے بخاری اور انکے اصحاب کے زمانہ میں جمع کیا گیا اور چھانٹا گیا۔

زمانے میں تبدیلی کی وجہ سے راوی کا دھیان کرنا پڑا

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو زمانہ ہے اُس میں بھی تغیر آیا اور احکام بدلتے گئے پہلے کی طرح وہ احکام نہ رہے۔

مثال کے طور پر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے تو ایک شخص آ گیا جس کا نام بشیر بن کعب عدوی ہے۔ بشیر بن کعب عدوی آ کے کہنے لگا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

یعنی بشیر بن کعب نے حدیث شریف بیان کرنا شروع کر دی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی اسکی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ بشیر بن کعب عدوی کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انداز اور تھا یعنی جس وقت ہم کہتے تھے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو ان کی روح بھی تڑپ جاتی تھی، اُسکی طرف اپنے کان بھی متوجہ کرتے تھے اور اپنے دل کو کو بھی متوجہ کرتے تھے اور آج میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوں لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ میری طرف دیکھ ہی نہیں رہے تو بشیر بن کعب عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا کہ اے ابن عباس تجھے کیا ہوا؟ حدیث شریف پڑھنے کا تو تجھے بڑا شوق تھا اور آج میں حدیث بیان کرتا ہوں تم میری طرف دیکھتے ہی نہیں ہو اسکا سبب کیا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے وجہ یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا حدیث کو بیان کرنے والے بڑے پرہیزگار ہوتے تھے اور بڑے متقی ہوتے تھے وہ درمیان میں اپنی طرف سے کوئی چیز شامل نہیں کرتے تھے۔ اس لیے جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے تو دل کے دریچے کھل جاتے تھے۔ ہم کان بھی ادھر لگاتے تھے اور آنکھیں بھی اُدھر لگاتے تھے۔

لیکن اب کیا ہوا؟

لَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَةَ وَالذَّلُولَ

جولوگ سوار ہوئے مشکل راستے پر اور آسان پر

یعنی جب لوگوں نے سب کچھ خشک وتر جمع کرنا شروع کر دیا ہے اور شروع میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگانا شروع کر دیا ہے۔ فرمایا اب ہم نے اپنا طریقہ بدل لیا ہے کہ جو بھی ایرہ غیرہ آ کے کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم کہیں کہ یہ محدث آ گیا ہے اور ہم اُس کی حدیث سنیں اور ہم اُسکو لکھیں۔ نہیں۔ ہم نے اپنا Mathod بدل لیا ہے، اب Pattern تبدیل ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی کہتے ہیں۔

لَمْ نَأْخُذْ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَا نَعْرِفُ۔ (صحیح مسلم: ج ا ص ۱۰)

اب ہم اُس سے سنتے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں۔

یعنی یہ کہاں پیدا ہوا، کس کا شاگرد ہے کس کا استاد ہے، کہاں سے پڑھ کے آیا ہے۔ اب ہم ہر ایک کی بات نہیں سنتے کیوں؟ اس واسطے کہ اب یہ تبدیلی آ گئی ہے۔

لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اگر حدیث کے پڑھنے پڑھانے میں زمانے کی تبدیلی سے فرق آ گیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب ہم صرف اُس سے حدیث لیں گے جسکا ہمیں تعارف ہوگا تو پتہ چلا کہ عمل کے لحاظ سے بھی ہر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کا امام اُٹھ کر کہے یہ فتوی ہے تو لوگوں کو نہیں ماننا چاہیے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اسکی امامت کا درجہ کیا ہے۔ لہٰذا شرق وغرب کے امام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس لئے مقبولیت ملی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے حدیث کے لحاظ سے اپنا رویہ بدل لیا جو کہہ دے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اُس کو ایسے نہیں مانتے اب معیار قائم کر دیا ہے چونکہ ملاوٹ شروع ہو گئی ہے۔ لہٰذا

ملاوٹ شروع ہو جائے تو پہرے کی ضرورت ہوتی ہے اُس وقت وہ پہرہ دیا جاتا ہے جو پہلے نہیں تھا۔ اس پہرہ دینے کے عمل کو تقلید کہا جاتا ہے۔

یہاں پر ایک بڑی اہم بات ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں۔

اَمَّا مَنْ لَمْ یَصِلْ اِلٰی شُھُوْدِ عَیْنِ الشَّرِیْعَۃِ وَجَبَ عَلَیْہِ التَّقْلِیْدُ بِمَذْھَبٍ وَّاحِدٍ

جو بندہ شریعت کے پاس خود نہیں پہنچا۔ یعنی جو صحابی نہیں بنا اُس پر مذہب اربعہ میں سے ایک کی تقلید کرنا واجب ہے۔

جو شریعت کے گھاٹ پر تھے اُن کے وارے نیارے ہیں۔ وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں یہ بعد والی باتیں اُن پہ فٹ نہ کرو اور انکے حالات کو بعد میں آنے والے حالات پر فٹ نہ کرو۔ اگرچہ نظریہ اُن کا آئے گا، طریقہ اُن کا آئے گا۔ مگر جو Circumstances ہیں اُن کے لحاظ سے کچھ تبدیلی بھی آئے گی۔

اس واسطے عبدالوہاب شعرانی کہنے لگے بعد والوں کا تقلید کے بغیر گزارا نہیں اُن پر ایک امام کی تقلید کرنا واجب ہے۔

عوام و خواص کے لحاظ سے تقلید میں فرق

اس بات کی وضاحت کرنا بہت لازم ہے کہ عوام و خواص کے لحاظ سے بھی تقلید میں فرق ہے۔ ہر بندے کیلئے تقلید کا ایک حکم نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ جو تھوڑا بیمار ہو اُس کو بھی وہی دوائی دو اور جو زیادہ ہو اُس کو بھی وہی دوائی دی جائے۔ نہیں۔ اس لحاظ سے ان کے چار طبقے ہیں۔

(1) عوامی طبقہ (2) متبحر علماء کرام کا طبقہ (3) مجتہد فی المذہب کا طبقہ (4) مجتہد مطلق کا طبقہ

جو عام انسان ہے اُس پر تقلید کرنا واجب ہے۔ اُسکے بغیر اُس کا گزارا نہیں ہوگا۔

لیکن جو مجتہد فی المذہب کا طبقہ

ان کو بھی بعض باتوں میں امام کی تقلید کرنی پڑے گی اصول ماننا پڑے گا۔ اس واسطے تقلید کا حکم بیان کرتے وقت ہمیں لوگوں کی صحت کا دھیان کرنا پڑے گا۔ جو اُس وقت اُنکی حالت ہوگی اُس کے لحاظ سے انکے لئے تقلید کا حکم بیان کر دیا جائے گا۔

بظاہر تقلید شخص۔ مگر حقیقت میں تقلیدِ جماعت

بعض لوگ جو تقلید شخصی پر اعتراض کرتے ہیں۔ کیونکہ آئمہ اربعہ میں سے اماموں کی تقلید کی جارہی ہے وہ تقلید شخصی ہے۔ ایک ایک امام کی تقلید ہے اور میں نے اسکا ثبوت صحابہ کرام علیہم الرضوان سے دیا۔ مدینہ شریف والوں نے حضرت زید کی تقلید شخصی کی اور یمن والوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کی۔ لیکن آج ہم جس وقت ایک امام کی تقلید کرتے ہیں تو وہ من وجہ تقلید جماعت ہوتی ہے۔ وہ تقلید شخصی نہیں ہوتی۔ کیوں؟

اس لئے کہ جس امام کے پاس ایک ہزار بندہ فقہاء میں سے بیٹھا ہو تو وہ مسئلہ ایک بندے کا تو نہیں بلکہ ایک ہزار بندے کا ہے۔

اِنَّ الْاِمَامَ اجْتَمَعَ مَعَهٗ اَلْفٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب فقہ کے مسائل کی بحث کرتے تھے۔ تو ان کا بورڈ ایک ہزار فقہاء پر مشتمل ہوتا تھا۔

اَرْبَعُوْنَ مِنْهُمْ قَدْ بَلَغُوْا حَدًّا لِّاِجْتِهَادِ۔ (جامع المسانید، مسند خوارزمی ج ا ص ۳۳)

اُن میں چالیس افراد اجتہاد کے مرتبے کو پہنچے ہوئے تھے۔

پھر اُن کا انداز کیسا تھا۔ فضیل بن عیاض اور داؤد طائی جیسے صوفی بھی بیٹھے تھے قاسم بن معن لغت کے ماہر بیٹھے تھے اور حفص بن غیاث اور ابن حبان جیسے حافظ الحدیث بیٹھے

تھے۔ یہ سارے لوگ لغت کے ماہرین، تقویٰ کے ماہرین بیٹھے ہیں تو اس سے پتہ چلا کہ فقہ صرف ایک بندے کا نام نہیں ہے۔

کتنی پلکوں سے نمی مانگ کے لائی ہوگی
پیاس تب پھول کی شبنم نے بجھائی ہوگی

وہ اتنا وسیع سلسلہ ہے کہ ہر طرف تقوی و پرہیز گاری کے ماڈل نظر آتے ہیں آج کیمنکرین کے پاس تو آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے پائے کا آدمی تو در کنار کوئی۔ ایسا بھی نہیں جو اُن ہزار میں سے کسی ایک کے دسویں یا بیسویں حصے پہ اترنے والا ہو۔ جبکہ امام اعظم نے ہزار میں بیٹھ کر اس کو مدوّن کیا ہے۔

اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اسکو مقبولیت تامہ بھی عطا فرمائی ہے۔

اب جس شخص کا میں حوالہ دے رہا ہوں ان کو وہ لوگ اپنے کیمپ میں شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات میں انہیں غیر مقلد شمار کیا ہے۔ حالانکہ یہ نقشبندی ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی "اربابا من دون اللہ" کی تفسیر میں کہتے ہیں۔

اِنَّ اَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَدِ افْتَرَقَتْ بَعْدَ الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ اَوِ الْاَرْبَعَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ مَذَاهِبَ

اہل سنت وجماعت کے تین یا چار صدیوں کے بعد چار طبقے بن گئے۔ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔

وَلَمْ يَبْقَ الْمَذْهَبُ سِوٰى هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ

اور مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب باقی نہ رہا۔

پوری دنیا پر وہ زمانہ آیا وہ چھوٹے چھوٹے جو نالیوں جیسے مذہب تھے۔ ان سمندروں کے مقابلے میں ختم ہوگئے اور پھر اسلام کے اندر یہ چار ہی آراء رہ گئیں۔ چار فقہ باقی رہ گئیں اس کے سوا باقی سب ختم ہوگئے اور آغاز میں ہی ان کو اتنا اہتمام مل گیا کہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں

قَدْ انْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ الْمُرَكَّبُ عَلٰى بُطْلَانِ قَوْلٍ يُّخَالِفُ كُلَّهُمْ

(تفسیر مظہری جلد دوم ص ۶۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ان کے بعد اگر کوئی بندہ پانچواں راستہ بناتا ہے تو اس کے باطل ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

اگر کوئی بنے تو مالکی بنے اور اگر کوئی بنے حنبلی بنے، کوئی بنے تو شافعی بنے، کوئی بنے تو حنفی بنے۔ ان کو چھوڑ کر اگر کوئی نیا راستہ اپناتا ہے تو پھر یہ ہیں اربابا من دون اللہ ان کا شریعت مطہرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لوگ ہیں جو اسلام سے مشذوذ کا راستہ اختیار کرنے والے ہیں۔

لہٰذا قاضی ثناء اللہ نے اپنے پورے جوبن کے ساتھ اس مسئلے کو بیان کیا ہے کہ چار میں امت بند ہے اور چار میں ہی امت کی حقانیت کو بند کر دیا گیا ہے۔ ان چاروں کا راستہ اگر چھوڑ کے باہر نکلتا ہے تو اُس کا راستہ جنت والا راستہ نہیں ہوگا اور اُس کی سوچ حق پرستوں کی سوچ نہیں ہوگی۔ شاہ ولی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِی الْاَخْذِ بِهٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ مَصْلِحَةً عَظِيْمَةً وَفِی الْاِعْرَاضِ عَنْهَا كُلِّهَا مُفْسِدَةً كَبِيْرَةً (عقد الجید مخطوط ص ۱۳)

ان چار فقہی مذاہب میں سے کسی کی تقلید میں بہت بڑی مصلحت ہے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی پیروکار نہ ہونے میں بہت بڑا فساد ہے۔

ائمہ اربعہ اہلسنت ہیں

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے جس کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے (تحفہ اثنا عشریہ) کے اندر لکھا ہے۔ حضرت شاہ عبدلعزیز رحمۃ اللہ علیہ اصل میں ایک رافضی کو حوالے دے رہے تھے۔ درمیان میں انہوں نے اس بات کو شامل کر لیا اور آج وہ ہمارے موضوع کا حصہ ہے۔ چونکہ ہمارے سوالات میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ آئمہ اربعہ کا اصول میں بھی آپس میں اختلاف ہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا اہلسنت میں کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے کہ اہل سنت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کون اہلسنت؟ مالکی، حنبلی، شافعی، حنفی، ان میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ کیوں؟ آپ فرماتے ہیں: اس واسطے کہ ان سب کا اصول ایک ہے۔ ان کے اصول ایک جیسے ہیں صرف چند فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔ اتفاق اختلاف سے کہیں زیادہ ہے۔ ہزاروں مسائل اتفاقی ہیں اور صرف (300) تین سو اور چند مسائل میں فروعی اختلاف ہے۔

آپ فرماتے ہیں اھلسنت رادراصول عقائدو اعمال اختلافے نیست اگر اختلافے است درفروع است درنم منجر بتکفیر دتضلیل ہمدیگر نمیشود

عقائد و اعمال کے اصول میں اہلسنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے اگر اختلاف ہے تو فروعی اختلاف ہے وہ بھی ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل کا باعث نہیں ہے نیز فرماتے ہیں بعد از تفحص و استقراء مجموع مسائل مختلف فیہا در مذاہب اربعہ سی صد چند مسئلہ فروعی یافتہ اند کے دراں نص صریح موجود نیست (تحفہ اثناء عشریہ باب دوم کید بست و نہم ص ۴۳ نورانی کتب خانہ پشاور)

چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی) میں جن مسائل میں اختلاف

ہے بسیار تلاش کے بعد وہ تین سو اور چند مسائل ہیں اور وہ بھی فروعی جہاں صریح نص موجود نہیں ہے۔

اس واسطے امت کا جمہور تقلید والا ہے۔ امت کے جمہور کی شان تقلید والی ہے۔ امت کا جمہور ہر دور میں مقلد رہا ہے اور پوری امت کے مفسر، محدث، صوفی اور اس امت کے جو لیڈر رہے ہیں ہر دور میں وہ اصحاب تقلید رہے ہیں۔

یہاں سے تم اس تقلید کی ضرورت کا اندازہ لگالو کہ اگر اس زمانے میں اس دھرتی پر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے انسان کا تقلید کے بغیر گزارا نہ ہو تو تیرا اور میرا گزارا کیسے ہو سکتا ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو امام صاحب کا مقلد کہیں اور تقلید کو لازم سمجھیں۔ حضرت مجدد الف ثانی اپنے آپ کو امام صاحب کی تقلید میں رکھیں اور اسکو لازم سمجھیں تو پتہ چلا جن پر بالاتفاق امت کو ناز ہے اگر وہ مقلد ہیں تو ہم تقلید کریں تو کوئی غلطی نہیں ہوگی بلکہ ہم نے بھی ان حق پرستوں کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔

سوال نمبر 1

1۔ تقلید کی تعریف کریں۔

جواب۔ هُوَ الْاَخْذُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ مَعْرِفَةِ دَلِيْلِهٖ

مجتہد کے با دلیل قول کو مطالبہ دلیل کے بغیر مان جانا اسکو تقلید کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر 4

تقلید فرض ہے، سنت ہے یا واجب ہے۔ قرآن و حدیث سے وضاحت کریں۔

جواب۔ میں نے اسکی وضاحت کر دی ہے کہ جیسا کوئی بندہ بیمار ہوگا ویسی اُسکی

دوائی ہوئی۔ لہٰذا تقلید کسی کیلئے واجب ہے اور کسی کے لئے سنت ہے۔ اگر خود مجتہد ہے اور بڑے درجے کا مجتہد ہے تو پھر وہ کسی کی بھی تقلید نہیں کرے گا اس کے متعلق یہ بات نہیں کہ اس کے لئے تقلید کو فرض قرار دیا جائے۔ جیسی صورتحال ہوگی ویسا اسکا حکم ہوگا۔ لیکن عوام کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کسی امام کی تقلید کرنا عوام کیلئے واجب ہے اور واجب بمعنی فرض ہے۔ عوامی طور پر کوئی بندہ اپنا دین تب بچا سکے گا جب وہ کسی ایک امام کا مقلد بن جائے گا۔

سوال نمبر 5

یہ کتب قدوری، شامی ھدایہ اور درمختار وغیرہ کس مسلک سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک مقلد کو ان پر عمل کرنا۔ کیا فرض ہے

جواب۔ یہ فقہ حنفی کی کتابیں ہیں جن میں قرآن وسنت کی تشریحات ہیں اصل میں بات کتاب کی نہیں بلکہ حکم کی بات ہے۔ ایک سادہ سا کاغذ اور پرچہ ہے اور ایک بندہ جس کو نماز کے مسائل کا پتہ نہیں تھا کہ نماز کیا ہوتی ہے۔ وہ جانتا نہیں تھا لیکن جاننا چاہتا ہے تو آپ نے قلم سے لکھ کر اس کو کاغذ دے دیا تو اب وہ کاغذ نہیں دیکھا جائے گا بلکہ کاغذ پہ لکھا ہوا فرمان دیکھا جائے گا۔ نہ لکھنے والے کا ہاتھ دیکھا جائے گا اور نہ کاغذ کی حیثیت دیکھی جائے گی۔ جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ دیکھا جائے گا۔ بالغ ہو لیکن اسے نماز کا پتہ نہ ہو وہ نماز کے مسائل جاننا چاہتا ہو اب اُس پر وہ کاغذ پڑھنا فرض ہو گیا ہے جس کاغذ پہ نماز کا مسئلہ لکھا ہوا ہے اس واسطے فقہ کی کتابوں کی حیثیت یہ ہے کہ ان میں جس طرح کے مسئلے لکھے ہے تو اس کا پڑھنا فرض ہو گیا ہے۔ واجب کے بارے میں لکھا ہے تو پڑھنا واجب ہو گیا ہے یہ اس لئے نہیں کہ کسی امام نے لکھی ہے بلکہ اس لئے کہ اُس میں اللہ کے فرمان

کی وضاحت کی گئی ہے۔

یہ ہر کتاب کی حیثیت ہے اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہماری کتابوں کے نام ان کو اس لئے آتے ہیں کہ جب ان کو کہیں سہارا نہیں ملتا تو اُس وقت ہماری کتابوں سے سہارا لیتے ہیں اور پھر مانتے بھی نہیں ہیں۔ فتاویٰ ثنائیہ، فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ستاریہ کو لے لو ایسے کتنے مسائل ہیں جن میں بطور دلیل فقہ کی کتب اور اقوال کو پیش کیا گیا ہے جس کی تفصیل ہمارے موضوع ''غیر مقلدین فقہ کے دروازے پر'' میں ہے۔ مثلاً کسی نے مسئلہ پوچھا کہ نیچے دو کانیں ہوں اوپر مسجد بنانی ہو تو کیا کرنا چاہیے اور اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر وہ کسی پانی میں ہوتے تو آیت پڑھتے یا بخاری پڑھتے، مسلم پڑھتے لیکن اُس وقت یہ لکھتے ہیں کہ ''درمختار'' میں یہ لکھا ہے اور ''قاضی خان'' میں یہ لکھا ہے۔

جو مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کتابوں کو پڑھنا فرض ہے یا واجب ہے۔

میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ جب تمہیں مسئلہ نہ آئے تو تم کس نیت سے پڑھتے ہو۔ اُس وقت کس نیت سے اپنے فتویٰ کیلئے استعمال کرتے ہو۔ پتہ چلا کہ جس وقت بندہ اپنے بدن کے لحاظ سے بھوکا اور مضطر ہو چکا ہو تو اُس کیلئے ناجائز بھی کھانا جائز ہو چکا ہوتا ہے اور یہ تو وہ ہے جو عرش الٰہی کی سوغات کا حصہ ہے اور جس کو کھانے سے ظاہر بھی روشن ہوتا ہے اور باطن بھی روشن ہوتا ہے۔

سوال نمبر 6

ائمہ اربعہ میں کسی امام نے بھی تقلید کی دعوت دی یا کسی کی تقلید کا کوئی حکم مسلط کیا گیا ہے۔

جواب۔ کوئی شخص بالکل چھوٹا سا ایک دن کا بھی کام کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص روٹیاں پکانے والا ہے تو وہ شخص لوگوں کو بورڈ لگا کے نہیں دیتا کہ میں روٹی پکا رہا ہوں لہٰذا روٹی

حاصل کرو۔ جن کو بھوک لگتی ہے یا روٹی اچھی لگتی ہے وہ خود چلے جاتے ہیں۔ اُس کے ایک دن کے پکانے کا جو عمل ہے حالانکہ اُس کو پتہ ہے کہ میں پکار رہا ہوں لوگ اس کو خریدیں۔ ایک دن کا عمل ایک بندہ اس لئے نہیں کرتا کہ یہ ضائع ہو جائے۔ اس لئے کرتا ہے کہ تا کہ لوگوں کو اس کا فائدہ ہو لوگ انہیں کھائیں۔ تو جو ایک گھنٹے میں روٹیاں پکائے، روٹیوں کے اندر یہ فائدہ ہے تو جس امام نے کلیجہ پگھلا کے اتنے سالوں میں فقہ بنائی ہے تو کیا انہوں نے ایسے ہی بنائی ہے کہ اُس کو دیمک کھا جائے۔ اُن کا بنانا، اس پر مغز کھپانا، مہینہ مہینہ بحث کرنا اور ایک ہزار بورڈ کا خرچہ برداشت کرنا اس بات کیلئے تھا کہ لوگ ان مسائل سے راہنمائی حاصل کریں اور اپنے پاس بیٹھتے ہوئے آئمہ وفقہا سے کہا میری رائے کے مقابلہ میں اگر قرآن وسنت سے تمہارے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کرو جو تمام دلائل کے بعد طے ہوگا وہ فقہ ہوگی۔ اس واسطے کہ لوگوں نے مجھے جہنم پہ پل بنا لیا ہے اگر کوئی غلطی ہوگئی تو وہ آگ مجھے لگے گی لوگ گذر جائیں گے۔ پتہ چلا کہ اس کو لوگوں کیلئے بنایا ہے۔

آج تک لوگوں کو سمجھ نہیں آئی کہ امام صاحب نے تقلید سمجھائی ہے۔

ہاں' یہ اُن کی شان ہے کہ انہوں نے کسی کو درخواست نہیں کی تھی کہ آؤ میری تقلید کرو بلکہ ایسے امام کی شان یہ ہے کہ جو دیکھے گا اس کا خود بخود جی للچائے گا کہ اس امام کا پلّہ پکڑنا چاہیے۔ اس واسطے واضح طور پر کوئی خط نہیں لکھا کہ میری تقلید کرو۔ لیکن جب زمانے نے دیکھا ہے تو خود مان گئے ہیں۔

یہ جو میں نے عبارت پیش کی ہے اُس میں واضح موجود تھا لوگوں نے مجھے جہنم کے اوپر بنا لیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ اُن کے ذہن میں تھا کہ میری فقہ لوگ پڑھیں گے اور لوگ اس کی پیروی کریں گے۔ لہٰذا میرے پاس بیٹھنے والو میرے ساتھ تمہارا ادب یہ ہے

کہ میری غلطی نکالو یہ نہیں ہے کہ غلطی پہ پردہ ڈالو۔

اگر تمہیں غلطی نظر آئے تو میرے سامنے اس کو بیان کرو۔ اتنے لوگوں کا پہرہ لگا رکھا تھا اور یہ اس لئے تھا تا کہ اچھی سوغات تیار ہو جائے۔ اور قیامت تک لوگ کھائیں۔ خدا کی قسم آج تک کھا رہے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کچھ کھاتے ہیں اور پھر بتاتے بھی ہیں اور کچھ کھاتے ہیں اور چھپاتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اس فقاہت کو امام شافعی نے بیان کیا۔ کہنے لگے:

اَلنَّاسُ عَیَالٌ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْفِقْہِ

یعنی فقہ کے اندر جس نے بھی روٹی کھانی ہے اس کو ابو حنیفہ کی پکائی ہوئی کھانی پڑے گی۔

سوال نمبر 7

تقلید کس سن ہجری میں مسلط کی گئی۔

جواب۔ تقلید کسی پہ مسلط نہیں کی گئی۔ ان مقلدین نے خود تقلید حاصل کی اور اسکو مشروع سمجھا ہے۔ تقلید ہار ہے۔ انہوں نے امام صاحب کی تقلید کا ہار خود گلے میں ڈالا ہے ان کو کسی نے باندھ کے گلے میں نہیں ڈالا۔ اگر باندھ کے ڈالا ہوتا تو دوسرے دن ہی اُس کو اتار دیتے۔ اتنی صدیاں گذر گئی ہیں لیکن ایسا نہیں ہوا تو پتہ چلا ان پر مسلط نہیں کی گئی بلکہ انہوں نے اس تقلید سے عشق کیا ہے اور اس تقلید کو اپنے لئے نجات کا راستہ سمجھا ہے۔

باقی رہا کس سن ہجری میں شروع ہوئی تو وہ جزوی طور پر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جاری ہے میں نے بخاری و ترمذی سے حوالہ دیا ہے اور بالتفصیل شرق و غرب میں جو تقلید عام ہوئی تو وہ صدیاں گذر جانے کے بعد ہوئی ہے۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ کوئی بندہ بھی باقی نہیں بچا۔ سب نے اس وقت تقلید کا

دامن پکڑ لیا تھا اور یہ بات بھی بڑی قابل غور ہے کہ جو دو صدیوں کا زمانہ تھا اُس میں اگر چہ پہلے کے لحاظ سے تبدیلی آ گئی تھی مگر آج کے لحاظ سے تو کتنا اچھا تھا اگر اُس اچھے زمانے میں بھی لوگوں کا گزارا تقلید کے بغیر نہیں ہوتا تھا تو آج کیسے اسکے بغیر گزارا ہو سکتا ہے۔اس واسطے تقلید کی فضیلت وشان اس سے سمجھی جا رہی ہے۔

سوال نمبر 8

کیا حنفی عقائد و مسائل دونوں میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں۔

جواب۔ ہم یعنی حنفی! عقائد میں ابو منصور ماتریدی کی تقلید کرتے ہیں اور فقہی مسائل کے اندر امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں۔

جس طرح کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَكْرٍ وَ اَشَدُّهُمْ فِیْ اَمْرِ اللهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَ فِیْ رِوَايَةٍ وَاَقْضَاهُمْ عَلِیٌّ وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَقْرَأُهُمْ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ وَاَعْلَمُ بِالْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ (مشکوۃ شریف ۵۶۶،نور محمد کتب خانہ)

میری امت کے میری امت پر سب سے زیادہ رحم دل ابو بکر ہیں دین کے معاملہ میں ان سب سے سخت عمر ہیں حیا میں ان سب سے زیادہ سچے عثمان ہیں (ایک روایت میں ان سب میں سے بڑے قاضی علی ہیں) سب میں سے علم میراث کے ماہر زید بن ثابت ہیں سب میں سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں سب سے زیادہ حلال و حرام کا علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے۔اس امت کے امین جو ابو عبیدہ بن جراح ہیں۔ یہ حقیقت میں شعبہ جات کی طرف اشارہ تھا پھر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں واضح فرمایا جس نے وراثت کا مسئلہ پوچھنا ہو حضرت زید کے پاس جائے۔

جس نے قرأت کا مسئلہ پوچھنا ہو وہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا جائے اور جس نے فیصلہ کروانا ہو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلا جائے۔

اَقْضَاهُمْ عَلِیٌّ

سب سے بڑے قاضی علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت علی قاضی تو ہیں لیکن قاری نہیں۔ قاری بھی چوٹی کے تھے لیکن شعبہ جات بانٹ دیئے گئے، تقسیم کر دیئے گئے۔ ایسے ہی ہم اگر تصوف دیکھیں تو حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہیں، فقہ دیکھیں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے پاس جا کر دیکھتے ہیں اور عقائد کی بات ہو تو امام ابو منصور ماتریدی کے پاس جاتے ہیں۔

سوال نمبر 8

اگر ایک طرف حدیث صحیح مرفوع ہے اور اسکے مقابلے میں امام کا قول ہو تو کس پہ عمل کیا جائے گا؟

جواب۔ ہمارا یہ بالکل اٹل موقف ہے مجدد دین وملت حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر پوری کتاب لکھی ہے۔

اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِیْ اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ

جس وقت ایک طرف حدیث صحیح ہو اور دوسری طرف امام کا قول ہو تو اُس وقت اگر حدیث صحیح کی شرائط پوری ہیں تو حدیث کو ترجیح دی جائے گی اور امام کے قول کو چھوڑ دیا جائے گا۔ کیونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا اس وقت میرا قول دیوار پہ مار دو۔

یہ امام صاحب کی سارے اماموں پر ترجیح ہے۔ اتنی کسی محدث نے بھی حدیث کی Value نہیں سمجھی جتنی امام صاحب نے سمجھی ہے۔ اعلام الموقعین کے اندر ابن قیم نے مستقل عنوان قائم کیا۔

اَبُوْ حَنِیْفَۃِ وَ اَصْحَابُہٗ یُقَدِّمُوْنَ الضَّعِیْفَ عَلَی الْقِیَاسِ۔

(اعلام الموقعین ۱/۸۲ دار الکتاب العربی)

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں اس باب میں سے تمام امور کو بیان کیا مثلاً نبیذ تمر کے ساتھ وضو کرنے والی حدیث ضعیف ہے۔ مگر وہاں پر امام صاحب نے قیاس کو چھوڑ دیا اور حدیث کو ترجیح دی۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں لکھا ہے کہ

مرسل حدیث پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے عمل کر کے لوگوں کو بتایا ہے کہ حدیث ہر لحاظ سے مقدم ہے خواہ وہ مرسل ہی کیوں نہ ہو۔ اتنی حدیث کی Value اور کسی محدث کے ہاں نہیں جتنی Value امام اعظم حدیث کو دینے والے ہیں۔ اس واسطے ایک طرف سرکار کا فرمان ہو تو کیسے ہو سکتا ہے کہ امام اعظم اپنے قول کو ترجیح دیں لیکن فرمان کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور یہ بڑی باریک بات ہے جو میں کرنے لگا ہوں۔

ایک ہے حدیث کی سند کے لحاظ سے صحت اور ایک ہے حدیث کی عمل کیلئے لحاظ سے صحت۔ جب دونوں صحتیں اکھٹی ہو جائیں گی تو اس وقت ان کے مقابلے میں امام کا قول متروک ہو جائیگا۔

لیکن اگر صرف سند کے لحاظ سے صحت ہو تو اس کے لحاظ سے متروک نہیں ہوگا کیونکہ سند کی صحت پر خود محدثین کہتے ہیں کہ جس وقت سند کے راوی سارے صحیح ہیں تو اسکے بارے

میں ہم یہ کہیں گے کہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے لیکن ہم یہ نہیں کہیں گے کہ نفس الامر میں بات یونہی ہے۔ یہ باقاعدہ محدثین کا جملہ موجود ہے یہ جو میں دو قسمیں بیان کر رہا ہوں کہ ایک حدیث کی عملی صحت ہے اور دوسری حدیث کی سند کے لحاظ سے صحت ہے۔اس میں فرق کیا ہے؟ ملاحظہ ہو شرح معانی الاثار جلد نمبر 1 باب الماء تقع فیہ النجاسۃ۔

مثال کے طور پر ایک حدیث یہ ہے:

اِنَّ الْمَاءَ لَا یَنْجَسُ

یہ حدیث سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی پلید نہیں ہوتا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لَاتَنْجِسُ

بے شک زمین پلید نہیں ہوتی۔ یہ حدیث شریف بھی سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔

1۔کوئی بندہ اس حدیث کو سامنے رکھ کر عمل کر سکتا ہے۔ کہ پانی میں گندگی کا ڈھیر لگا ہو اور کہے کہ میں اس سے وضو کرتا ہوں۔ کیوں؟ اس واسطے کہ حدیث شریف میں ہے کہ پانی پلید نہیں ہوتا۔

اِنَّ الْمَاءَ لَا یَنْجَسُ یہ حدیث ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔مگر اس پہ عمل کون کرے گا؟ پانی میں گندگی ہے تو وہ پانی ضرور پلید ہوگا کیونکہ سرکار کے اور فرامین موجود ہیں کہ کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرو۔اگر پانی پلید نہیں ہوتا تھا تو کیوں منع کیا۔

جس پانی میں غسل کرنا ہو اس پانی میں پیشاب نہ کرو اور جب یہ فرمارہے تھے اگر گھڑے میں کتا منہ ڈال جائے تو سات مرتبہ اس کو دھو دو۔اگر پانی پلید نہیں ہوتا تو گھڑا کیسے پلید ہو گیا تھا۔

ادھر حدیث شریف میں ہے اِنَّ الْمَاءَ لَا یَنْجَسُ پانی پلید نہیں ہوتا۔

یہ فقیہ کی فقاہت ہے کہ صرف سند نہیں دیکھی جائے گی بلکہ سارے ذخیرہ احادیث میں حدیث کا مطلب ڈھونڈا جائے گا۔ اسکا مطلب کیا ہے؟ میرے امام بیان کرتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ یوں نہ سمجھو کہ پانی ایک جگہ پلید ہو گیا تو اس جگہ جو آئے گا وہ پلید ہی رہے گا بلکہ وہ پاک ہو سکتا ہے کیسے؟ یہ ایک چشمے کی بات ہے مدینہ شریف میں ایک چھوٹا سا کنواں تھا اس میں کوئی گندگی حیض ونفاس والے کپڑے پڑے ہوئے تھے اور پیچھے سے پانی آرہا تھا اب لوگوں کا خیال تھا کہ پانی چونکہ ایک بار پلید ہو گیا ہے اور دیواروں سے لگ گیا ہے اب جو نیا آئے گا وہ بھی پلید ہو جائے گا۔ کیونکہ پھر وہ بھی دیواروں کے ساتھ لگتا جائے گا پھر تو یہ کبھی بھی پاک نہیں ہو سکتا اس پر میرے نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو پیچھے سے پانی آئے گا وہ اس پلیدی کو بہا کے لے جائے گا تو نیا پانی آنے کے بعد پانی پلید نہیں رہے گا بلکہ پانی پاک ہو جائے گا۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ جس وقت پیچھے سے چشمے کا پانی آگیا اور کنواں سے ہو کے گذر گیا اب جو دیواروں کے ساتھ پہلا لگا ہوا پانی تھا تمہارے دل میں یہ چسپاں ہو چکا ہے کہ وہ تو پلید تھا۔ فرمایا: اس بات کو اپنے دل سے نکال دو وہ پانی اب نئے پانی کو پلید نہیں کرے گا۔ جب پیچھے کثیر تعداد سے آگیا اور بہہ کے نکل گیا ہے تو اس کی وجہ سے یہ پانی پلید نہیں ہو گا۔ بلکہ پانی پاک ہو جائے گا۔

اب ان دونوں باتوں میں کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حدیث کے بارے میں یہ پڑھنا پڑے گا کہ حدیث کی صحت سند کے لحاظ سے اور ہے عمل کے لحاظ سے اور ہے۔ دونوں پائی جائیں گی تو پھر اُس کے مقابلے میں کون سا قول امام کا مانا جائے گا۔ اُس وقت امام کا قول نہیں مانا جائے گا۔ ایسے ہی فرمایا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَنْجِسُ

زمین پلید نہیں ہوتی۔

زمین پر کسی نے پیشاب کیا ہو تو کیا اوپر نماز پڑھو گے؟ نہیں پڑھو گے۔

حالانکہ حدیث تو کہتی ہے کہ زمین پلید نہیں ہوتی تو مطلب کیا ہو گا میرے محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں یوں نہیں کہ زمین پلید ہو جائے تو پھر پاک ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ جس وقت تم گندگی ہٹا دو گے دھوپ لگ جائے گی تو یہی زمین پاک ہو جائے گی۔ یہ مطلب تھا کہ دائمی پلید نہیں ہو جاتی۔ نہ یہ کہ گندگی سامنے پڑی ہو اور پھر بھی تم کہو کہ زمین پلید نہیں ہوتی۔ اس انداز میں جس وقت بات سامنے آئے گی تو اس کو حدیث کی روایت کے نام سے تعبیر کیا جائے گا۔

سوال نمبر 9

دین اسلام میں دلیل و حجت کس کو مانا جائے۔

جواب۔ دین اسلام میں دلیل و حجت وہ مانی جائے گی جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ جس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ

كَيْفَ تَقْضِى؟

اے معاذ بتاؤ تم فیصلے کیسے کرو گے؟

اَقْضِى بِمَا فِى كِتَابِ اللهِ

اللہ کے قرآن سے فیصلہ کروں گا۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِى كِتَابِ اللهِ ؟

اگر اللہ کے قرآن میں نہ ہو تو پھر کیا کرو گے۔

فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟

تو پھر اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیسرا سوال کر دیا۔

فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ؟

اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت میں نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟

اب اگر کوئی وہ نعرہ لگانے والا ہوتا کہ قرآن و سنت کے بعد کوئی چیز نہیں تو حضرت معاذ کو چپ ہو جانا چاہیے تھا کہ یا قرآن ہے یا سنت ہے۔ آگے میں کون ہوتا ہوں جو بیان کروں۔

نہیں۔ چپ نہیں ہوئے بولے ہیں اور قیامت تک بولنے کا سلیقہ دے دیا ہے۔ کہنے لگے۔

اَجْتَھِدُ بِرَأْیِیْ

میں مسئلہ اپنی رائے سے بیان کروں گا۔

اگر میں قرآن و سنت سے مسئلہ نہ پاؤں تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا لیکن قرآن و سنت کے سائے تلے بیٹھ کر بیان کروں گا۔ اس پر میرے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

تمام تعریفیں اُس خدا کی ہیں جس نے اپنے رسول کے رسول یعنی گورنر کو یہ بات کہنے کی توفیق عطا فرمائی جس سے اللہ کے رسول کا دل خوش ہو گیا ہے۔

لہٰذا کتاب و سنت کے سوا اور بھی ماخذ ہیں۔ اجماع بھی ہے اور قیاس بھی ہے۔

یہ چیزیں ہیں جن سے دین کو سمجھا جاتا ہے اور ان تمام ماخذ میں ترتیب موجود ہے۔

پہلے قرآن کی باری ہے۔ قرآن سے نہ ملے تو حدیث دوسرے نمبر پر ہے حدیث سے نہ ملے تو پھر اجماع ہے۔ اجماع کے بعد پھر قیاس ہے۔ میرے امام کی اتنی واضح باتیں ہیں جو تاریخ بغداد میں اور دیگر کتب میں لکھی ہوئی ہیں۔

جب ابو جعفر منصور نے میرے امام کی طرف سندیسہ بھیجا کہ سنا ہے تم دین بدل رہے ہو بتاؤ تم کیسے فقہ بنا رہے ہو تو میرے امام نے طریقہ بیان کیا۔

اِنَّمَا اَعْمَلُ اَوَّلًا بِكِتَابِ اللّٰهِ

سب سے پہلے جب مسئلہ پیش ہو تو قرآن پڑھتا ہوں۔ اگر قرآن سے نہ ملے تو پھر

سُنَّتِ رَسُوْلِهٖ

اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے میں مسئلہ حل کرتا ہوں۔ اگر وہاں سے نہ ملے تو پھر کہنے لگے

بِاَقْضِيَةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

تیسرے نمبر پر میں اپنی بات نہیں کرتا میں خلفاء راشدین کے فیصلے پڑھتا ہوں۔ اگر وہاں سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر

ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ بَقِيَّةِ اَصْحَابِهٖ

پھر باقی صحابہ کرام کے فیصلے پڑھتا ہوں۔ اگر وہاں سے بھی نہ ملے

ثُمَّ اَقِيْسُ (المیزان الکبری، ج۱، ص۵۶)

پھر میں اپنے قیاس کو اجازت دیتا ہوں۔

یہ دین اسلام میں دلیل وحجت کے قائم کرنے کا طریقہ ہے۔

سوال نمبر 9

ایک مسلمان حنفی کیسے بنتا ہے۔

جواب۔ مسلمان حنفی ہوتا ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جس وقت وہ قرآن کو مانتا ہے، سنت کو مانتا ہے اور جو بات قرآن وسنت میں صریح نص سے نہ ہو وہاں اپنے امام کے قول کو مانتا ہے جو اس طرح زندگی گذارے اُس مسلمان کو حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی کہا جاتا ہے۔

جو بات قرآن وسنت میں صریح نص سے موجود نہ ہو وہاں تقلید کے آئینے میں اللہ کی رضا کو تلاش کرتا ہے۔ جو ایسے زندگی گذارے اور بے لگام شتر کی طرح نہ دوڑے۔ تقلید کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارے اس مسلمان کو حنفی کہا جاتا ہے اور اس میں بڑی برکت ہے۔

پہلے میں تصور سے کہا کرتا تھا کہ یہ ایک گمراہی کا سلسلہ ہے کہ پہلے یہاں پہنچتا ہے ایک جماعت ہے وہاں سے نکلتا ہے آگے ایک جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں سے نکلتا ہے تو پھر آگے ایک جماعت ہے اُس میں شامل ہوتا ہے۔ پھر بندہ گمراہی میں چلا جاتا ہے۔ اب بعض لوگوں کو دیکھ کر یقین ہو گیا ہے۔

جوں جوں اس کے دائرے ختم ہوتے ہیں تو وہ آگے گمراہ ہوتا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک تو بڑے دائرے ہیں اپنے اساتذہ کا ادب ہے۔ اپنے مشائخ کا ادب ہے۔ پھر داتا صاحب کا ادب ہے اور یہ ہمارے ادب ہیں جو ہمیں ہلنے نہیں دیتے، جبکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب تو بہت بڑا ادب ہے۔

ہمارے گرد بڑی باڑیں بنی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے ہم راہ ہدایت سے ہٹ نہیں سکتے۔

ایسا نہیں ہے کہ "جس لایا گلیں اسے نال ہی چلی" یہ ہمارا معاملہ نہیں ہے کیونکہ ہم مُقَلِّدْ ہیں۔

ہم آگے پیچھے جائیں ایسا نہیں ہے کہ ہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نہ پوچھیں یہ تو بڑی دور کی بات ہے۔ ہم تو اُن کے بارے میں جو آپ سے نیچے ہیں۔ اُن کے بارے میں یہ

عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن سے اجازت لینا بڑی ضروری ہوتی ہے۔اس طرح آخر سانس تک بندہ بفضل خدا محفوظ رہتا ہے۔

لیکن وہاں معاملہ یہ ہے کہ گمراہی میں بڑھتے بڑھتے دہریہ بنتا ہے۔ پھر جہنمی بنتا ہے یہ میرا ایک خیال یہ تھا لیکن دو ماہ قبل میرے پاس ایک مریض آیا۔تو پھر یہ پتہ چلا کہ واقعی ایسے ہے لاہور کا ایک ایجوکیٹڈ انسان وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے کئی دنوں کی مشقت کے بعد میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا میں کبھی تبلیغی جماعت میں تھا پھر میں اہل حدیث تھا اس کے بعد آج میری حالت یہ ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قرآن قرآن نہیں ہے۔ کیوں؟ کہ جو اردو بازار میں چھپے وہ اللہ کا کلام کیسے ہوسکتا ہے۔

اب یہ گمراہی کا سلسلہ ہے۔اُس نے بالکل واضح لفظوں میں کہا دیکھو یہ لوگ جس طرح سے راستے کھولتے ہیں۔آگے پھر اس غیر مقلد کو سنبھالتے نہیں اُس کو ہمارے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ اب ان کو سمجھاؤ۔اب اُس شخص کے گلے سے تقلید کا ہار اترا ہے تو کہاں سے کہاں تک پہنچا ہے۔اب اُس کا نظریہ یہ تھا کہ ہم جو یہ قرآن پڑھتے ہیں اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ اللہ کا قرآن ہے اور یہ حدیثیں جو ہم پڑھتے ہیں اس پر کیا دلیل کہ یہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں۔یہ بعد میں لکھیں گئیں ہوسکتا ہے انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دیں ہوں۔ یہ گمراہی کی ایک چین ہے۔۔جو بندے زمانے میں تقلید کا ھار گلے سے نہیں اتارتے۔وہ زمانے میں فتنوں سے محفوظ رہ جاتے ہیں۔بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا محب بنائے۔آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب نمبر
3

اسلام بمقابلہ یہودیت وعیسائیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِعَشْرَةٍ يُّعْتِقُ فِيْهَا مِنَ النَّارِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِيْبِهِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اسلام بمقابلہ یہودیت وعیسائیت

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

اللہ تَبارَکَ وَتَعالٰی جَلَّ جَلالُہٗ وَعَمَّ نَوالُہٗ وَاَعْظَمَ شَانُہٗ وَاَتَمَّ بُرْھانُہٗ، کی حمد وثناء اور حضور سرور کائنات، مفخر موجودات، ختم الرسل، مولائے کل، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثانِ منبر ومحراب ارباب فکرودانش نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم کے بائیسویں پُرنور پروگرام میں ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ ربّ ذوالجلال ہمیں فقاہتِ دین عطا فرمائے۔

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے:

''اسلام بمقابلہ یہودیت وعیسائیت''

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن مجید کی آیات کا ایک واضح حصہ یہودیت ونصرانیت کے متعلق احکام پر مشتمل ہے۔ اسلام کی جو اُس وقت اپوزیشن تھی اُس میں یہ دو گروپ پاور فل Powerful گروپ بھی شمار ہوتے تھے۔ اسلام کی اس وقت اپوزیشن مشرکین تھے منافقین تھے اور یہود ونصاریٰ تھے۔

لہٰذا قرآن مجید نے ان کے ساتھ حکمت سے جھگڑا بھی کیا ہے، انہیں سمجھایا بھی ہے اور دلائل سے ان لوگوں کو دعوت حق بھی دی ہے۔ قرآن مجید کے درس کے لحاظ سے بالخصوص جو موجودہ ہمارے Current isseues ہیں اور انٹرنیشنل فورم کے اوپر نصاری کے ساتھ ''مسلم امہ کے متعلق جو احکام ہیں'' ان میں بحث چلتی رہتی ہے۔ کچھ حکمران اور انکے ہم پیالہ سکالر یہودیت وعیسائیت کے متعلق مسلمانوں میں ایک نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں۔

اور بعض مقام پر تو بہت زیادہ فکری بگاڑ پیدا ہو چکا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو بالکل اپنے مساوی بٹھا کرانکی منسوخ کتابوں کے پڑھوانے کا سلسلہ بھی جاری ہو چکا ہے۔

اس لئے آج کی ہماری گفتگو اس تناظر میں اپنوں اور بیگانوں کیلئے اور اسلام کے اندرونی اور بیرونی محاذ پر ایک دعوت بھی ہے اور کلمہ حق بھی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ایمانی پروگرام کو ہمیں بھرپور طریقے سے آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہود ونصاریٰ کیساتھ معاملات

یہود ونصاریٰ اور انکے ساتھ معاملات کے سلسلے میں ہمیں چند قرآنی آیات کو گفتگو کے آغاز میں پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۰ میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

''اور ہر گز تجھ سے یہودی اور عیسائی راضی نہیں ہونگے یہاں تک کہ آپ انکی

ملت کی پیروی کریں"۔

تو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے مسلمانوں کے علماء اور سکالرز اور مصلحین کے لئے اپوزیشن واضح کردی کہ کبھی بھی تم یہ نہ سمجھو کہ ہم اگر لچک دکھائیں تو وہ ہم سے راضی ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تم سے اُس وقت تک راضی نہیں ہونگے جب تک تم اسلام کے کیمپ میں ہو حتیٰ کہ تم اپنا دین بدل لو اور اُن کے پیچھے لگ جاؤ تو پھر وہ راضی ہو جائیں گے اور اگر تم مسلمان بننا چاہتے ہو تو پھر وہ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا تم جتنے بھی "براڈ مائنڈڈ" BRDAD MINDED ہو جاؤ اور اسلامی حدود قیود کو پامال کرتے ہوئے انکے ساتھ دوستی میں سبقت کرو تو جب تک تمہارا اسلام کا تعارف اور کوئی شناخت باقی ہے تو وہ کبھی بھی تم سے راضی نہیں ہونگے اگر تم نے یہود و نصاریٰ کو راضی کرنا ہے تو پھر تمہیں اسلام چھوڑنا پڑے گا۔

تو مومن آگ میں جل جانا تو برداشت کرسکتا ہے لیکن اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا تو پتہ چلا کہ تم اس رستے میں ہی نہ پڑو کہ ہم یہود و نصاریٰ کو راضی کریں وہ جہاں میں راضی ہیں یا ناراض ہیں۔ ہمیں اُن سے کوئی سروکار نہیں ہے اپنے مولیٰ ربّ ذوالجلال اور اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا سے تعلق ہے اور وہ تب راضی ہونگے۔

جس وقت ہم یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں اپنا موقف سخت ترین رکھنے والے ہونگے۔

پھر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کے مختلف عقائد، انکی حرکات اور انکی شرارتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ چونکہ یہ اس وقت مستقل موضوع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۶۴ میں موجود ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ

یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ باندھا ہوا ہے۔

ا۔ دیکھئے عمومی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نبی علیہ السلام سے تو مخالفت رکھتے ہیں اور اللہ کے بڑے وفادار ہیں۔ لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے بھی وفا نہیں کر سکتے اور ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بھی شدید بغض ان کے سینوں میں موجود ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا ہے کہ

يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ روک دیا گیا ہے، باندھ دیا گیا ہے وہ کسی کو کچھ دے نہیں سکتا۔ تو رب ذوالجلال نے خود جواب دیا۔

غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ

ان کے ہاتھ باندھے جائیں گے۔

مطلب یہ تھا کہ یا تو دنیا میں یہ بخیل ترین شمار ہونگے اور ان سے بڑا کوئی بخیل نہیں ہوگا، وہ بھی تجربہ سے ثابت ہے۔

یا یہ ہے کہ ان کو جہنم میں باندھا جائے گا تو اللہ نے یہود کے مقابلے میں نرم گفتگو نہیں کی بلکہ بڑا گرم جملہ ارشاد فرمایا کہ "غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ" اُن کے ہاتھ باندھے جائیں گے۔ یہ بخیل ہونگے یا جہنم میں ذلیل ہونگے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا

اور یہودی اپنے اس قول کی وجہ سے ملعون قرار دیئے گئے ہیں جو انہوں نے میرے بارے میں کہا۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کو ملعون قرار دیا کہ یہ اس بات کی وجہ سے لعنتی ہیں کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کی توہین کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو باندھا ہوا ہاتھ قرار دیا ہے۔

پھر آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق جو ہاتھ ہیں وہ مراد ہیں۔ ہمارا اس بات پر یقین ہے اور اسکا کوئی معنی ہم اپنی طرف سے معین کرنے والے نہیں ہیں کہ اسکا اس طرح کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھ کھلے ہیں اور پھر انکی وضاحت کرتا ہے۔

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ

وہ اللہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کسی نے باندھے ہوئے نہیں ہیں اس کے ہاتھ کو کون باندھ سکتا ہے؟ اُس کے ہاتھ کھلے ہیں اور ہر وقت اُس کی عطائیں لوگوں پر ہو رہی ہیں اور اسکے کرم کی برسات ہو رہی ہے۔

اس آیت میں مزید اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا

اے میرے محبوب تم پر جو تمہارے رب نے قرآن نازل کیا وہ قرآن ان میں

سے اکثر کو مستقبل میں ترقی دے گا شرارت میں اور کفر میں۔

یعنی تم پر جو قرآن رب کی طرف سے اُتر رہا ہے اس قرآن سے ان کو بڑی چڑ ہے۔ جوں جوں قرآن اترتا جائے گا ان کی شرارتیں بڑھتی جائیں گی اور جوں جوں آیات سے مومنین کو خوشی ملے گی مومنین کیلئے نیا حکم اور اللہ کا نیا انعام ہوگا۔ ان کا کفر بڑھتا جائے گا یہ طغیان اور کفر کے لحاظ سے ترقی پاتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں جس وقت یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ جوں جوں قرآن مجید کا نزول ہوتا جائے گا تو یہودیوں میں طغیان کا اضافہ ہوگا اور کفر کا اضافہ ہوگا۔

قرآن مجید نے یہود کو کافر قرار دیا اور کفر کا لفظ بولا پھر ان کا کفر تہہ بتہہ بڑھے گا تو قرآن مجید کی خبر کے مطابق اس وقت سے لیکر آج تک قرآن مجید کی خبر کے مطابق یہود کے کفر میں کتنا اضافہ ہے، انکے طغیان میں کتنا اضافہ ہوا ہے اور انکی سرکشی میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ عیسائیوں کے ہتھکنڈوں میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ یعنی اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شاید فرعون بھی اتنا ظالم نہ ہو، جتنا آج امریکہ برطانیہ اور اسرائیل کا ظلم ہے۔ کہ مسلمانوں کے اسلحہ سے ہی مسلمانوں کو ماریں مسلمانوں کا خون بہائیں۔ وہ فرعون ظالم تھا لیکن کم از کم اپنا خرچہ تو کرتا تھا۔

یہ مسلمانوں کا ہی تیل، مسلمانوں کے وسائل اور مسلمانوں کا ہی سب کچھ استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے پیسے سے مسلمانوں کیلئے گولی خریدتے ہیں اور مسلمانوں کو مارتے ہیں۔ یہ ان کے اندر طغیان کا اضافہ ہوا ہے اور کفر کا اضافہ ہوا ہے۔ لہٰذا یہ نص قرآنی ہے کہ یہ لوگ کفار ہیں اہل کتاب ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کو واضح کیا۔ کہ جوں جوں قرآن اترتا جائے گا ان کا کفر بڑھ

جائے گا ان کی سرکشی بڑھے گی لہٰذا ان کی حالتِ کفر کے بارے میں کبھی کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں نرم گوشہ نہیں ہونا چاہیے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن مجید میں طغیان کا لفظ بھی استعمال کیا ہے اور ان پر کفر کا بھی اطلاق کیا ہے۔

اُنکی ذریت میں سے آج وہ ہمارے لئے اچھا ہو سکتا ہے جو اپنے پھسلے ہوئے لوگوں کا مذہب چھوڑتا ہوا اسلام قبول کرلے گا۔ پھر اس کو اس زمرے سے باہر رکھا جائے گا اور جو اسی دین پر ہے تو پھر پرانے سارے مظالم اُسی کے پلے پڑیں گے اور اُسی کے کھاتے میں آئیں گے۔

جو رسول اکرم ﷺ کے عہد زریں کے لوگ تھے۔ اُن کو یہ کہا گیا کہ تم نے نبیوں کو قتل کیا حالانکہ انہوں نے تو نہیں کیا تھا۔ اُن کے بڑے باپ دادا جو پیچھے نسل میں تھے انہوں نے قتل کیا تھا۔ چونکہ یہ انہیں برحق مانتے تھے اور ان کے دین پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے پیغمبروں کو قتل کیا۔

آج کے یہود و نصاریٰ اسی نہج اور ٹریک پہ چل رہے ہیں اور انہیں کے پیچھے ہیں۔ لہٰذا یہ سارے مظالم اور یہ سارے گناہ جو انہوں نے کیے ان سب کا خمیازہ ان کو بھگتنا پڑے گا۔ یہ سارے اسی پلڑے میں شمار ہونگے۔ لہٰذا ان کے معاملے میں مسلمانوں کو پوری طرح حساس اور خبردار رہنا چاہیے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ کفار ہیں اور انکے ساتھ کفار جیسا رویہ رکھا جائے گا۔

سوائے چند استثنائی معاملات کے وہ بھی محض دنیوی احکام کے لحاظ سے ہیں اور باقی ان کو عقیدے کے لحاظ سے مومنین کے قریب سمجھا جائے یا ایمان اصطلاحی کا لفظ ان پر بولا جائے یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کے وقت کہا تھا کہ کفراب بھی ہے اور جب یہ قرآن نازل ہوتا جائے گا ان کا کفر بڑھتا جائے گا۔لہٰذا کئی درجہ ان کا کفر بڑھ چکا ہو اور اس کے باوجود بھی ہم ان کے ایمان کی بات کریں، یا ان کے کسی معاملہ کو ایمانی قرار دیں۔ یہ تو سارے قرآن مجید کی تعلیمات سے انحراف کا معاملہ ہوگا۔ وہ کفر بڑھتا گیا بڑھتے بڑھتے آج اس کفر کی کئی ظلمات اور ہیں اور ان کے اندھیرے چھا چکے ہیں۔ نہ ان کی کتاب کتاب اللہ ہے۔ اس وقت جو ان کے پاس ہے وہ منزل من اللہ نہیں ہے اور اگر وہ اپنے کسی نبی کا ''برتھ ڈے'' مناتے ہیں تو ہم اُس کے ساتھ مل کر وہ نہیں منا سکتے اس لئے کہ ہر لحاظ سے ہمارا اور ان کا ایک فرق ہونا چاہیے۔

جب ان کا اپنے انبیاء علیہم اسلام کے بارے میں عقیدہ ہی درست نہیں ہے۔ عقیدہ ہو تو ہم حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اُن کا نبی کہیں (یعنی ان موجودہ لوگوں کا) یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی غلامی کے اہل نہیں ہیں۔ ایسے ہی یہود ہیں اس طرح وہ اپنے جھوٹے مذہب میں اور جھوٹے دین میں اپنے کسی پیغمبر کا ''برتھ ڈے'' منائیں۔ تو ہم اسکو میلاد کی تقریب کہہ کر رسول اللہ ﷺ کے میلاد کے ساتھ مشابہت نہیں دے سکتے۔ اس واسطے کہ کفار کے معاملے کو کفر کے دائرے میں سمجھا جائے گا اور کبھی بھی ایمان والوں کو ان کے کسی کام میں شریک نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

اللہ تعالی کے فرمان کے اندر آگے جا کر تفصیل سے یہ ذکر ہے۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا

اور وہ یہودی زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا

جب اللہ تعالی نے ان کو مفسد کہہ دیا تو وہ مصلح کیسے ہو سکتے ہیں۔ اصلاح پسند کیسے ہو سکتے ہیں اور وہ امن کے حمایتی کیسے ہو سکتے ہیں۔

لٰہذا یہ رب ذوالجلال کے ازلی فیصلے ہیں اور ان فیصلوں میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱۸ میں موجود ہے۔

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ

اور یہود ونصاری نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور ہم اُس کے برگزیدہ ہیں یہ بھی انکی شرارت اور ربّ ذوالجلال کے دربار کی توہین ہے کہ جو رب اولاد سے پاک ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا بنا چاہیے اور اپنے آپ کو اسکا بیٹا کہے تو وہ اللہ کی توہین کر رہا ہے۔ چونکہ بیٹا کہہ کے اُس نے معاذ اللہ رب کیلئے کسی زوجہ کو ثابت کر دیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ صاحبہ سے پاک ہے۔ زوجہ سے پاک ہے۔ اولاد سے پاک ہے۔ بیٹوں اور بیٹیوں سے پاک ہے۔ لٰہذا یہ یہود ونصاریٰ نے رب ذوالجلال کے دربار کی پھر توہین کی ہے کہ انہوں نے اپنے مقام کو واضح کرنے کیلئے کہ ہمارا رب سے بڑا قریبی تعلق ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے انکی اس بنیاد پر تردید کی ہے۔

فرمایا: یہ میرے پیارے بھی نہیں چہ جائیکہ میرے بیٹے ہوں۔ اُن کا میرے ساتھ کوئی رابطہ، کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں ان پر عذاب کیوں نازل کرتا۔ حالانکہ میں نے ان پر عذاب نازل کیے ہیں۔ جبکہ میں اپنے پیاروں پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ اس واسطے یہ ان کا جھوٹ ہے نہ ہی میری اولاد ہیں اور نہ ہی یہ مجھے کسی طرح پیارے لگتے ہیں۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کا سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 31-30 میں ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارٰى مَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ

یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاری نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

یعنی یہ ان کا معاملہ ہے کہ وہ انبیاء کو بھی اللہ کا بیٹا بناتے ہیں اور خود بھی اللہ کا بیٹا بنتے ہیں۔ آپس میں بھائی بھائی بن کر اپنا اصل میں مرتبہ بڑھانا چاہتے ہیں کہ خود تو اللہ کے بیٹے ہوں لیکن ان کے نبی اللہ کے بیٹے نہ ہوں تو یہ بڑا دشوار معاملہ تھا لہٰذا پہلے تو ان کو کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) یہ کہنے کے بعد اپنے بارے میں بھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا "ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ" یہ اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔

اس طرح کہنے سے کون بیٹا بن جاتا ہے؟ ربّ ذوالجلال اولاد سے پاک ہے۔

یہ ان کا قول کیسا ہے؟

يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ

یہ اُن لوگوں کے قول کے مشابہ ہے جنہوں نے پہلے کفر کیا۔

یہ قرآن مجید میں دوسری بار صراحت ہے کہ جہاں یہود و نصاریٰ کے کفر کو بیان کیا گیا ہے۔

ان کا یہ جملہ کافروں کے قول کے مشابہ ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ ہم اسکے بیٹے ہیں یا ہمارے پیغمبر اللہ کے بیٹے ہیں۔ تو یہ انکا کفر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

اللہ انہیں تباہ کرے یہ کیسے اوندھے پھرتے ہیں۔

"قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ" اس میں اللہ نے قاتل کا لفظ استعمال کیا ہے اب جس وقت ہم قرآن پڑھیں گے تو "قاتلهم الله" کہیں گے ہم اس کی ٹرانسلیشن Translation کریں گے تو ہم کہیں گے کہ اے یہود ونصاری تم تباہ ہو جاؤ۔ جو رب ہے اُس کو پتہ ہے کہ کون برحق ہیں اور کون اپنے عقیدے سے بدل چکے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی وجہ سے عزتیں پانے والے ہوں اللہ تعالیٰ انہیں کہتا ہے کہ تم مرجاؤ "قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ" اللہ تمہیں برباد کردے اور تمہیں ختم کردے۔ اللہ نے "قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ" کا جو جملہ بولا ہے اس سے اللہ نے واضح کردیا ہے کہ میں نے کتاب دے کے جن کو شرف دیا تھا وہ ماننے والے ہیں اور جن کے پاس اب کتاب ہے جب قرآن مجید اتر رہا ہے اور وہ اس قرآن کو نہیں مانتے بلکہ اپنی محرف کتاب کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ انہیں تباہ کردے، انہیں ہلاک کردے اور قتل کردے جن کے بارے میں رب تعالیٰ۔ "قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ" کا جملہ بولا، اگر ہم بولیں گے تو اس کو ہماری سختی نہیں کہا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے دین کا حصہ بنایا ہے۔

کیا ہم کسی کی رضا کے حصول کیلئے قرآن کی آیات کو چھوڑ دیں گے؟ نہیں نہیں۔ مومن قرآن کو نہیں چھوڑ سکتا تو جب قرآن کو نہیں چھوڑ سکتا تو پھر یہ پہلو واضح کرنا پڑے گا کہ یہ جھوٹے لوگ ہیں، گمراہ ہیں، دھتکارے ہوئے ہیں، جہنمی ہیں اور کافر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ ان پر لعنتیں کی ہیں اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت ورسوائی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کو رسوا کردیا جائے گا۔

پہلی آیت میں بالخصوص یہود کا ذکر تھا آخری آیت میں یہود کے ساتھ نصاریٰ کا ذکر بھی تھا اور یہود کے علاوہ نصاریٰ کے بارے میں مستقل آیات بھی موجود ہیں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصَارٰى

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱۴ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور اُن لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں۔

اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

ہم نے اُن سے عہد لے لیا۔

کہ اگر تم نصاریٰ ہو تو تمہیں یہ باتیں ماننی ہیں پھر سارے پیغمبروں کو ماننا ہے۔

کیونکہ باقاعدہ معاہدہ ہوا۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو معاہدہ انہوں نے ہم سے کیا تھا وہ بھول گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی، ذلت اور رسوائی کو خود بیان کیا ہے۔

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

قیامت تک ہم نے ان کے دلوں کے اندر آپس میں دشمنی ڈال دی ہے۔

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ واضح کر دے گا جو کچھ یہ کرنے والے ہیں۔

میں نے اس مقام پر چند آیات بطور مثال پڑھیں۔ چونکہ ہمارے قرآن کا تو ایک پورا حصہ ان کے خلاف ہے اور ان کے خلاف قرآن مجید کے سخت فیصلے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ اگر تم جنت چاہتے ہو تو پھر تمہیں قرآن کی طرف پلٹنا پڑے گا۔

قرآن نے ان کے کفر کو اور انکے ملعون ہونے کو واضح کیا ہے۔لہٰذا ان آیات کی روشنی میں کسی مومن مصلح کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کے نزول کے بعد یہود نصاریٰ کو پھر مومن کہے۔یا انہیں کسی لحاظ سے بھی بیلیور''BELIEVER'' سمجھے۔

لغوی معنی کے لحاظ سے تو ابوجہل بھی بلیور تھا۔اس کے بتوں کے بارے میں یقین تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بلیور ہیں انہیں رب کے بارے میں یقین ہے۔

اب ان دونوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے کہ دونوں بلیور ہیں اور دونوں ایک طرح کے ہیں؟ نہیں نہیں۔ بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ دونوں کو یقین تو ہے لیکن یہ یقین کس چیز کا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رب کی توحید کا یقین ہے اور ابوجہل کو اپنے بتوں کے شرک کا یقین ہے۔تو بلیور کہہ کے دونوں کو ایک پلڑے میں رکھیں۔یہ دین نہیں ہے۔

ایک اُن میں سے جنت میں ساری امتوں کی جو سب سے پہلی اور بڑی سیٹ ہے اُس پر بیٹھنے والے ہیں اور ابوجہل جہنم کے نچلے طبقے میں جلنے والا ہے۔

اس واسطے لغوی معاملات علیحدہ ہیں لیکن یہاں شرعی معاملات کی بحث ہو رہی ہے۔

اس لحاظ سے یہود و نصاریٰ ہر گز بلیور نہیں ہیں۔اُن کا ایمان ایمان نہیں۔

انکار دین دین نہیں، موجود صورتحال میں یہ سب کچھ بدل چکے ہیں اور ان قرآنی نصوص کے مطابق انہوں نے اپنا خود نقصان کیا ہے اور اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کے اساسی فرامین سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوں۔خود رسول اکرم ﷺ نے کمپیر ٹیو سٹڈی Comparative study کے طور پر ہمارا اور یہود و نصاریٰ کا موازنہ کیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مسلمانوں کی اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کسی آدمی نے مزدور رکھے ہوں اور انہیں کہا ہو کہ تم نے میرے ہاں کام کرنا ہے۔

یہ جو مزدور رکھنے والی ذات ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مزدوروں سے امتیں مراد ہیں۔ یہ مثال دینے کا انداز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں جو امتوں کی شان ہے اُس کو ظاہر کرنے کیلئے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوں سمجھو کہ

مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَاجَرَ اُجَرَاء

تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کسی آدمی نے مزدور رکھ لئے اور پھر کہا۔

مَنْ يَّعْمَلُ لِيْ مِنْ غُدْوَةٍ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ

میرا صبح سے لیکر دوپہر تک کون کام کرے گا۔ اُس کو ایک قیراط اجرت ملے گی۔

جب یہ اعلان ہوا تو

فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ

یہودی مزدور آ گئے انہوں نے کہا کہ ہم صبح سے دوپہر تک کام کریں گے اور ایک قیراط اجرت لیں گے۔ الگ اب مثال میں یہ یاد رکھنا کہ مزدور رکھنے والی ذات اللہ کی ذات ہے۔ مزدوروں سے مراد امتیں ہیں اور ٹائم سے مراد احکام کی نرمی اور سختی ہوگی۔ جتنا کام امت کا زیادہ ہوگا اتنی مشقت امت پر زیادہ ہوگی۔ پہلا اعلان تھا کہ صبح سے دوپہر تک کون مزدوری کرے گا تو یہودیوں نے کہا ہم یہ کام کریں گے تو انہوں نے کام شروع کر دیا۔

پھر اعلان ہوا

مَنْ یَّعْمَلَ لِیْ مِنْ نِّصْفِ النَّھَارِ اِلٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ عَلٰی قِیْرَاطٍ

وہ کون ہے جو دو پہر سے عصر کی نماز تک میرا کام کرے۔ اسکو بھی ایک قیراط اجرت ملے گی یہاں بھی پہلے مزدوروں جتنی مزدوری ہے۔ پہلے بھی ایک قیراط پر کام کر رہے تھے اب یہ بھی ایک قیراط پر کام کریں گے لیکن دونوں کے وقت میں فرق ہے۔ پہلے والے صبح سے دو پہر تک کام کرتے رہے اور دوسرے دو پہر سے عصر تک کام کریں گے کیونکہ صبح سے دو پہر کا وقت زیادہ بنتا ہے اور دو پہر سے عصر کا وقت تھوڑا بنتا ہے۔ جب یہ اعلان ہوا تو

فَعَمِلَتِ النَّصَارٰی

تو عیسائیوں نے کہا یہ کام ہم کریں گے۔ لہٰذا انہوں نے کام کرنا شروع کر دیا

ثُمَّ قَالَ

پھر اعلان ہوا

مَنْ یَّعْمَلَ لِیْ مِنَ الْعَصْرِ اِلٰی اَنْ تَغِیْبَ الشَّمْسُ عَلٰی قِیْرَاطَیْنِ

وہ کون ہے جو عصر سے غروب شمس تک کام کرے اُس کو دو قیراط اجرت ملے گی۔

اب یہاں وقت میں بھی تبدیلی ہے اور اجرت میں بھی تبدیلی ہے۔ پہلے دونوں قسم کے مزدوروں کا وقت بھی زیادہ تھا اور اجرت دونوں کی ایک تھی لیکن ان کا وقت بہت تھوڑا اور اجرت ڈبل ہے۔ جس وقت یہ اعلان ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: اے میرے صحابہ جانتے ہو وہ پارٹی کونسی ہے کہ جن کا ''پیریڈ آف ورک'' Period of work تھوڑا سا ہے۔ لیکن اُن کا اجر ڈبل ہے۔ صحابہ

کرام نے عرض کیا: "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

اس پر میرے محبوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اَنْتُمْ هُمْ

اے میری امت وہ تم ہو کہ جن سے رب کام تھوڑا کروائے گا مگر اجرت زیادہ عطا فرمائے گا۔

اس میں ایک بات بالکل واضح ہے کہ کام کا وقت مختلف ہے۔ صبح سے دوپہر تک بہت زیادہ ہے اور دوپہر سے عصر تک اُس سے تھوڑا ہے۔ لیکن عصر سے مغرب تک کا وقت اُس سے بھی تھوڑا ہے کام میں تھوڑی تھوڑی اس طرح تبدیلی آئی ہے اور آخری قوم کیلئے بالکل تھوڑا کام ہے۔ لیکن آخر والے اجرت زیادہ لے گئے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہو گیا تو وہاں پر یہود و نصاریٰ نے احتجاج کیا۔

غَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى

یہود و نصاری غصے میں آ گئے اور کہنے لگے۔

مَالَنَا اَكْثَرُ عَمَلًا وَّاَقَلُّ عَطَاءً

ہمارا کام زیادہ ہے لیکن اجرت تھوڑی ہے۔

بعد میں قوم آ رہی ہے کام تھوڑا کریں گے مزدوری زیادہ ملے گی ایسا معاملہ کیوں ہے؟

ان کا ڈبل اعتراض تھا۔ ایک یہ کہ ہمارا کام کرنے کا وقت بہت زیادہ ہے اُس پر جو تو نے اجرت دی ہے وہ بہت تھوڑی ہے اور دوسرا یہ کہ بعد والوں کے کام کرنے کا وقت تھوڑا ہے لیکن اجرت ڈبل ہے۔ ان کو اجرت تھوڑی ملنی چاہیے تھی زیادہ مزدوری

کیوں دیتا ہے۔

جب انہوں نے یہ اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا منہ یوں بند کر دیا۔

هَلْ نَقَصْتُكُمْ مِّنْ حَقِّكُمْ

کیا تمہارا حق میں نے کم کیا ہے۔

تمہاری جتنی مزدوری بنتی تھی وہ میں نے دی ہے یا نہیں دی۔ تو کہنے لگے اے اللہ ہمارا حق تو تو نے نہیں رکھا ہم مانتے ہیں تو نے ظلم نہیں کیا۔ جتنا ہمارا کام تھا مزدوری اتنی ملی ہے۔ لیکن ہمارا اعتراض یہ ہے کہ بعد والوں سے بھی ہمارے جتنا کام کروا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عدل تو تم نے میرا مان لیا کہ جتنا تم مستحق تھے اُتنا میں تمہیں دے رہا ہوں اور آگے جو دوسرا معاملہ ہے کہ اپنے محبوب کی امت سے بھی اتنا ہی کرواؤں اور اتنا ہی دوں اسکا اللہ تعالیٰ نے بڑا حسین جواب دیا فرمایا:۔

ذَالِكَ فَضْلِيْ أُوْتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ (بخاری شریف: ۱/۳۰۲)

یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں جتنا دے دوں۔

لہٰذا تم نے میرے ہاں کام کیا تو میری رحمت کے تم منشی تو نہیں بن گئے کہ میں تم سے پوچھوں اور تقسیم کروں۔ تمہارا حق یہ ہے کہ جتنی تمہاری مزدوری ہے وہ مانگو اور جب وہ میں نے دی ہے تم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ میں نے تم پر ظلم نہیں کیا۔ لہٰذا اگر میں اپنے محبوب علیہ السلام کے غلاموں سے تھوڑا کرواتا ہوں اور انہیں زیادہ دیتا ہوں تو وہ تمہارے حصے سے تو نہیں دے رہا بلکہ اپنے خزانہ فضل سے دے رہا ہوں۔ لہٰذا یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں جتنا دوں تم اس بارے میں ہڑتالیں نہ کرو کیونکہ میں نے تمہارا

حق نہیں رکھا۔لہٰذا جھگڑا نہ کرو پیارے کی امت بھی بڑی پیاری ہے میں اس سے کام تھوڑا کرواؤں گا اجرت زیادہ عطا فرماؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیت ونصرانیت کے مقابلے میں ہماری برتری پہلے دن سے ہی واضح کردی ہے۔

اس امت کی آمد سے پہلے بھی کرسچئین اور یہود کے مقابلے میں ہمارا وقار تھا۔مخاطب کر کے کہا کہ یہ میرا فضل ہے اور میرے محبوب علیہ السلام کے محبوب امتی ہیں اُن سے زیادہ نہیں کرواؤں گا۔تھوڑا کام کرواؤں گا اجرت زیادہ عطا فرماؤں گا۔

ضمناً یہاں پر نماز عصر کے وقت کی بھی شناخت ہوگئی کہ اس کی اذان کب پڑھنی چاہیے۔آج کچھ لوگ ظہر کے ٹائم میں عصر کی اذان پڑھ دیتے ہیں۔ایک مثل گذر جانے کے بعد ہی عصر کی آذان دے دیتے ہیں تو یہ حدیث اُس وقت کو غلط ثابت کر رہی ہے۔

اگر عصر ایک مثل پر ہو جاتی ہوتی تو رب ذوالجلال انہیں جھڑکی دیتا کہ ہوش سے بات کرو تمہارا تو اعتراض ہی غلط ہے۔تم کہتے ہو کام ہمارا زیادہ ہے۔تمہارا کام کیسے زیادہ ہے دوپہر سے ایک مثل تک اور ایک مثل سے مغرب تک تو ٹائم برابر ہے۔پھر اللہ تعالیٰ کو چاہیے تھا کہ وہ نصاریٰ سے کہتا کہ تم تو جھوٹ بولتے ہو کہ ہمارا ٹائم زیادہ ہے اور اجرت تھوڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا کہ جاؤ ایک اعتراض کرنا ہے تو اجرت والا کرو، ٹائم تو تمہارا برابر ہے اگر ایک مثل پر عصر ہوتی ہو تو اللہ تعالیٰ ان کے اعتراض کو غلط قرار دیتا اور Reject کر دیتا۔

جبکہ اللہ نے اعتراض کو برقرار رکھ کے جواب دیا ہے کہ ٹھیک ہے وقت تمہارا زیادہ

ہے۔اجرت تمہاری تھوڑی ہے مگر یہ میرا اپنا فضل ہے میں جسے چاہوں جتنا عطا فرمادوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عصر کا وہی وقت صحیح ہے جس پر ہماری مساجد میں اذانیں ہوتی ہیں۔اب اس کے مطابق عیسائیوں کی بات صحیح ہے کہ وہ کہیں گے کہ وقت ہمارا زیادہ بنتا ہے۔کیونکہ ہماری عصر کی اذان کے مطابق عصر سے مغرب تک کا ٹائم تھوڑا ہوگا اور دوپہر سے عصر تک کا ٹائم زیادہ ہوگا تو عیسائیوں کا اس لحاظ سے ڈبل اعتراض بن جائے گا۔جس طرح بخاری شریف میں بارہا موجود ہے کہ ہمارا ٹائم زیادہ ہے اور اجرت تھوڑی ہے تو یہ حدیث کی برکت ہے کہ ہمارا یہ مضمون جو یہود ونصاریٰ کے مقابلے میں چل رہا تھا اس میں اندر کی بیماری کا حل بھی موجود ہے۔

جب یہود ونصاریٰ کے لحاظ سے یہ بات سامنے آگئی تو یہ ہماری اُن پر پہلی ترجیح ہے کہ ان سے کام سخت سے لئے گئے اور اجرت تھوڑی دی گئی اور اس امت کو لاڈ لار کھا ہے۔کام نرم سے نرم ہے اور اجرت بہت زیادہ ہے۔

اب اس کے بعد دوسرا معاملہ جو آج بالخصوص ہمارے موضوع کو ٹچ کرے گا مقابلہ تو اس سے بھی واضح ہو گیا کہ ان کا ہمارے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے یہ پیچھے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فضل والوں کو اپنا فضل عطا فرمایا ہے۔

بخاری شریف ج نمبر 1 ص نمبر 302 پر ایک اور حدیث شریف ہے۔
لیکن مضمون تھوڑا سا مختلف ہے۔

اس سے میں بالخصوص ان لوگوں تک پیغام پہنچانا چاہتا ہوں جو ان کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے اور آج انہیں اہل کتاب کہہ کے مسلمانوں کا اور اُن کا آپس میں ڈائیلاگ "Dialogue" کرا کے ان کے لئے مسجدیں کھولنے کی باتیں کرتے

ہیں اور اپنے ساتھ بٹھا کے کہتے ہیں کہ یہ میلادِ عیسیٰ علیہ السلام مناتے ہیں اور ہم میلاد محمد ﷺ مناتے ہیں اس بات میں ہم آپس میں مشترک ہیں۔ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ وہ لوگ دھتکارے ہوئے ہیں مردود ہیں۔ جب اُن کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَاْجَرَ قَوْمًا یَعْمَلُوْنَ لَهٗ عَمَلًا

تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسے ہے کہ ایک آدمی نے لوگوں کو مزدوری پہ رکھا۔

اُس آدمی کی اُن سے پورے دن کی مزدوری کی بات طے ہوگئی اُس نے کہا تم نے میرے ہاں پورا دن کام کرنا ہے اور اتنی اجرت تمہیں دوں گا۔اُس قوم نے کہا ہم پورا دن کام کریں گے۔لیکن جس وقت انہوں نے کام کرنا شروع کیا تو دوپہر تک ہی تھک گئے۔دوپہر تک بمشکل پہنچے۔کام تو انہوں نے مغرب تک کرنا تھا۔دوپہر تک جا کے انہوں نے ٹوکری پھینکی اور کہنے لگے۔

لَا حَاجَةَ لَنَا اِلٰی اَجْرِكَ الَّذِیْ شَرَطْتَ لَنَا

مالک سے کہنے لگے ہمیں مزدوری کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو کام کر کر کے مر گئے ہیں ہم اپنے گھر جا رہے ہیں۔

اُن کا معاہدہ تو پورے دن کا تھا کہ پورا دن کام کرو گے تو اتنی مزدوری تمہیں دوں گا انہوں نے دوپہر تک کام کیا اور بیٹھ گئے پھر کہنے لگے کہ جو تو نے ہمارے ساتھ طے کیا تھا ہمیں اُس کی ضرورت نہیں ہے۔ہم گھر جا رہے ہیں۔

وَمَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ

اور جو کچھ ہم نے کیا وہ باطل ہو گیا۔

چونکہ مزدوری تو تب ملنی تھی جب پورا دن کام کرتے اور ہم پورے دن میں تو مر جائیں گے ہم نہیں کر سکتے۔ آدھے دن کا کیا ہوا کام چھوڑتے ہیں ہم اسکی مزدوری نہیں لیں گے اور کہا کہ ہم جا رہے ہیں۔

اُس آدمی نے کہا:

لَا تَفْعَلُوْا

مالک نے کہا ایسے نہ کرو اپنی مزدوری کیوں ضائع کرتے ہو۔ آدھا دن ہی تو باقی رہ گیا ہے اور وہ کام کرو۔

اَكْمِلُوا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ وَخُذُوْا اَجْرَكُمْ كَامِلًا

باقی آدھا دن بھی کام کرو اور اپنے کام کی مزدوری وصول کرلو۔

وہ مالک کی بات پر کان دھرے بغیر واپس گھر چلے گئے انہوں نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔

اب مالک نے کہا کہ مزدوری تو کروانی ہے اُس نے دوبارہ اعلان کیا کہ پورا دن کام کروانا تھا آدھا دن گذر گیا ہے اور آدھا دن باقی رہ گیا ہے کوئی ایسا مزدور ہے جو باقی آدھا دن کام کرے تا کہ اسکو اجرت دی جائے تو ایک اور قوم آگئی مالک نے اُن سے کہا۔

اَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ هٰذَا

یہ باقی دن تم پورا کر دو تو میں تمہیں پورے دن کی مزدوری دے دوں گا۔

پہلے کچھ لوگوں نے آدھا دن کام کیا ہے اور انہوں نے مزدوری لینے سے انکار کیا ہے۔ میں وہ مزدوری بھی تمہیں دوں گا۔ گویا تمہارے تو وارے نیارے ہیں آدھا کیا ہوا کام تمہیں مل گیا ہے آدھا تم نے باقی کرنا ہے۔لہٰذا نصف دن باقی کا کام کرو تو میں تمہیں مکمل دن کی مزدوری دے دوں گا۔ نصف تمہارے کام پر اور نصف پہلے مزدور کی مزدوری۔

یہ بات اصل میں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ امتوں سے اُس نے مزدوری کروانی ہے اور ایک دن اُس نے رکھا ہے۔ یہ قوم تیار ہو کے آ گئی ٹھیک ہے پہلے تو بڑے بزدل تھے اور بڑے کام چور تھے ہم بڑے مضبوط اعصاب والے ہیں اور آدھا دن ہی تو باقی رہ گیا ہے۔ ہم باقی پورا دن کام کریں گے اور پورے دن کی مزدوری لے لیں گے۔

جب یہ قوم آئی تو انہوں نے کام شروع کر دیا۔

حَتّٰٓی اِذَا کَانَ حِیْنَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ

جب عصر کی نماز کا ٹائم قریب ہو گیا تو کہنے لگے۔

لَکَ مَا عَمِلْنَا

جو کام ہم نے کیا وہ تجھے پہنچے۔

ہم نے جو کیا سو کیا آگے ہم سے کچھ نہیں ہوتا۔ شام تک ہم نہیں پہنچ سکتے۔

عصر تک مشکل سے پہنچے ہیں اور ہمیں نہ پہلی مزدوری کی ضرورت ہے اور نہ اپنے کیے ہوئے کام کی مزدوری کی ضرورت ہے۔

ہم کام کر کر کے مر گئے ہیں۔ ہمیں چھٹی چاہیے۔ وہ دوپہر سے عصر تک گھبرا گئے اور اس سے آگے کام کرنے سے انکار کر دیا۔

جس وقت انہوں نے ایسا کیا تو پھر مالک نے کہا کہ ہوش کرو تم کیا کر رہے ہو تھوڑا سا ٹائم تو باقی رہ گیا۔

اَکْمِلُوْا بَقِیَّۃَ عَمَلِکُمْ

تھوڑا سا عصر سے مغرب تک کا کام پورا کرو اور پورے دن کی تم مزدوری لو۔

تم اپنا نقصان کیوں کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا: نہیں نہیں۔ ایک منٹ بھی آگے نہیں جائیں گے۔ یہ تمہارا کام ہے ہم جا رہے ہیں ہمیں کسی مزدوری کی کوئی ضرورت نہیں، جو تو نے ہمیں مزدوری دینی تھی وہ اپنے پاس رکھ۔ مالک کو یہ کہہ کے نکل پڑے۔

جب عصر کا وقت ہو گیا۔ مالک نے پھر کہا کہ کام تو ہم نے پورا دن کروانا ہے۔

پھر اعلان ہو گیا کہ کون ہے جو عصر سے مغرب تک باقی کام کرے اور اُس کو پورے دن کی اجرت عطا کر دی جائے۔

پہلے کام کرنے والے یہودی تھے جنہوں نے آگے کام کرنے سے انکار کر دیا دوسرے مزدور عیسائی تھے انہوں نے دوپہر سے عصر تک بمشکل کام کیا جبکہ کام تو شام تک کرنا تھا پھر یہ بھی کام چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مالک روکتا رہا کہ سارا دن کام کرو اور سارے دن کی مزدوری لے جاؤ۔ اسکے باوجود انہوں نے بھی مکمل دن کام کرنے سے انکار کر دیا اور مزدوری چھوڑ کے چلے گئے۔

پھر تیسری قوم آ گئی جس نے عصر سے مغرب تک کام کیا سارے دن کی مزدوری لے گئے۔

یہ تیسری قوم رسول اللہ ﷺ کی امت ہے۔ جس کیلئے آسانیاں ہیں کاموں میں نرمی ہے لیکن اجر بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باقی قوموں سے فرمایا ٹھیک ہے تم کام نہ کرو ہم بقیہ کام اپنے

پیارے محبوب کی پیاری امت سے کروائیں گے اور پہلی قوموں کا اجر بھی انہیں ہی عطا فرمائیں گے۔ عصر کے وقت یہ امت ظاہر ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب ان کی ڈیوٹی ہے کہ یہ عصر سے مغرب تک کام کریں گے۔ اجرت پورے دن کی لیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَاسْتَكْمَلُوا اَجْرَ الْفَرِيْقَيْنِ (بخاری شریف ۱/۳۰۲)

اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلی قوموں کا اجر بھی عطا فرما دیا۔

اسواسطےان کے ڈبل قیراط ہوگئے ہیں۔ پہلوں کے اتنے حوصلے پست ہوگئے کہ وہ مزدوری چھوڑ کے چلے گئے۔ اب عصر سے مغرب تک کا کوئی کام تھا۔ انکے حوصلے پست ہوئے اور اللہ کی گستاخی کر کے نکلے کہتے ہیں کہ اجر اپنے پاس رکھ ہمیں اس اجر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب مالک کی گستاخی کی تو مالک نے کہا تم یہ نہ سمجھو کہ میرے دربار میں کوئی سجدہ نہیں کرے گا، میری مسجدوں میں کوئی نماز نہیں پڑھے گا اور میرے کہنے پر کوئی روزہ نہیں رکھے گا۔

وہ قوم تو آرہی ہے جو روزے بھی رکھیں گے، نمازیں بھی پڑھیں گے اور میں ان کو ایسے ایسے چانس دوں گا قدر کی ایک رات ہزار مہینے سے بہتر ہوگی۔

اس واسطے اللہ تعالیٰ نے پہلے سارے اجر اکٹھے کر کے محبوب کی امت کو عطا فرما دیئے ہیں۔ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

یہ ہے تمہاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال اب اس مثال پر گھنٹوں بحث کریں تو یہ تھوڑی ہے۔

یہاں سے پتہ چلا کہ یہود ونصاریٰ اللہ کے دربار کے بھگوڑے بنے، دھتکارے

گئے، ٹوکری پھینک کے نکلے اور اللہ کو کہہ کے نکلے کہ جو تو نے ہمیں مزدوری دینی تھی اسکو اپنے پاس رکھ اس کی ہمیں ضرورت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خود نہیں نکالا تھا بلکہ یہ خود وہاں سے نکلے ہیں۔

اس کے بعد اب ان کا برحق ہونا اور اُن کا کسی طرح بھی رحمت ایزدی کا مستحق ہونا۔ اسکا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رحمت کو انہوں نے خود ہی جیکٹ Reject کر دیا۔ مسترد کیا۔ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہم جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں اس امت کو یہ شان دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑا سا کام کروا کے دائمی رحمتیں اس امت کو عطا فرما دی ہیں۔

یہاں پر پہلی حدیث اور دوسری حدیث کے لحاظ سے سوال ہے۔

پہلی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ یہود نے دو پہر تک کام کیا اور ان کو ایک قیراط مل گیا۔ دوسرا پھر عیسائیوں نے دوپہر سے عصر تک کام کیا انہیں بھی ایک قیراط مل گیا۔ وہاں پہلی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کام بھی کیا کا اور اجرت بھی لی۔ انہوں نے کام پورا کیا۔ لیکن ہماری فضیلت وہاں بھی ظاہر ہو گئی کہ ہم نے کام تھوڑا کیا اجر زیادہ لیا۔ انہوں نے زیادہ کام پر ایک ایک قیراط اجر لیا ہم نے دو قیراط لئے۔

بخاری کی اس حدیث سے تو پتہ چل رہا ہے کہ یہود ونصاریٰ نے کام بھی کیا اور اجرت بھی پائی۔ لیکن جواب حدیث بیان کی ہے یہ بھی بخاری کی حدیث ہے۔

لیکن اس سے پتہ چل رہا ہے کہ نہ انہوں نے کام کیا اور نہ ہی اللہ سے مزدوری لی۔ پھر تو یہ دونوں بخاری کی احادیث آپس میں متضاد ہو گئیں؟ لیکن حقیقت میں متضاد نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں حدیثیں دو جدا جدا طبقوں کے بارے میں ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے دو طبقے ہیں ایک وہ طبقہ کہ جب تک رسول اکرم ﷺ نے اعلان نبوت نہیں کیا تھا اُس وقت تک جو یہود و نصاریٰ تھے ان کی شان اور ان کا حصہ پہلی حدیث میں بیان کیا گیا کہ جو ان میں سے پہلے اپنی کتاب کو ماننے والے تھے انہوں نے ڈیوٹی دی کام کیا۔ دوپہر تک یہودیوں نے کام کیا اور عصر تک عیسائیوں نے کام کیا اور پھر ان کو کام کی اجرت بھی مل گئی۔

لیکن جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمادیا تو سب پر لازم تھا کہ آپ کا کلمہ پڑھتے تو جن یہود و نصارٰی نے سرکار ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھا اللہ فرماتا ہے کہ یہ میرے دربار سے ٹوکری پھینک کر بھاگے ہیں، یہ بھاگ گئے ہیں، یہ رسوا ہو گئے ہیں اور یہ نکل گئے ہیں۔ لہٰذا ان کو ایک ذرہ بھی اجرت نہیں ملے گی۔ اس واسطے کہ اب اجرت وہ پائے گا جو ماہ مدینہ (ﷺ) کی غلامی میں آئے گا۔

لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ایک ہی بات ہے۔ کیونکہ یہود و نصارٰی کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک سرکار کے اعلان نبوت سے پہلے کی اور ایک حیثیت اعلان نبوت کے بعد کی ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے کا معاملہ اور تھا اُس وقت یہ تھا کہ کام زیادہ ہے اجرت مناسب ہے اور عدل ہو رہا ہے لیکن پھر بھی ہماری شان بیان ہو رہی تھی۔ جب نبی علیہ السلام نے اعلان نبوت کیا اور جن عیسائیوں نے اور یہودیوں نے نہیں مانا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جنہوں نے میرے محبوب کا کلمہ نہیں پڑھا یہ میرے باغی ہیں انہوں نے میری ڈیوٹی کو چھوڑا ہے اور یہ رحمت کے مستحق نہیں بلکہ غضب کے مستحق ہیں۔ وہ مَغضُوب ہیں، ملعون ہیں، وہ اللہ کے دربار میں تکبر کرنے والے ہیں۔

لہٰذا میرے نبی علیہ السلام کے اعلان نبوت کے بعد یہود و نصاریٰ کی یہی حالت ہے

کہ یہ اللہ کے دربار کے راندے ہوئے، ٹھکرائے ہوئے اور دھتکارے ہوئے لوگ ہیں۔

اگر ان میں سے کوئی اجرت پانا چاہے گا تو اس کو اپنے دل میں نبی علیہ السلام کا پیار بسانا پڑے گا۔

یہ حیثیت بخاری شریف میں ہے جس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بیان کر دیا کہ میرے اعلان نبوت کے بعد یہود و نصاریٰ کیلئے صرف مجھے ماننا لازم تھا۔ پہلے نبیوں کا زمانہ چونکہ گذر چکا تھا اور یہ کتاب دائمی طور پر آچکی تھی اور اس کے بعد ان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا علیحدہ تعارف کروائیں علیحدہ کوئی نام رکھیں اور علیحدہ کتاب لے کے چلیں۔

لہٰذا یہ حدیث ان لوگوں کو سامنے رکھنی چاہیے جو آج مسلم اور کرسچن ڈائیلاگ کے فورم پر انکو برابری دے رہے ہیں۔ ایک طرف قرآن پڑھا جائے اور دوسری طرف تورات وانجیل کو پڑھا جائے۔ پھر میلاد عیسیٰ علیہ السلام اور میلاد محمد ﷺ کو آپس میں ملایا جائے۔ ان لوگوں کو شرم آنی چاہیے۔

جو اللہ کے دربار سے خود استغنے دیکے نکلے اُن کو اللہ کے دربار میں کون داخل کر سکتا ہے۔ یہود و نصاریٰ خود مستغنی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تو ان سے فرماتا رہا کہ کام پورا کرو اور اپنی اجرت لے لو یعنی میرے محبوب کا کلمہ پڑھ جاؤ تمہیں پوری اجرت مل جائے گی۔ لہٰذا جنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا اور خود نکلے ہیں ان کیلئے ہم کہیں کہ ہم مسجدیں کھولتے ہیں اور ان سے سجدے کرواتے ہیں...... نہیں نہیں...... وہ خود بھگوڑے ہو کر نکلے ہیں اب ان کا جہنم کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

یہاں پر اس بات کو بطور خاص پیش نظر رکھنا چاہیے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے اعلان نبوت کے بعد جو ہمیں طریقہ دیا ہے۔ اُس کے مطابق ہم نے زندگی گذارنی ہے اور میرے آقا علیہ السلام ارشاد فرمانے لگے۔

لَاتَبْدَءُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى بِالسَّلَامِ

یہود ونصاریٰ کو سلام کے ساتھ آغاز نہ کرو، ان کو سلام نہ دو۔

فَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ

جب تم ان میں سے کسی کو کسی گلی میں ملو

فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ (الاذکار:۲۵۳)

تو اُس کو گلی کی تنگ جگہ کی طرف کرو۔

یعنی اس کو دباؤ، اُس کو دھکا دو، اُس کو تنگ جگہ میں کرو اور اُس کو گلی کے درمیان میں نہ چلنے دو۔ یہ ہمارے محبوب علیہ السلام کا ہمارے لئے حکم ہے۔ کہ یہ مسترد لوگ ہیں۔ ان کیلئے لازم تھا کہ یہ میرا کلمہ پڑھتے اور اللہ کے دربار میں مقبول ہو جاتے لیکن انہوں نے میرا کلمہ نہیں پڑھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے جن کو سائیڈ پہ کیا ہے تو مسلمان بھی اُن کو سائیڈ پہ رکھیں۔

سرکار نے تو فرمایا ہے یہ کہ گلی میں چلتا ہوا عیسائی بھی ہو تو اے مسلمانو! اس کو کنارے پہ کرو اور تنگ جگہ چلنے پر مجبور کردو۔ یہودی اور عیسائی گلی کے سنٹر میں چلتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔ اس کو تنگ جگہ کی طرف کردو یہ سنٹر میں چلنے کا مستحق نہیں ہے۔ گلی کے سنٹر میں وہ چلے گا جو کل جنت کے سنٹر میں جائے گا۔ جنت کے وارث مسلمان ہیں اسواسطے رسول اکرم ﷺ کی جو آخری وصیت تھی وہ یہی تھی۔

اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ (کنز العمال: ۱۱۰/۵)

یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔

سرکار پوری دھرتی سے ان کو نکالنا چاہتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں چونکہ عرب میرا دیس ہے اور یہ ڈائریکٹ میرے دشمن ہیں۔انہوں میرا کلمہ نہیں پڑھا اس لئے میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ دھرتی میری ہو اور قدم ان کے ہو۔لہٰذا صحابہ میری حسرت یہ ہے کہ ان کو عرب سے نکالو۔جن کو سرکار اپنی زمین سے نکالنا چاہتے ہوں۔ان کیلئے مسجدیں کھولیں کہ وہ ہماری مسجد میں آ جائیں، ہم کہیں ہمارا اور ان کا کوئی فرق ہی نہیں رہا ان کے لئے نرم رویہ اور نرم گوشہ پیدا کیا جائے اور اہل کتاب کی آڑ میں ان کے ساتھ تمام معاملات کو گول مول کر دیا جائے......نہیں نہیں...... یہ قرآن ہے اور یہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔انہوں نے ہمارے لئے واضح کر دیا ہے کہ اہل کتاب کا جو حقیقی مرتبہ تھا وہ تو یہ کھو چکے ہیں۔اُسکے بعد ایک اہل کتاب کے لفظ کا ان کو فائدہ ہے مگر ان کو کبھی بھی ایمانداروں کی صف میں شامل نہ کرو۔ان کیلئے یہ معاملہ نہ کرو کہ یہ بھی ایک کتاب والے ہیں اور ان کو ساتھ بٹھا کر انجیل پڑھائی جائے۔

کیونکہ وہ پیغمبر علیہ السلام کو مانتے ہی نہیں ہیں۔ان کا اگر ماننا صحیح ہوتا تو پھر وہ مغضوب کیوں ہوتے۔ان کا ماننا مسترد ہو چکا ہے۔لہٰذا ان کی ساری دینی تقریبات بھی مسترد ہو چکی ہیں۔ان میں اگر کوئی بحیثیت مومن داخل ہو جائے گا تو اس کا ایمان سلامت نہیں رہے گا۔اس واسطے کہ جن کو اللہ نے نکالا ہوا ہے۔جو ان کے ساتھ بیٹھے گا وہ بھی ان نکلے ہوؤں میں شمار ہو جائے گا۔

میرے محبوب علیہ السلام نے رحمت ہونے کے ساتھ ساتھ جو آپ نے طریقہ سکھایا ہے۔اُس طریقے کا حسین منظر ترمذی میں موجود ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

یہودی بڑے شرارتی تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اس پیغمبر کی رحمت کی دعا بھی لینی چاہیے اور یہ بھی مانتے تھے کہ ہمیں یہ دعا دیتے نہیں ہیں۔ وہ کیا کرتے تھے؟ وہ نبی علیہ السلام کے پاس آ کے چھینکیں مارتے تھے۔ تاکہ ہم چھینک ماریں تو یہ ہمیں "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہیں۔ تم پہ اللہ کی رحمت ہو۔

آپ دیکھیں کہ وہ شرارت میں کتنے ذہین تھے ویسے تو یہ نبی "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" نہیں کہتے کہ اللہ تم پہ رحم کرے۔ ان کا قرآن ہمیں کہہ چکا ہے کہ ہم لعنتی ہیں۔ لیکن یہ بات اُن کے دل میں تھی کہ یہ رحمت ہیں اور اُن کی رحمت کے صدقے شاید ہم کلمہ پڑھے بغیر بچ جائیں۔ ان سے "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہلوالیں اور آپ کے پاس اس نیت سے آ کر چھینکیں مارتے تھے۔

امام العاقولی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ وہ اتنے بد بخت تھے کہ وہ رحمت کے حصول میں فراڈ کرنا چاہتے تھے کہ رحمت بھی مل جائے اور اپنا فراڈ کر جائیں۔ کہ پیغمبر کی زبان پہ غلطی سے "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" آ جائے۔ یہ نہ دیکھیں کہ مومن ہیں یا نہیں۔ بلکہ یہ دیکھیں کہ چونکہ چھینک ماری ہے اور اور چھینک مارنے والے کو "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" سے جواب دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہیں گے اور ہم کہیں دیکھو ویسے تو ہمیں کچھ نہیں کہتے لیکن ہم نے رحمت کہلوالیا ہے۔

ہم نے فراڈ کیسا تھا ان سے "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہلوایا ہے۔ لیکن اُنھیں یہ پتہ نہیں تھا کہ جو نبی علیہ السلام ہیں۔ سارے زمانے کی عقلیں مل جائیں تو ان کی عقل کے کروڑویں حصے تک بھی نہیں پہنچتیں۔

جس وقت وہ آ کے چھینکیں مارتے تھے تو ان کا انتظار ہوتا تھا کہ "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ"

کہیں تو میرے محبوب علیہ السلام "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" نہیں کہتے تھے۔ بلکہ آپ فرماتے تھے۔ "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ" اللہ تمہیں میرا کلمہ پڑھنے کی توفیق دے۔

وہ چھینکیں مارتے کہ یہ ہمارے لئے رحمت کی دعا کریں کہ تم پہ رحمت ہو۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے۔ تمہیں پتہ چل جائے کہ پہلا دین منسوخ ہو گیا ہے اور پہلے سارے پیغمبروں کی نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ میری نبوت ہمیشہ کیلئے آ گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ میں نے ان کو رحمت کی دعا نہیں دینی، ہدایت کی دعا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے تمہاری اصلاح کر دے۔

میرے محبوب علیہ السلام نے رحمت کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے یہاں سے ہم سب کو سوچنا چاہیے کہ نبی علیہ السلام اس معاملے میں کتنا حساس موقف امت کو دے رہے ہیں۔

اگر آج کوئی ان سے یہ کہے کہ وہ ہمارے ساتھ آ کر رحمت میں بیٹھے ہیں اور رحمت کے گھوارے میں آ گئے ہیں۔ تو اس پر آقائے رحمت ﷺ کو گنبد خضریٰ میں کتنی تکلیف محسوس ہو گی کہ جو میری رحمت کے مستحق ہی نہیں ہیں ان کو انہوں نے رحمت کی لسٹ میں شمار کیا ہوا ہے۔

اس واسطے یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ یہ دھتکارے ہوئے لوگ کسی طرح بھی رحمت کے مستحق نہیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کیلئے رحمت اس حصے میں لی ہے کہ تم میرا کلمہ پڑھو اس کے بعد تمہیں رحمت کا کونہ بھی مل جائے گا۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے۔

امام نووی نے ''الاذکار'' میں اسکو روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آ گیا اور وہ اجنبی تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جانتے نہیں تھے کہ یہ مسلمان ہے یا یہودی۔ آپ اسے سلام کہہ بیٹھے ''السلام علیکم'' اُس نے سلام کا جواب دیا۔ آپ کو بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو یہودی تھا۔

اس سے تم آج کی صورتحال کا اندازہ لگاؤ کہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ سلام کسے کہنا ہے اور کسے سلام نہیں کہنا ہے۔ بالخصوص وہ لوگ جو ہمارے ملک کے اقتدار کی کرسیوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اُن کو تو یہ ہوش ہی نہیں کہ ہم مسلمانوں کے بادشاہ ہیں یا کافروں کے ہیں۔

یعنی عورتوں سے مصافحے کرتے پھرتے ہیں اور پھر کہیں کافروں کے نشانوں پر پھول چڑھاتے ہیں اور کہیں کچھ جا کر کرتے پھرتے ہیں۔ ان کو تو کوئی خبر ہی نہیں کہ اسلام نے سلام لینے کا بھی نصاب دیا ہے اور سلام کہنے کا بھی نصاب دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سلام کہہ چکا مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ یہودی ہے۔ بعد میں مجھے کسی نے بتایا کہ یہ تو یہودی تھا۔

اس میں ہماری وزارت خارجہ کیلئے سبق ہے۔ کہ جب کوئی واقعہ ہو جاتا ہے حادثہ ہو جاتا ہے کسی سے تعزیت کرنے کا موقعہ ہوتا ہے یا کسی کیساتھ خیر خواہی کا پیغام دینا ہوتا ہے۔ انہیں پہلے سوچنا چاہیے کہ کیا اسلام ہمیں یہ بات کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں دیتا؟

اُس کے بعد پھر ایسے پروگرام (Celebrate) یا (Release) کر سکتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے لاعلمی کی حالت میں ایسا ہو گیا۔ لیکن انہوں نے کیا کیا۔

فتبعه

آپ اسکے پیچھے چل پڑے۔

وہ آدمی جا چکا تھا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے چلے گئے۔

جب اس کو جا کے پکڑ لیا تو آپ نے اس سے فرمایا۔

رُدَّ عَلَيَّ سَلَامِيْ (الاذکار:۲۵۴)

میرا اسلام مجھے واپس کر کے جاؤ۔

تمہارے پاس جو میرا اسلام ہے اُس کو واپس میری طرف لوٹاؤ۔ میں نے جو تجھے ''السلام علیکم'' کہا ہے مجھے پتہ نہیں تھا کہ تم تو سلام کے مستحق ہی نہیں ہو۔ جنہیں رب نے دھتکارا ہوا ہے انہیں ہم سلام کیوں کہیں۔

اس واسطے مجھ سے تو بڑی غلطی ہو گئی۔ مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ تم یہودی ہو۔

رُدَّ عَلَيَّ سَلَامِيْ

میرا اسلام واپس لوٹاؤ پھر میں تمہیں جانے دوں گا۔

تو یہ ہیں اسلام والے، یہ ہے غیرت، یہ ہے دینی حمیت، یہ ہے اسلام کا تقاضا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تو غلطی سے جو یہودی کو سلام کیا وہ بھی واپس کروا رہے ہوں اور آج کوئی منبر و محراب کا وارث بننے والا ہو اور اسلام کی دعوت کے عالمگیر خواب دیکھتا ہو اور پھر اس کے بعد اُسے اپنے گھر کی بھی خبر نہ ہو۔ عالمگیر اسلام تو

بڑی دور کی بات ہے۔ اپنی چار دیواری میں جس کو اسلام کا پتہ نہیں ہے وہ عالمگیر اسلام کی بات کیسے کر سکے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سلام واپس کروایا اور یہ بتایا کہ قیامت تک ان زہریلوں سے ہوشیار رہو۔ یہ ہماری طرف سے کسی عزت کے مستحق نہیں ہیں کہ کسی سلام کے اور کسی سلامتی کی دعا کے یہ مستحق نہیں ہیں۔

سید عالم ﷺ کا فرمان جس کو حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں۔

موجودہ صورتحال میں جو کچھ ہم سے ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہود و نصاری کے جو مظالم ہیں عیسائیوں کے منہ سے جو ہمارا خون بہہ رہا ہے اور ان بھیڑیوں نے جس انداز میں کابل و قندھار سے لیکر عراق تک، اور گروزنی سے لیکر غزہ تک جو ہمارا خون بہایا ہے۔

اُس کے سوا ابھی لبنان کی جو صورتحال تھی سب کچھ امت مسلمہ کے سامنے ہے۔

ایسی صورتحال کے اندر ہمیں اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔

اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے آج ہمیں مارا ہے۔ تو جو کسی کو مارے اس سے نفرت ہوتی ہے۔

پہلے نمبر پر ان کیساتھ نفرت اس لئے ہے کہ ہمارے دلوں میں ان کی نفرت اللہ نے پیدا کی ہے۔

دوسرے نمبر پر ہمارے دلوں میں انکی نفرت اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام نے پیدا کی ہے۔

تیسرے نمبر پر خود انسانی تقاضا ہے، عقل کا تقاضا ہے کہ وہ بندہ جس کا کوئی خون بہا رہا ہو وہ اپنے خون بہانے والے سے پیار نہیں کرتا، اُس کے ساتھ وفاداریاں نہیں کرتا، ان کی تعظیمیں نہیں کرتا۔ لہٰذا کسی طرح بھی ان کے لئے ہمارے دلوں میں نرمی

نہیں ہونی چاہیے اور ہمیں مایوس بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ زمانہ ہمارے ساتھ ہے۔ اگر ہم آپ اپنے ہو جائیں تو اس کائنات کا درخت درخت، پتھر پتھر اور یہ ساری دنیا ہمارے فوجی ہیں، ہمارے سپاہی ہیں، ہمارے لئے یہ خفیہ ایجنسیاں ہیں۔ انٹیلی جنس ہیں۔ ساری کائنات ہماری ہے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان صحیح بخاری شریف میں ہے۔

تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُوْدُ

تم سے یہودی لڑائی کریں گے۔

فَتُسَلَّطُوْنَ عَلَيْهِمْ

لڑائی کا آخری فیصلہ یہ ہوگا کہ مسلمان ان پہ مسلط ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ تم ان پر مسلط کر دیے جاؤ گے۔ تمہاری دھاک بیٹھ جائے گی وہ تم سے بھاگ جائیں گے، رسوا ہو جائیں گے۔ صورتحال کیا ہوگی۔

حَتّٰى يَقُوْلَ الْحَجَرُ

یہاں تک کہ پتھر پتھر بولے گا۔

يَا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَائِيْ فَاقْتُلْهُ (بخاری شریف: ۱/۵۰۷)

اے مسلمان یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ آ اور اس کو قتل کر جا۔

پتھر یہ بولے گا تو پتھر تب بولے گا جب دل کا پتھر بھی کسی کا سلامت ہوگا اگر دل میں یہودیوں کو بٹھایا ہوا ہو تو پتھروں کو بولنے کی ضرورت کیا ہے؟

اگر اُن کو گھروں میں جگہ دی ہو تو پھر پتھر ہماری ہمنوائی کیوں کریں؟ یہ زمانہ ہمارے ساتھ اس وقت چلے گا جب ہم قرآن وسنت کے ساتھ ہونگے اور یہود و

نصاریٰ کے مقابلے میں جو اسلام کی ازلی پوزیشن ہے۔ اُس پر ہمارا یقین ہوگا۔ ہمارا یقین ان شاء اللہ ہے۔ تو یقیناً پھر ایسا وقت ایسا لمحہ ضرور آئیگا۔

آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب نمبر 4

اور دل نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِعَشْرَةٍ يُعْتِقُ فِيْهَا مِنَ النَّارِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

(پ نمبر ۳، سورہ البقرہ)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِىْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِىْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمْ

فہم دین کورس کے تیئسویں (23) سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

''اور دل نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھا''

میری دعا ہے خالق کائنات جل جلالہٗ ہمارا یہ پروگرام اپنے دربار میں قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو دونوں جہاں میں ہماری کامیابیوں کیلئے سبب بنائے۔ آج کا موضوع نہایت ایمانی، روحانی اور وجدانی موضوع ہے۔

وہ سینے جو پہلے کفر کی سیاہی کی وجہ سے اندھیری رات کی طرح سیاہ تھے۔ جونہی ایمان کی تجلی پڑی تو وہ صبح نو کا آئینہ بن گئے۔ جو پہلے کھنڈر اور ویران تھے رب ذوالجلال نے اُن کو بہار آشنا کر دیا۔ جب ایمان کا مقدس تخم اُن کے دل کی مقدس سر زمین میں کاشت کیا گیا تو کائنات کو غذا اور ضیاء بخشنے والا ایسا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اُن سینوں میں پیدا کیا کہ وہ اور بھی ہزاروں سینوں کی روشنی اور اجالے کا سبب بن گئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۷ میں ارشاد فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔

اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ وہ انہیں اندھیرے سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

تو جب تک ایک انسان ایمان سے محروم ہے تو وہ اندھیرے میں ہے، محرومی میں

ہے، لیکن جس وقت اُس کو ایمان میسر آ جاتا ہے۔ تو وہ نور نگر میں پہنچ جاتا ہے اور اُجالوں کا نقیب بن جاتا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ شان بیان کی کہ میں ظلمت سے نکالتا ہوں اور نور دیتا ہوں ایسے ہی رسول اکرم ﷺ کی اس حیثیت کو واضح فرمایا۔

سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 1 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

الٓرٰ o كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

ایک کتاب ہے۔اے ہمارے محبوب ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کی ہے کہ تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی اس صفت کا مظہر اتم بنایا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی اندھیروں سے نکال کر روشنی دیتا ہے اور وہ لوگ جو اندھیروں کے قیدی ہوں ان کو اس سے نکال کر ایمان اور تجلی کی کہکشاں پر آباد کر دیتا ہے۔

ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے لوگوں کے دلوں کو سیاہی سے پاک کرتے ہیں، لوگوں کے دلوں سے کفر مٹاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کے اندر ایمان اور یقین کے نقش کو ثبت فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان اسی سلسلے میں سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۲۳ میں موجود ہے

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو نور دیا جس نور کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے۔

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا

کیا یہ شخص اس بندے کی طرح ہو سکتا ہے جو ابھی تک اندھیروں میں موجود ہے اور وہاں سے نہیں نکلا؟

پتہ چلا کہ ان تمام آیات میں ایمان کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے اور حالت ایمان کو نور کی تجلی قرار دیا گیا ہے۔ جس وقت ایک شخص کفر کو چھوڑتا ہے اور ایمان کو قبول کرتا ہے تو قرآن مجید اُس کو صاحب نور قرار دیتا ہے اور اُس کی حیثیت کو زمانے کیلئے ایک روشنی اور اجالے کا سبب بتایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے پاس درجنوں نہیں سینکڑوں بلکہ ایسے ہزاروں شواہد موجود ہیں کہ جس وقت انسانی سینے میں انقلاب داخل ہوتا ہے تو اس کے بعد صورتحال کیا ہوتی ہے؟ کس طرح ذرے آفتاب بنتے ہیں، کس طرح کانٹے گلاب بنتے ہیں، کیسے غلاموں کو امامت کا شرف میسر آتا ہے اور کس طرح کائنات کے گھٹیا کردار عمدہ کرداروں میں بدل جاتے ہیں۔ کیسے قعر ذلت میں گرے ہوئے لوگ ثریا کی رفعتوں تک پہنچتے ہیں۔

ہمارے پاس پوری تاریخ ایسے نوری چہروں سے بھری ہوئی ہے کہ جب تک اسلام نہیں تھا تو انہیں زمانے میں کوئی مانتا نہیں تھا، ان کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں تھی اور اُن کی قدر و قیمت نہیں تھی لیکن جب نور ایمان کی تجلی ان کے سینوں پر پڑی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرشیوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عرشیوں کے لئے بھی باعث رشک بنا دیا ہے اور ان کے اجالوں کو شمس و قمر کیلئے بھی باعث رشک بنایا ہے۔

ہمارے پاس اس سلسلہ کی حسین گواہیوں میں سے ایک پرنور منظر حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کے ایمان قبول کرنے کا ہے۔

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کا اجالا

حضرت فضالہ بن عمیر بن ملوح رضی اللہ عنہ کا تذکرہ "زاد المعاد" جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 332 پر کیا گیا ہے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے خطرناک ارادے کے ساتھ گھر سے نکلے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے اور فضالہ کا دل دشمنی سے بھرا ہوا تھا، عداوت کے شعلوں میں جل رہا تھا اور حسد کی آگ چنگاریاں مار رہی تھی۔

فضالہ اپنے گھر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ شہید کرنے کی غرض سے نکلے۔ یہ ارادہ لیکر جس وقت کعبۃ اللہ میں پہنچے تو دیکھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف فرما رہے ہیں۔

فَلَمَّا دَنٰى مِنْهُ

جب فضالہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچے تو محبوب علیہ السلام نے دیکھ لیا اور استفہامیہ انداز میں کہا۔

اَفَضَالَةُ

کیا تم فضالہ ہو۔

تو انہوں نے کہا "نَعَمْ" ہاں میں فضالہ ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَاذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهٖ نَفْسَكَ

تم اپنے آپ سے کیا بات کر رہے تھے یعنی دل میں تم کیا لے کر آئے ہو۔

جس وقت آپ نے اُس کو متنبہ کیا اور پوچھا کہ تمہارے دل میں کیا ہے تو فضالہ کہنے لگے۔

لَاشَیْءَ

میرے دل میں کوئی شے نہیں۔

ویسے ہی میں آیا ہوں، میرا کوئی خطرناک ارادہ نہیں ہے۔ یا کسی اور کام کی غرض سے، میں نہیں آیا بلکہ الٹا یہ کہہ دیا۔

كُنْتُ أَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى

میں تو اپنے رب کا ذکر کر رہا تھا۔

میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے یہاں پہنچا ہوں۔

جس وقت فضالہ نے یہ کہا کہ میں تو ذکر الٰہی میں مصروف تھا اور ادھر کعبہ شریف کے پاس آ گیا ہوں۔

فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے۔

آپ اس لئے مسکرائے کہ فضالہ کا دل کسی بات سے بھرا ہوا ہے، کسی بغض وحسد میں جل رہا ہے اور میرے سامنے اقرار نہیں کرتا اور باتیں وہاں سے چھپاتا ہے کہ جہاں سے باتیں چھپائی جا نہیں سکتیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور ساتھ ہی فضالہ سے کہا۔

اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ

اپنے گناہ کی اپنے اللہ سے معافی مانگو۔

جو تم بُرا ارادہ کر کے آئے تھے۔ اس ارادے سے تائب ہو جاؤ۔

حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال شفقت سے کرم فرمایا:

ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِىْ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مقدس ہاتھ میرے سینہ پہ رکھ دیا۔

جس وقت حضرت فضالہ کے سینے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ رکھا تو فضالہ کہتے ہیں مجھے زندگی بھر کبھی بھی اتنا سکون نہیں ملا تھا جتنا سکون مجھے اُس وقت نصیب ہوا۔ میرا دل بڑا مطمئن ہوگیا، دل میں چین آ گیا، دل ٹھنڈک سے بھر گیا، دل کو بڑا خوشگوار ماحول ملا اور میں نے بڑی راحت محسوس کی۔ میں نے سمجھا کہ میرے کرب اور بے چینیاں ساری ختم ہوگئی ہیں۔ میں نے سمجھا کہ میرے کندھوں پر جو بوجھ تھے وہ سارے بوجھ اتر گئے ہیں۔

فضالہ کہتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا حضرت فضالہ بعد میں لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کی اتنی برکت ہے۔

وَاللّٰهِ مَارَفَعَ يَدَهٗ عَنْ صَدْرِىْ حَتّٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَىَّ مِنْهُ

خدا کی قسم ہے ابھی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینے سے نہیں اٹھایا تھا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات سے زیادہ آپ کا چہرہ میرے لئے محبوب بنا دیا۔

نکلے تھے جو ارادہ قتل رسول ﷺ سے
آے نظر وہ دولت ایماں لیے ہوئے

یہ نکلے تھے قتل کرنے کیلئے، شہید کرنے کیلئے اور دولت ایمان میسر آ گئی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ اور آپ کے علم کی جو وسعت ہے اُس کا بھی اندازہ ہوا، ایک اُس کی جھلک بھی سامنے آئی۔ ایک شخص دل میں جو چھپائے ہوئے ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کو مطلع کیا کہ تمہارے دل میں یہ ہے اور پھر وہ اگرچہ بُرے ارادے سے آیا تھا، مگر محبوب علیہ السلام یہ نہیں چاہتے تھے کہ میرے قریب ہونے کے بعد پھر بھی جہنمی رہے۔ اگرچہ وہ قریب ہوا ہے قتل کی نیت سے لیکن نبی علیہ السلام نے اپنے قرب کا رنگ دکھا دیا ہے۔ اپنا مقدس ہاتھ جب حضرت فضالہ کے سینے پہ رکھا تو وہی جو اجڑا ہوا دیار تھا اور وہی جو ایک کھنڈر اور ویران بستی تھی، وہی دل جس میں کوئی تجلی نہیں تھی، کوئی نور نہیں تھا کوئی سرور اور کوئی مہک نہیں تھی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وہ مقدس ہاتھ جن کے بارے میں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں۔

جن کو سوئے آسمان پھیلا کے جل تھل بھر دیئے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے
تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر
ایک جان بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ مقدس ہاتھ حضرت فضالہ کے سینے کے اوپر ہے۔ مگر اثر اُس کا دل تک پہنچا ہے اور اس ہاتھ سے دل کی سیاہی اتر گئی ہے۔

وہ دل جس میں پہلے حسد کے جذبات تھے، بغض سے بھرا ہوا تھا اور عداوت سے

بھرا ہوا تھا۔ حضرت فضالہ نے اتنا بڑا انقلاب محسوس کیا کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ ابھی سینے سے اُٹھا نہیں تھا کہ اُس سے پہلے اتنی تبدیلی آ چکی تھی، اس حد تک سینے کے جذبات بدل چکے تھے کہ جو شخص اس سے پہلے سب سے زیادہ اپنا دشمن محسوس ہوتا تھا اور جن سے سب سے زیادہ عداوت تھی، حضرت فضالہ کہنے لگے چند لمحوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے لئے محبوب ترین شخصیت بنا دیا۔

اس انداز میں ایمان جلوہ گر ہوتا ہے اور یہ انداز ہے کہ جس کی وجہ سے کردار سنورتے ہیں، سیرت نکھرتی ہے، انسان انسان بنتا ہے۔ انسان حیوانیت کے دائرے سے نکل کے انسانیت کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ پھر وہ قدسیوں کیلئے بھی قابل رشک بن جاتا ہے۔ حضرت فضالہ کہتے ہیں پھر جس وقت میں واپس اپنے اہل کی طرف گیا تو میں کلمہ پڑھ چکا تھا میرا انداز اور تھا، میرے اطوار بدل چکے تھے۔ اس سے پہلے میں ایک خاتون سے جا کے گپیں لگاتا تھا۔

فَمَرَرْتُ بِامْرَاَةٍ كُنْتُ اَتَحَدَّثُ اِلَيْهَا

جب میں اُس عورت کے پاس سے گذرا تو اُس نے مجھے آواز دی، میں نے نہ اس کی طرف دیکھا اور نہ ہی اس کی کوئی آواز سنی، نہ اس سے گفتگو کی۔ وہ مسلسل اپنے پرکشش انداز میں دعوت دے رہی تھی اور بلا رہی تھی اور کہتی تھی مجھ سے بات تو کرو۔ جس وقت اُس نے مجھ سے بات کرنے کا تقاضا کیا تو حضرت فضالہ کہتے ہیں میں نے اُس کو یہ کہا

يَاْبَى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَالْاِسْلَامُ

میرا رب تجھ سے بات کی اجازت نہیں دیتا اور میرا اسلام بھی تجھ سے بات کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کی بھیک ہے ہاتھ کی عطا

ہے اور ہاتھ کی بخشش ہے کہ جس کی وجہ سے شرم بھی ہے حیا بھی سینے میں ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اُس سینے میں بھر دیا ہے اور انقلاب آ گیا ہے۔

یہ وہ سینے ہیں کہ جو نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھے ہیں تو پھر آ گے ان کی چمک سے کئی سینے جگمگا اُٹھے ہیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبت نہ تھی تو کائنات میں کوئی عظمت نہ تھی اور جس وقت محبوب علیہ السلام کے ساتھ تعلق قائم ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عظمتوں کا مینارہ نور بنا دیا ہے۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ اور نوری کرن

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کا پورا ماجرا مسلم شریف کی حدیث نمبر ۸۶۸ کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ میں موجود ہے۔

حضرت ضماد بھی بڑے عجیب انداز سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور انہیں بھی ایمان کی کرن کا احساس ہوا۔ بڑے عجیب انداز سے وہ بھی ایک ارادے کے ساتھ نکلے لیکن جو بھی اپنے غلط ارادے سے نکلا وہ سرکار کی طرف چلا تو ہے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے مقدر کو بدل دیا ہے اور قسمت کو سنوار دیا ہے۔

حضرت ضماد کہتے ہیں کہ میں مکہ شریف پہنچا۔ ان کا تعلق ''ازدشنوءۃ'' سے تھا۔ اور آؤٹ سائڈر Outsider تھے۔ ان کا یہ شعبہ تھا کہ یہ لوگوں کے جن نکالا کرتے تھے۔ یہ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کا اٹکل پچو تھا کہ اس طرح کے شعبہ جات انہوں نے بنائے ہوئے تھے۔

لہٰذا حضرت ضماد کہتے ہیں کہ میں مکہ شریف میں داخل ہو گیا مکہ شریف کی فضا عجیب تھی میں جدھر جاتا تھا تو وہاں کے رہائشی لوگ قریش مکہ مجھے پورا بریف Brief کرتے تھے کہ یہاں ایک انسان ہے اُس سے بالکل ملاقات نہ کرنا، اُسے جو بھی ملتا ہے وہ اپنی زندگی کے مزے کھو بیٹھتا ہے اور وہ سب کو چھوڑ دیتا ہے۔

یہاں تک کہ مجھے انہوں نے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعارف کروایا کہ اُن پر آسیب کا سایہ ہے انہیں جن پڑے ہوئے ہیں اور معاذ اللہ مجنون ہیں۔ اُنہیں کوئی پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔ کہیں تم بھی ان کے پاس نہ چلے جانا ورنہ تم اُس مرض میں شکار ہو جاؤ گے۔ حضرت ضماد کہتے ہیں کہ میں نے جس وقت یہ سنا کہ وہ شخص بیمار ہے تو الٹا میرے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اگر اُس کو جن پڑتے ہیں تو میں جن نکالنے میں ماہر ہوں لہٰذا میں جا کر جن نکالتا ہوں۔ زمانے میں پتہ چل جائے گا کہ عرب والوں کا سب سے بڑا انسان جس کا وہ خطرہ سمجھتے تھے کہ اُس کے جن بڑے مضبوط ہیں اور اس کے جن نکلتے نہیں ہیں میں نکال کے دکھا دوں گا تو میرا شہرہ ہو جائے گا کہ یہ جنوں کا بہت زیادہ علاج کرنے والا ہے۔

ضماد کہتے ہیں کہ میں پوچھتے پوچھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں چلا گیا اور میں لوگوں سے یہ کہتا تھا جب وہ مجھے روکتے تھے۔

لَوْ اَنِّیْ رَاَیْتُ هٰذَا الرَّجُلَ

کاش میں اُس بندے کو دیکھوں تو سہی، ہو سکتا ہے اللہ میرے صدقے ہی اُس کو شفا دے دے اور یہ لفظ بول رہے تھے۔

لَعَلَّ اللّٰہَ یَشْفِیْہِ عَلٰی یَدِیْ

ہوسکتا ہے اللہ میری وجہ سے اُس کو شفا دے دے اور اُس کا بھلا ہو جائے۔

میں مکہ کے ان لوگوں سے کہتا تھا تمہیں یہ دشمنی کیوں ہے۔ اگر ایک بیمار میری وجہ سے صحیح ہوتا ہے تو اُس کو صحیح ہونا چاہیے۔ لہٰذا تم میری ملاقات تو ہونے دو۔

ضماد کہتے ہیں میں بڑی مشکل سے اُن سے نکلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب میں پہنچا اور میری آپ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا۔

یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَرْقِیْ مِنْ ھٰذِہِ الرِّیْحِ

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے سنا ہے کہ آپ کو جن پڑے ہوئے ہیں اور آپ پر بیرونی چیزوں کا سایہ ہے۔ میں یہی کام کرتا ہوں۔

اِنِّیْ اَرْقِیْ

میں دم کرتا ہوں لوگوں کے جن صحیح ہو جاتے ہیں۔

میں بڑی دور سے آیا ہوں جب آپکے بارے میں میں نے یہاں آ کے سنا تو سوچا کہ اس واسطے اپنی خدمات آپ کیلئے پیش کروں۔ بڑے بڑے لوگ میرے دم سے صحیح ہو گئے ہیں اور آپ بھی صحیح ہو جائیں گے۔

ضماد کہتے ہیں میں نے بڑی جسارت کی اور میں نے کہا کہ میرے ہاتھ پر رب نے چاہا تو ہوسکتا ہے آپ صحیح ہو جائیں۔

ھَلْ لَکَ

میں نے پوچھا کیا واقعی آپ کو دلچسپی ہے کہ میں آپ کے جن نکالوں؟

وہ کتنے عجیب لوگ تھے اور ضماد کی باتیں بھی بڑی عجیب تھیں۔

جنہوں نے پوری دنیا کے جن نکالے ہیں یہ ان کے جن کی فکر میں ہیں اور اُن کے ساتھ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں جن کے بارے میں خود آپ نے یہ فرمایا تھا کہ۔

''ہر بندہ جب پیدا ہوتا ہے اُس کے ساتھ ایک جن بھی آتا ہے اور وہ اُس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے''۔

قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کے ساتھ بھی کوئی جن تھا؟

تو آپ نے فرمایا ''قَالَ وَاِيَّايَ'' ہاں اللہ نے دستور پورا کیا میرے ساتھ بھی ایک لگایا تھا۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ

(مشکوۃ المصابیح باب فی الوسوسہ:۱۸)

میرے اللہ نے میری مدد کی ہے کہ میرا جن مطیع ہو گیا ہے۔

جو میرے ساتھ آیا تھا وہ شیطان شیطان نہیں رہا اب وہ مطیع بن گیا ہے، میرا فرمانبردار بن گیا ہے میری بات مانتا ہے وہ مجھے اپنے کہنے پہ نہیں چلاتا۔ میں نے اُس کو اپنے کہنے پہ چلا لیا ہے۔

اتنی بڑی ذات اور شخصیت کے سامنے حضرت ضماد کہہ رہے تھے، میں جن نکالتا ہوں اور میں جنوں کو صحیح کرتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنا کام شروع کروں۔ محبوب علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ جو اس طرح کی گفتگو ہو وہاں پر جواب دینا بھی وقت کو ضائع کرنا ہے۔ میرے محبوب علیہ السلام نے اپنی گفتگو شروع کر دی، خطبہ دیا اور کلمات طیبات پڑھے آپ فرمانے لگے۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ

ساری تعریفیں اللہ کیلئے ہیں ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد چاہتے ہیں جس کو خدا ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے خدا گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ میرا رب ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد خاص ہیں اور اُس کے رسول ہیں۔

ضماد کہتے ہیں جب میں نے یہ لفظ سنے تو مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے دل کا دروازہ کھول دیا ہو اور میں نے سمجھا کہ یہ کلمات تو مجھ پر اثر کر گئے ہیں۔ میں اپنا اثر ظاہر کرنے آیا تھا۔ مگر یہاں پر تو الٹا مجھ پر اثر ہوا تو میں نے آپ سے عرض کیا۔

اَعِدْ عَلَيَّ كَلِمَاتِكَ

اپنے کلمات ایک بار پھر مجھ پر دہراؤ۔

تو میرے محبوب علیہ السلام پھر فرمانے لگے۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ

حضرت ضماد کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو مجھے پتہ چلا کہ ان میں لذت بہت زیادہ ہے۔ میں نے کہا دوبارہ پھر پڑھو تو آپ نے تیسری بار ان کلمات کو دہرایا۔

جب تین بار میں نے نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ لفظ سنے۔

کتنا عجیب مقدر حضرت ضماد کا تھا کہ وہ خطبے کا آہنگ، جس سے مردے زندہ ہوتے ہیں اور وہ الفاظ کی ادائیگی کہ جس کی وجہ سے بنجر زمینیں آباد ہوتی ہیں اور وہ لحہ کہ جس کی وجہ سے جہنمیوں کو جنت کی منازل ملتی ہیں سامنے بیٹھ کر حضرت ضماد نے جب خطبہ سنا ہے اور پھر تین بار سنا ہے۔

اب اس کے بعد اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ کہنے لگے:

لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعَرَاءِ

یعنی میں عام انسان نہیں ہوں میں بھی جہاں دیدہ انسان ہوں۔ میں نے نجومیوں کی باتیں بھی سنی ہیں، بڑے بڑے جادوگروں کی تقریریں بھی سنی ہیں، بڑے بڑے سحر اللسان خطیبوں کی آوازیں بھی سنی ہیں اور اس سے پہلے میں نے بڑے بڑے شعراء کا کلام سنا ہے۔ مگر آج تک مجھے ایسی لذت کسی کے جملوں میں نظر نہیں آئی جتنی تمہاری گفتگو سے آئی ہے۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات کے بارے میں کہا۔

فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ

تمہاری اس گفتگو جیسی میں نے آج تک گفتگو نہیں سنی

اتنی میٹھی، اتنی چاشنی سے لبریز باتیں، اتنی خوشبو والی اور اتنی اجالوں والی باتیں میں نے آج تک نہیں سنیں۔

ساتھ ہی حضرت ضماد کہنے لگے۔

وَلَقَدْ بَلَغْنَ نَاعُوْسَ الْبَحْرِ

یہ باتیں اتنی گہری ہیں کہ لگتا ہے کہ یہ سمندر کی تہہ تک پہنچنے والی ہیں۔ دل کی گہرائی کو سمندر سے تعبیر کرتے ہوئے کہنے لگے یہ سمندر کے سنٹر تک پہنچنے والی ہیں۔ یہ آخری حد تک گہرائی میں اترنے والی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فوراً کہنے لگے۔

هَاتِ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ

اب ذرہ ہاتھ آگے کرو تا کہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کروں۔

وہ ضماد جو جن نکالنے کیلئے آئے تھے اور کہتے تھے کہ جا کے شفاء دیتا ہوں۔ ایک انسان مریض ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو میرے ہاتھوں پر شفا دے دے گا۔

آئے تھے شفا دینے کیلئے مگر انہیں پتہ نہیں تھا کہ مریض تو میں ہوں شفا کی مجھے ضرورت ہے، بیمار تو میں ہوں علاج کی مجھے ضرورت ہے۔ وہ شفا دینے کیلئے آئے تھے مگر۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُربے بہا دیئے ہیں

یہاں تو سوال کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ معاملہ یوں ہوتا ہے۔

لب واہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے

آپ کے پاس پہنچ کر جس وقت حضرت ضماد نے یہ منظر دیکھا ہے جملہ سنا ہے کلمات طیبات کی ادائیگی سے ان کو اثر ملا ہے۔ کاہنوں کا کلام بھول گئے، شاعروں کی نظمیں بھول گئے، خطیبوں کے خطبے بھول گئے، ساحروں کے کلام جملے بھول گئے اور کہنے لگے کلام تو یہ ہے۔

اس کے بعد فوراً اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں۔ محبوب علیہ السلام سے بیعت کے شرف کیلئے تڑپتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا کو بتا رہے ہیں۔ جب تک یہاں نہیں آیا تھا دل اُس وقت تک کفر سے کالا تھا اب پہنچا ہوں تو دل اللہ کے فضل والا بن گیا ہے۔

یہ ہیں نور ایمان سے جگمانے والے دل۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ٹھیک ہے ضماد تم نے تو کلمہ پڑھا ہے تو یہ پیغام اپنی قوم تک بھی پہنچاؤ۔

حضرت ضماد کو قوم کے لئے مبلغ بنا دیا اور اس قوم کو پھر اتنا مرتبہ ملا کہ ایک سریہ پر جاتے ہوئے جب صحابہ کرام کا لشکر وہاں سے گذرا تو وہاں پر گذرتے گذرتے لشکر نے وضو کرنے کیلئے ایک چیز لی۔ اُس سے پانی حاصل کر کے پھر وضو کیا۔

جب صحابہ کرام سے پوچھا گیا کہ اُس قوم کی تم نے کوئی چیز تو حاصل نہیں کی تو کہا گیا کہ ایک چھوٹا سا برتن لیا ہے اس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنایا گیا

رُدُّو ھَا فَاِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ قَوْمُ ضماد

ان کا برتن واپس کر دو کیونکہ یہ حضرت ضماد کی قوم ہے۔

یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان کا برتن ساتھ لے جائیں۔ حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عظمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کی قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ نور نگر میں

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کا نور نگر میں داخل ہونے کے واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بخاری و مسلم میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے سردار تھے اور لیڈر تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجد کی طرف اپنا ایک وفد بھیجا ہوا تھا اور چھاپا مار سپاہی اُس طرف جا رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس وقت صحابہ اُس مہم پر نکلے ہوئے تھے تو وہاں سے ایک آدمی کو گرفتار کر کے لے آئے جو بنی حنیفہ کا تھا۔ اُس کا نام ثمامہ تھا جب وہ مدینہ شریف پہنچا تو صحابہ کرام نے اُس کو مسجد نبوی شریف کے ایک ستون کے ساتھ قید کر دیا۔ اب بھی وہ ستون مشہور ہے جہاں پر ان کو باندھا گیا تھا نبی علیہ السلام تشریف لائے آپ نے دیکھا کہ قیدی ہے اور اس کو میرے صحابی پکڑ کے لائے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس کا انٹرویو لیا کہ یہ کیا چاہتا ہے آپ ایک کاروائی کے طور پر اس سے پوچھ رہے تھے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی عطا سے اس کے دل کی دنیا کو جانتے ہیں کہ یہ جو باندھا ہوا ہے اس کے اندر کیا ہے اور اس کے باہر کیا ہے۔

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا

مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ

اے ثمامہ یہ تو بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

اس وقت تم قیدی ہو اور ہو سکتا ہے تمہارا یہ خیال ہو کہ چند منٹوں کے بعد ہم تلوار چلائیں گے اور تمہارا سر اتر جائے گا۔ ہو سکتا ہے تمہارے دل میں یہ خیال ہو کہ ہم تجھے چھوڑ دیں گے۔ تم بتاؤ تم کیا چاہتے ہو اور تمہارے کیا خیالات ہیں؟

ثمامہ ایک قوم کا سردار تھا اُس نے بڑے مطمئن طریقے سے جواب دیا۔

کہنے لگا۔

عِنْدِیْ خَیْرٌ یَا مُحَمَّدُ

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس خیر ہے۔ میرے پاس شر نہیں ہے۔

اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ

اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک معمولی آدمی کو نہیں بلکہ ایک چودھری کو قتل کرو گے۔

میں عام انسان نہیں ہوں میں خون والا ہوں۔ میرا قتل بھی ایک عظیم قتل ہوگا۔

اگر آپ مجھے قتل کریں تو ایک بڑے آدمی کو قتل کریں گے۔

وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ

اور اگر تم مجھ پر انعام کر کے چھوڑ دو گے تو تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے کسی کمینے کو چھوڑا ہے۔ پھر بھی ایک شاکر کو چھوڑ دو گے۔

میں ساری زندگی اپنی قوم میں جا کر بھی تمہارا احسان مانوں گا۔ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی تمہارا احسان مانوں گا کہ مسلمانوں نے مجھے پکڑا تھا اور ان کے پیغمبر نے مجھ پر شفقت کرتے ہوئے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ میں شاکر بن کے رہوں گا اور یہ ان کا ایک لیڈر شپ کا انداز ہے اس کو واضح کر دیا کہ میں کوئی بھیک نہیں مانگتا کہ ضرور تم مجھے چھوڑ دو۔ میں قیدی ہوں تمہاری مرضی ہے۔ مجھے قتل کرو گے تو خون والے کو قتل کرو گے اور اگر مجھے چھوڑ دو گے تو ایک شاکر کو چھوڑ دو گے۔

وَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ

اگر تم چاہتے ہو کہ میں مال پیش کروں اور میں فدیہ دوں

فَسَلْ مِنْهُ مَاشِئْتَ

جو چاہو تم مانگو میں وہ پیش کر دوں گا۔

یعنی میں اپنی قوم کو پیغام بھیجوں گا وہ مال اور خزانے لے کے آ جائیں گے۔

اگر تم مجھے مال کے بدلے میں چھوڑنا چاہتے ہو تو اس کے بدلے میں چھوڑ دو۔

یہ تین احتمال ثمامہ نے پیش کر دیئے کہ قتل کرنا چاہتے تو میں تیار ہوں قتل کر دو، اگر ویسے چھوڑنا چاہتے ہو تو میں پھر بھی شاکر رہوں گا اور اگر پیسے لے کے مجھے چھوڑنا چاہتے ہو تو میں پھر بھی رضامند ہوں میں مال پیش کر دوں گا۔

انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ وہ دربار ہے جہاں کوئی پہنچے تو اپنے آپ کو چھڑاتا نہیں ہمیشہ زلفوں کا اسیر بن جاتا ہے۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معاملہ کل تک چھوڑتے ہیں۔ دوبارہ پھر کل بات ہوگی۔

دوسرے دن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پھر اس قیدی سے انٹرویو لیا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ "تمہارے پاس کیا ہے اے ثمامہ" اُس نے جواب میں وہی کہا۔ "اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ" اگر آپ قتل کریں گے تو ایک بڑے آدمی کو قتل کریں گے، اگر چھوڑیں گے تو شاکر کو چھوڑیں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو میں مال پیش کرنے کیلئے تیار ہوں فدیہ کے عوض میں آپ مجھے چھوڑ دیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا کہ کل دوبارہ بات ہوگی۔

تیسرے دن پھر عدالت لگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ سے وہی سوال کیا۔

مَاعِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ ؟

اب ثمامہ بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟

ثمامہ نے وہی بات کی جو پہلے دن کی تھی۔ وہی بات دہرادی اور رسول اکرم ﷺ نے تیسرے دن فیصلہ فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔

اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ

ثمامہ کی رسیاں کھول دو اور اس کو رہا کردو۔

اب صحابہ کرام کو تعجب تھا اور ثمامہ کو بھی تعجب تھا کہ مجھے کچھ کہا نہیں گیا کہ یہ شرط تم نے پوری کرنی ہے پھر تمہیں چھوڑتے ہیں۔ کس شرط پر مجھے چھوڑا جارہا ہے۔

سیدعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان پر صحابہ کرام نے رسیاں کھول دیں۔

فَانْطَلَقَ

حضرت ثمامہ مسجد سے باہر نکل گئے۔

اِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنْ الْمَسْجِدِ

مسجد کے قریب جو کھجوروں کا باغ تھا وہاں پر وہ چلے گئے۔

فَاغْتَسَلَ

انہوں نے جا کر غسل کیا، غسل کر کے اور وضو کر کے پھر مسجد میں آ گئے۔

اب یہ قیدی جس کی رسیاں تو کھول دی گئی تھیں مگر اس کو ایک ایسی زلف کی اسیری کا شرف حاصل ہونے والا تھا کہ جہاں گرفتار ہو جانا ہر شخص کو اچھا لگتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد نبوی شریف میں تشریف فرما ہیں۔

ثمامہ مسجد میں داخل ہوئے تو مسجد کے گیٹ سے داخل ہوتے وقت ہی یہ نعرہ لگا دیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اب جس وقت ان کے دل میں ایمان داخل ہو گیا تو انہوں نے خود اپنے دل کی کیفیات کو صحابہ کرام کے سامنے بیان کیا کہ جب میں یہاں آیا تھا تو اس وقت میری صورتحال کیا تھی اور آج میرے دل کے جذبات کیا ہیں۔

کہنے لگے۔

یَا مُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰهُ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَاکَانَ عَلَی الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ وَجْهِكَ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے خدا کی قسم ہے۔

ایک وقت وہ تھا کہ پوری زمین پر سب سے ناپسندیدہ چہرہ میرے نزدیک آپکا تھا میرے سینے میں کسی سے اتنا بغض نہیں تھا جتنا آپ کے بارے میں بغض تھا۔

وہ زمانہ بھی میں نے دیکھا ہے۔

فَقَدْ اَصْبَحَ وَجْهُكَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ اِلَیَّ۔

آج یہ گھڑی بھی میرے سامنے ہے کہ اس وقت پوری کائنات پر کوئی بندہ مجھے اتنا پیارا نہیں لگتا جتنے آپ مجھے پیارے لگتے ہیں۔

یعنی یہ نورِ ایمان کی جلوہ گری تھی کہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ میرے بیٹے میرا باپ میرے رشتہ دار اور کائنات کے سارے انسان جتنے بھی مجھے عزیز لگتے تھے اب وہ سارے پیچھے رہ گئے ہیں اور آپ کا مرتبہ میرے نزدیک سب سے

بڑھ گیا ہے اور تمہاری شخصیت سب سے بڑی محبوب شخصیت بن گئی ہے۔

پھر فرمانے لگے۔

وَاللّٰہِ مَاکَانَ مِنْ دِیْنٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ دِیْنِکَ

جب میں یہاں پر آیا تھا تو اس وقت دنیا کے سارے دینوں میں سے تمہارا دین میرے لئے سب سے زیادہ ناپسندیدہ دین تھا۔

میں اس کو بالکل کسی طرح بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس دین کا کوئی شعبہ، کوئی مسئلہ اور اسکی تعلیمات کا کوئی حصہ میرے نزدیک مرغوب نہیں تھا۔ مجھے اُس میں رغبت نہیں تھی۔

لیکن اب صورتحال یہ ہے۔

فَاَصْبَحَ دِیْنُکَ اَحَبَّ الدِّیْنِ اِلَیَّ

اب آپ کا دین میرے نزدیک سب دینوں پہ غالب آچکا ہے اور تمہارا دین میرے نزدیک تمام ادیان میں سے محبوب ترین دین ہو گیا ہے۔

ہمارے آباؤ اجداد والدین اور تمام ہمارے سلسلے جو پہلے تھے میں نے تمام سے توبہ کی ہے اور اس وقت میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ اتنا حسن دنیا کے کسی نظام اور نظریے میں نہیں ہے جتنا حسن اور جتنی خوبصورتی ربّ ذوالجلال نے تمہارے دین کو عطا فرمائی ہے۔

اس کے ساتھ تیسرے نمبر پر کہنے لگے۔

وَاللّٰہِ مَاکَانَ مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ بَلَدِکَ

ایک وقت وہ تھا کہ جب مدینہ شریف کا نام سنتا تھا تو مجھے اچھا نہیں لگتا تھا۔

ساری دنیا کے شہروں میں مجھے سب سے ناپسندیدہ لگتا تھا۔

وہ آپ کا شہر کہ جہاں میں قید ہوا اور جہاں مجھے رکھا گیا۔ اس کو میں اپنی پوری تاریخ میں جب سے میں بالغ ہوا تھا اور تم نے اعلان نبوت کیا تھا میں تمہارے بارے میں سنتا تھا تو مجھے تمہارا شہر بھی اچھا نہیں لگتا تھا اور میں اس کو ناپسند کرتا تھا۔ لیکن آج کتنا بڑا انقلاب آیا ہے۔

وَقَدْ اَصْبَحَ بَلَدُكَ اَحَبَّ الْبِلَادِ اِلَیَّ

اب تمہارا شہر میرے نزدیک سارے شہروں میں سے پسندیدہ شہر ہے۔

یہ ایمان کا انقلاب تھا اور یہ اجالے تھے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جو محبوب بن جائے اس کا دیس بھی محبوب ہوتا ہے، اس کا دین بھی محبوب ہوتا ہے، اس کا نظریہ بھی محبوب ہوتا ہے اور اُس کا طریقہ بھی محبوب ہوتا ہے۔ لہٰذا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آج بھی کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہے تو اُس کیلئے بھی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات محبوب ترین ذات ہوگی، آپ کا دین محبوب ترین دین ہوگا، آپ کی سنت محبوب ترین سنت ہوگی اور آپ کا اسوہ حسنہ محبوب ترین طریقہ ہوگا۔

اُس کے نزدیک دنیا کے کسی دوسرے انسان کا کوئی طریقہ، کوئی فیشن، کوئی راہ و رسم اور کوئی چال چلن ایسا نہیں ہوسکتا اور ساتھ ہی جس دیس میں محبوب علیہ السلام بستے ہیں اس دیس کے ساتھ محبت بھی ایمان کا تقاضا ہے کہ جس کو حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان فرما دیا۔ اب جس وقت یہ قیدی ہوئے تھے تو جو جاہلیت میں ان کے نزدیک عمرے کا طریقہ تھا اسکے مطابق عمرہ کو جا رہے تھے اور یہ قیدی ہو گئے۔

کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب تمہارے طریقے کے مطابق عمرہ کروں گا اور میں عمرہ کر کے اپنی قوم کے پاس جاؤں گا۔ جس وقت ثمامہ مکہ شریف پہنچے تو آپ کی گرفتاری کی خبر مکہ شریف تک پہنچی ہوئی تھی اور وہ جانتے تھے کہ ثمامہ ایک لیڈر تھا ہماری آل پارٹیز کا رکن تھا اُسے مسلمانوں نے قید کر لیا ہے۔

جس وقت ثمامہ مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے ثمامہ سے کہا کہ تم نے کیا کیا۔

صَبَوْتَ

تم نے تو دین بدل لیا، دین کو نہیں بدلا جاتا اور باپ دادا کا دین تم چھوڑ گئے ہو تم صابی بن گئے ہو تو ثمامہ کہنے لگے۔

وَاللّٰهِ لٰكِنْ اَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مجھے یہ نہ کہو کہ میں نے دین بدلا ہے بلکہ مجھے یہ کہو کہ میں نے اصل دین حاصل کیا ہے۔

میں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملکر اسلام کو قبول کیا ہے۔ چونکہ یہ یمامہ سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ شریف کے یمامہ سے روابط تھے اور ان کے اسلام لانے کی وجہ سے مکہ شریف کی معیشت پہ اثرات پڑنے تھے اس لیے حضرت ثمامہ نے مکہ والوں سے کہہ دیا۔

وَاللّٰهِ لَا يَأْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (صحیح البخاری: ح: ۴۳۷۲/ صحیح المسلم کتاب الجہاد، باب ربط الاسیر: ح: ۱۷۶۴)

خدا کی قسم آج کے بعد یمامہ سے گندم کا ایک دانا بھی اُس وقت تک تمہیں نہیں دوں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت نہیں فرمائیں گے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بعد یمامہ سے تمہیں کوئی دانہ مل سکتا ہے ورنہ تمہیں ایک دانہ بھی یمامہ سے میسر نہیں آسکتا۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کا چمکتا دل

اسی طرح کا انداز حضرت مازن رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیہقی کی دلائل النبوۃ جلد نمبر 2 اور صفحہ نمبر 36 باب سبب اسلام مازن الطائی پر پورا واقعہ بڑی تفصیل سے موجود ہے۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ عمان کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

عمان کے علاقہ میں ایک بستی سمائل تھی اُس سے ان کا تعلق تھا وہ بڑے کٹر مشرک اور بت پرست تھے۔ ایک خصوصی بت انہوں نے اپنے گھر رکھا ہوا تھا اور اسکی عبادت کیا کرتے تھے اسکی ہر وقت نگرانی بھی کرتے تھے۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک دن میں نے بت کے سامنے قربانی پیش کی۔ ایک جانور بت کے نام پر ذبح کیا تو بت سے آواز آئی۔ حالانکہ وہ بے جان تھا۔ لیکن اُس سے آواز آئی وہ بت کہنے لگا۔

يَامَازِنُ اَقْبِلْ اِلَیَّ اَقْبِلْ تَسْمَعُ مَالَا يُجْهَلُ هٰذَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ جَاءَ بِحَقٍّ مُنَزَّلٍ فَاٰمِنْ بِهٖ كَیْ تَعْدِلَ عَنْ حَرِّ نَارٍ تَشْعَلُ

اے مازن میری بات غور سے سنو اور وہ بات سنو جو سن کے بھلانے والی نہیں ہے۔ یاد رکھنے والی ہے۔

هٰذَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ جَاءَ بِحَقٍّ مُنَزَّلٍ فَاٰمِنْ بِهٖ كَیْ تَعْدِلَ عَنْ حَرِّ نَارٍ تَشْعَلُ

وقودها بالجندل

یہ نبی ہیں۔ یہ رسول ہیں جو حق لے کے آ گئے ہیں۔ جو نازل کیا گیا ہے تم اس نبی

پہ ایمان لے آؤ تا کہ تم اس آگ سے بچ جاؤ جس کا ایندھن پتھر کیساتھ شعلے مارتا ہے۔

یعنی عمان کا بت بولتا ہے اور مکہ شریف کی خبر دیتا ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں ہیں۔ عمان میں اس بت نے اپنے پجاری کو کہا "هٰذَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ" ایک نبی اور رسول مبعوث ہو چکے ہیں اور جس نے بھی جہنم کی آگ سے بچنا ہو، اسے ان کا کلمہ پڑھ لینا چاہیے۔ اُن کے معبود کی عبادت کرنی چاہیے۔

اب بت ہو کے اس نے جس وقت یہ پیغام دیا تو مازن کہتے ہیں میں حیران ہو گیا کہ بت بولتا نہیں تھا، آج بولتا ہے اور اپنے خلاف ہی بول رہا ہے۔ کہ مجھے چھوڑ کر اللہ کو مانو مازن کہتے ہیں میں متحیر تو ہوا لیکن میں نے زیادہ توجہ نہیں کی۔

ایک دن پھر جب میں نے اس کے نام پر قربانی کی تو اس بت نے پھر آواز دی جو پہلے سے واضح تھی اور کہنے لگا۔

یَامَازِنُ اِسْمَعْ تُسَرُّ

اے مازن سن تا کہ تجھے سرور ملے۔

ظَهَرَ خَیْرٌ وَبَطَنَ شَرٌّ

شر چھپ گیا ہے اور خیر ظاہر ہو چکی ہے۔

بُعِثَ نَبِیٌّ مِنْ مُضَرَ

مضر قبیلے سے ایک نبی ظاہر ہو چکے ہیں۔

بِدِیْنِ اللّٰهِ الْكُبَرِ

اللہ کے بڑے دین کو لیکر وہ ظاہر ہو چکے ہیں اور اگر تم چاہتے ہو کہ تم نجات پاؤ تو جاؤ اس پیغمبر کا کلمہ پڑھ لو۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دوسری بار یہ بات جس وقت سنی تو میں نے کہا "اِنَّ ھٰذَا وَاللّٰہِ لَعَجَبٌ" یہ عجیب بات ہے کہ ایک بے جان چیز بولتی ہے اور اس انداز سے اسکا پیغام ہے۔

اتنے میں حجاز سے ایک وفد عمان پہنچا تو میں نے اُن سے پوچھا تمہاری خبر کیا ہے کیا حجاز میں کوئی تبدیلی آگئی ہے؟ مکہ شریف میں کوئی نیا دور آگیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے کہا:

خَرَجَ رَجُلٌ بتھامۃ یَقُوْلُ لِمَنْ اَتَاہُ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ

تھامہ سے ایک شخص ظاہر ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں لوگو خدا کو مانو اور ایک اللہ کو مانو اس کے سوا کسی کو نہ مانو۔

یُقَالُ لَہٗ اَحْمَدُ

ان کا نام احمد ہے۔

وہ لوگوں کو رب ذوالجلال کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ حضرت مازن کہتے ہیں مجھے جس وقت یہ پتہ چلا کہ واقعی کوئی ایسی بات ہے تو اب مجھے اس بت کی بات پہ یقین آگیا کہ جو وہ مجھے کہہ رہا تھا۔ "ھٰذَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ" کہ نبی مرسل کا ظہور ہو چکا ہے اور جاؤ تم ان کا کلمہ پڑھو۔

لہٰذا مازن کہتے ہیں میں نے ارادہ کر لیا اور سب سے پہلے میں کلہاڑا لے کے بت کے پاس پہنچا کیونکہ خود بت نے دعوت دی تھی۔

کَسَرْتُہٗ اَجْذَاذًا

میں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

اُس کے بعد میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو گیا۔ چلتا چلتا میں مکہ شریف پہنچا جس وقت

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ پُر نور کی مجھے زیارت نصیب ہوئی میں نے بغیر کسی معجزہ کے تقاضا کے اُس بت کی دعوت پر اور جو اس نے مجھے تعارف کروایا تھا۔ میں نے محبوب علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا۔

اب دیکھو ان کے پیغام کو کون روک سکے گا۔ ان کی دعوت کو کون جام کر سکے گا کہ بُت بت ہو کے بھی دعوت دے رہے ہیں کہ ہمیں ٹکڑے کرو اور چھوڑ دو۔ ہم کچھ نہیں ہیں۔ جانا ہے تو وہاں جاؤ۔ اُن کے معبود کو مانو اور ان کی دعوت کو مان لو۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صرف مشرک ہی نہیں تھا بلکہ میں بڑا ہی بگڑا ہوا آدمی ہوں۔ میرا کردار بالکل درست نہیں ہے۔

اِنِّی اِمْرُؤٌ مُوْلَعٌ بِالطَّرْبِ وَشُرْبِ الْخَمْرِ

شراب کا میں بڑا عادی ہوں، شراب کے بغیر میرا گذارا نہیں ہوتا۔

وَالْهُلُوْكُ مِنَ النِّسَآءِ

میں عورتوں کا دیوانہ ہوں۔

وَ الْحَتْ عَلَيْنَا السِّنُوْنَ فَاَذْهَبْنَ الْاَمْوَالَ وَاَهْزَلْنَ الذَّرَارِيَّ وَالرِّجَالَ وَلَيْسَ لِيْ وَلَدٌ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّذْهَبَ عَنِّيْ مَا اَجِدُ وَيَاْتِيْنِيْ بِالْحَيَاءِ وَيَهَبَ لِيْ وَلَدًا

ہمارے پاس قحط سالی نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں ہمارا مال و دولت فنا کر دیا ہے اور ہمارے چھوٹوں بڑوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے اللہ تعالیٰ میری موجودہ حالت بدل دے مجھے حیا سے مالا مال کرے اور مجھے بیٹا عطا کرے۔

ایک تو میرا کردار صحیح ہو جائے۔ میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ چہرے میں تبدیلی آجائے

اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی اولاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا کردے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمادی اور اس انداز میں دعا کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ کے دربار میں یہ لفظ بولے۔

اَللّٰھُمَّ اَبْدِلْہُ بِالطَّرْبِ قِرَاءَۃَ الْقُرْآنِ

اے اللہ حضرت مازن رضی اللہ عنہ کو گانے بجانے کی جگہ تلاوت قرآن کا شرف عطا فرما۔

جہاں یہ پہلے شراب کی محفلیں سجاتا ہے، کنجریوں سے گانے سنتا ہے، اسی میں مصروف رہتا ہے اور عورتوں کے دھندے میں لگا رہتا ہے۔ اس کو اے اللہ تلاوت قرآن کا ذوق دے۔

وَبِالْحَرَامِ الْحَلَالَ

اے حرام کی جگہ حلال عطا فرما۔

وَآتِہٖ بِالْحَیَاءِ وَھَبْ لَہُ وَلَدًا صَالِحًا

اس کو حیا عطا فرمادے اور اسکو نیک بیٹا عطا فرمادے۔

سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی ہے اور مازن اس سلسلے میں بڑے سمجھدار ثابت ہوئے ہیں کہ پہلی ملاقات تھی، کلمہ بھی پڑھا ہے، اپنا سب کچھ ظاہر بھی کردیا ہے اور اپنا مکمل علاج بھی کروالیا ہے اور دعا بھی کروالی ہے۔

وہ خود اس بات پر گواہی دیتے ہیں کہ جس وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعا کی ہے۔

فَاَذْھَبَ اللّٰہُ عَنِّی کُلَّمَا کُنْتُ اَجِدُ

کئی سالوں سے جو میری پکی عادتیں تھیں اور میں کبھی ان سے اپنے آپ کو چھڑا

نہیں سکتا تھا میرے نبی علیہ السلام کا ایک جملہ بولنے کی دیر تھی وہ ساری گندی عادتیں مجھ سے دور ہو گئیں۔ کہتے ہیں

فَأَخْصَبَتْ عُمَانُ وَ تَزَوَّجْتُ أَرْبَعَ حَرَائِرَ وَوَهَبَ اللّٰهُ لِيْ حَيَّانَ بْنَ مَازِن

عمان خوشحال ہو گیا میں نے چار آزاد خواتین سے شادی کی اللہ تعالیٰ نے حیان بن مازن بیٹا عطا کیا۔

ایک بھیڑیے کی دعوت پر یہودی کا قبول اسلام

انقلابات اور حسین انقلابات میں یہ بڑی قابل غور باتیں ہیں۔

جس وقت سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوگ آئے۔ کہیں تو پتھروں کی دعوت پر اور کہیں جانوروں کی دعوت پر، کہیں بھیڑیے تبلیغ کر رہے ہیں۔ اُن کی وجہ سے لوگ نور ایمان میں داخل ہو رہے ہیں۔

کہیں کوئی انداز ہے، کہیں کوئی انداز ہے۔

مشکوۃ شریف میں یہ حدیث شریف موجود ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

ایک بھیڑیا بکریوں کے پاس پہنچا۔ اُن بکریوں کا چرواہا بھی وہاں موجود تھا لیکن بھیڑیے نے کوئی پرواہ نہ کی۔ وہاں سے بکری اُٹھائی اور اُس نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اُس کے پیچھے چرواہا دوڑا اور چرواہے نے بھیڑیے سے اپنی بکری چھین لی۔ بھیڑیا پہاڑی پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ کے باتیں کرنا شروع کر دیں اور چرواہے کے ساتھ جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگا۔

قَدْ عَمَدْتُ اِلٰی رِزْقٍ رَزَقَنِیْهِ اللّٰهُ

اللہ نے مجھے رزق دیا تھا اور میں نے رزق لیا تھا۔ اے چرواہے تجھے شرم نہیں آئی تو نے مجھ سے وہ چھین لیا۔

اَخَذْتَهٗ ثُمَّ انْتَزَعْتَهٗ مِنِّیْ

تو نے مجھ سے وہ رزق چھین لیا ہے۔ کتنا تو ظالم چرواہا ہے کہ میرے پاس رب کا رزق آیا تھا اور وہ رزق تو نے واپس لے لیا ہے۔

جس وقت چرواہے نے یہ باتیں سنیں کہ بھیڑیا بولتا ہے، جھگڑا کر رہا ہے اور با قاعدہ موضوع پہ جھگڑا کرتا ہے۔ اس نے جو بکری اٹھائی تھی اسی کے سلسلے میں دلائل دے رہا ہے کہ یہ میرا حق تھا تم نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ جس وقت چرواہے نے بھیڑیے کی یہ گفتگو سنی تو چرواہے کو بڑا تعجب ہوا کہنے لگا۔

اِنْ رَاَیْتُ کَالْیَوْمِ ذِئْبًا یَتَکَلَّمُ

آج تک میں نے کسی بھیڑیے کو بولتے نہیں دیکھا تھا اور تم عجیب ہو چوری بھی کرتے ہو اور پھر باتیں بھی کرتے ہو۔

دیکھو یہ چور کیسا مکار ہے چوری بھی کرتا ہے اور باتیں بھی کرتا ہے۔

خدا کی قسم آج تک میں نے بھیڑیے کو بولتا نہیں دیکھا۔ یہ کیسا بھیڑیا ہے جو مجھ سے جھگڑا کر رہا ہے، تقریر کر رہا ہے۔

جب اس شخص نے یہ کہا کہ مجھے بڑا تعجب ہے، میں بڑا حیران ہوں، بھیڑیا پھر بول پڑا اور کہنے لگا۔

او مجھ پہ تعجب کرنے والے!

أَعْجَبُ مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ فِي النَّخَلَاتِ بَيْنَ الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰى وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ

اے میری باتوں پہ تعجب کرنے والے یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان کھجوروں کے نیچے، دو وادیوں کے درمیان ایک ایسی ذات بیٹھی ہے جو ما کان کی بھی خبر دیتی ہے۔ ما یکون کی خبر بھی دیتی ہے۔

بھیڑیا کہہ رہا تھا وہ بھیڑیا چار ٹانگوں والا کیسا عجیب تھا۔ وہ پیغام دے رہا تھا او میری بات پہ تعجب کرنے والے یہودی مجھ پہ تعجب نہ کر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ

ایک محبوب ان کھجوروں کے نیچے بیٹھا ہے اس مقدس دہلیز اور دھرتی کے اندر دونوں وادیوں کے درمیان بیٹھا ہے۔ بڑی سادہ سی محفل ہے لیکن وہاں نور برستا ہے، عرفان کے غنچے چٹکتے ہیں، وہاں پر معرفت کی بارش ہوتی ہے، وہاں سے کفر دور بھاگتا ہے اور انوار کی دنیا جاگتی ہے۔ اے مجھ پہ تعجب کرنے والے!

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ اتنے عظیم انسان ہیں کہ جو کچھ آج تک ہوا اس کی بھی خبر دیتے ہیں اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اسکی بھی خبر دیتے ہیں وہ بھیڑیا کہہ رہا تھا کہ وہ ایسے عظیم رسول ہیں۔

ہم سے آج لوگ پوچھتے ہیں کہ ما کان اور ما یکون پر کیا دلیل ہے میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل اتنی واضح ہے کہ بھیڑیے بھی جانتے تھے۔ اُن کو بھی اس کی خبر تھی۔ وہ بھی اس تحریک کا علمبردار بنا ہوا تھا اور اعلان کر رہا تھا۔

اے یہودی تجھ پہ افسوس ہے کہ اتنا علم والا شخص وہاں تشریف فرما ہے اور تجھے اس کی خبر ہی نہیں۔

مواہب اور دوسری حدیث کی کتابوں میں اس سے کچھ اضافہ ہوا ہے۔

اُس بھیڑیے نے کہا۔

أَنْتَ أَعْجَبُ مِنِّي

اے مجھ پہ تعجب کرنے والے میں تجھ پہ تعجب کر رہا ہوں۔ تجھے مجھ پہ تعجب ہے کہ میں باتیں کرتا ہوں۔ ارے مجھے تجھ پہ تعجب ہے کہ تیرے پاس عقل بھی ہے شعور بھی ہے آج تک تو اُس کی دہلیز پہ کیوں نہیں پہنچا۔ آج تک تجھے یہ شرف کیوں حاصل نہیں ہوا۔

وَاقِفًا عَلٰى غَنَمِكَ

تو اپنی بکریوں پہ کھڑا ہے۔

وَتَرَكْتَ نَبِيًّا لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ قَطُّ أَعْظَمَ مِنْهُ عِنْدَهٗ قَدْرًا

تم نے وہ عظمت والا رسول چھوڑا ہے جس سے بڑا رسول اللہ نے کوئی پیدا ہی نہیں فرمایا۔

تو بکریاں چرا رہا ہے ارے غافل، مجھے تجھ پر افسوس ہے۔ تو میرے بولنے پہ تعجب کرتا ہے میں تجھ پہ تعجب کر رہا ہوں کہ تو بکریاں چرا رہا ہے اور تجھے اس رسول علیہ السلام کی آج تک زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ نے رسولوں کی صف میں اُن جیسا کوئی عظیم پیدا ہی نہیں کیا۔

جب بھیڑیے نے یہ بات کی تو اس کی زبان میں بڑا سوز تھا، اُس کے حرف میں بڑی تاثیر تھی، اُس کے جملوں میں بڑا اثر تھا۔ یہودی کے دل میں وہ جملے سرایت کر گئے فوراً تیار ہو گیا۔

ارے بھیڑیے!

ابھی جاتا ہوں مگر مشکل یہ ہے کہ میں بکریوں کا محافظ ہوں۔

اگر میں جاتا ہوں تو بکریوں کا محافظ کون ہوگا۔

آپ بھی ادھر گشت فرمارہے ہیں پہلے بھی آپ نے ایک بکری اٹھائی تھی۔

آپ مجھے مشورہ دے رہے ہیں میں تمہاری بات کو مانتا ہوں۔ میں ابھی جاتا ہوں۔

زیارت کرتا ہوں دل روشن ہوگا، آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، دماغ تازہ ہوگا، روح کو سرور ملے گا، کفر کا اندھیرا دور ہوگا، ایمان کا نور ملے، جہنم دور ہوگی، جنت قریب ہوگی، مگر بتا تو سہی بکریوں کا حال کیا ہوگا۔

جب وہ چرواہا یہ کہہ رہا تھا تو بھیڑیے نے کہا کہ میں اس تحریک کا ایک رکن ہوں یہ ٹھیک ہے کہ پہلے میں نے بکریاں اٹھالی تھی لیکن اگر تو میرے کہنے پہ وہاں جائے گا تو تیری بکریوں کی نگرانی میں کروں گا۔

اَنَا اَرْعَاهَا

میں تجھے بھیجتا ہوں فارغ کرتا ہوں، تجھے تبلیغ کیلئے نور کی طرف اپنے خرچہ پہ بھیجتا ہوں، میں تیرا نوکر، میں تیرا خادم، تیری بکریوں کو میں چراتا رہوں گا، کھاؤں گا نہیں، چراؤں گا، میں تیری بکریوں کی حفاظت کروں گا تم جاؤ، جا کے دیکھ کے تو آؤ۔

وہ یہودی مان گیا کیونکہ معتقد ہو چکا تھا۔ اُس کا خطاب بڑا موثر تھا۔ اس نے جو خبر دی ہے وہ یقیناً سچی ہے اب یہ اپنا عہد بھی پورا کر کے دکھائے گا۔

وہ یہودی سرکار کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک سورج جیسا چہرہ چمک رہا ہے۔ کرنوں کی بارش ہو رہی ہے اور وہاں پر بلبلیں چہک رہی ہیں۔ پھول بڑا سہانا ہے جس کے گرد کوئی کانٹا نہیں اور شمع بڑی چمکدار ہے جس کا کوئی دھواں نہیں۔

وہاں جا کر یہودی جب سرکار کے چہرے کو دیکھتا ہے تو سرکار سے عرض کرتا ہے۔

میں یہودی تھا، بکریاں چراتا تھا، مجھ کو بھیڑیا ملا اُس نے آپ کا پیغام دیا اور یہ کہا کہ تم ما کان کو بھی جانتے ہو اور ما یکون کو بھی جانتے ہو۔ اے محبوب علیہ السلام میں آپ کا دیوانہ ہوں مجھ کو کلمہ پڑھا دو۔

فَصَدَّقَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جتنی باتیں اس شخص نے کی سب کی سرکار نے تصدیق فرما دی۔

وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

سرکار نے اس بات کی تصدیق کی کہ بھیڑیے نے جو میرے بارے میں خبریں دی ہے ہیں اُن میں سے کوئی جھوٹی نہیں ہے۔ اُس نے مجھے کہا کہ میں ''ما کان'' جانتا ہوں تو سچ کہا ہے۔ ''ما یکون'' جانتا ہوں تو سچ کہا ہے۔

اے یہودی وہ سچ کہہ رہا تھا یہ وہ شخص ہے جو زندگی بھر پہلے کبھی نہیں آیا تھا اور اب کہتا ہے۔

تم مل گئے تو دولت کونین مل گئی
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

محبوب میں بکریوں کا کیا کروں گا۔ اس غلامی کو تو میں ترستا ہوں۔ مجھے خبر نہ تھی کہ جنت یہاں تقسیم ہو رہی ہے۔

سرکار نے فرمایا:

عُدْ اِلٰى غَنَمِكَ تَجِدْهَا بِوَفْرِهَا (اَلْاَنْوَارُ الْمُحَمَّدِيَّةُ مِنَ الْمَوَاهِبِ اللَّدُنِّيَّه: ۲۸۲)

میرے صحابی پہلے تو یہودی تھا۔ اب صحابی ہے۔ جاؤ اپنی بکریوں کی طرف، بکریاں تم کو پہلے سے بھی زیادہ ملیں گی۔

واپس پہنچا تو دیکھا کہ واقعی وہ بھیڑیا اچھا دیانتدار محافظ تھا۔ سرکار نے جو نظام بخشا سرکار نے جو دین دیا۔ سرکار نے جو پیغام دیا، اُس نے چوروں کو محافظ بنا دیا، وہ بھیڑیا نگران بن گیا اور اُس نے اسکی بکریوں کی پوری طرح حفاظت کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس صحابی کو بتایا کہ جب قیامت قریب آئے گی تو اس وقت کے حالات ایسے ہو جائیں گے۔

اَوْشَكَ الرَّجُلُ اَنْ يَخْرُجَ فَلَا يَرْجِعُ حَتّٰى يُحَدِّثَهُ نَعْلَاهُ وَسَوْطُهُ بِمَا اَحْدَثَ اَهْلُهُ بَعْدَهُ۔ (مشکوٰۃ شریف:۵۴۱)

ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ ایک شخص اپنے گھر سے کام کیلئے نکلے گا جب واپس لوٹ کے گھر پہنچے گا۔ اپنے گھر جو چھڑی رکھ کے گیا تھا، اپنے گھر جو جوتے رکھ کے گیا تھا وہ جوتے اس کو بتائیں گے تیرے بعد تیرے گھر والوں نے یہ کام کیے ہیں۔

چھڑی بتائے گی اور جوتے بتائیں گے یعنی اس طرح کے احوال آجائیں گے۔

یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز آج سے صدیوں قبل کا ہے۔ جو آج کی ترقی اور ٹیکنالوجی کا عروج ہے ان روز افزوں ایجادات کی طرف بھی اشارہ تھا اور بالخصوص قرب قیامت میں پتھر بولیں گے۔ "يَا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَائِيْ فَاقْتُلْهُ" (بخاری شریف:۱/۵۰۷) مسلم آؤ یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اس کو قتل کردو۔

پتھر کو پتہ ہوگا کہ یہ یہودی ہے اس کو قتل کردو۔ ایسے ہی مسلمانوں کے گھر کی چیزیں بولنا شروع کردیں گی۔

تو یہاں جس وقت اس مضمون کے اندر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے مختلف انداز ہمارے سامنے ہیں۔ یہ سلسلہ صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان

تک محدود نہیں تھا۔ تابعین ہیں یا تبع تابعین ہیں۔ اس کے بعد مختلف لوگوں کے مختلف صدیوں کے حالات ہیں ایسی صورتحال یقیناً موجود رہی کہ ان کی ملاقاتیں اللہ کے ولیوں سے ہوتی رہیں۔ ان کی ملاقات صوفیا اور صدیقین سے ہوتی رہی اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی کرامات کی بنیاد پر، اور ان کے صدق اور اخلاق کی بنیاد پر ایسی چیزیں عطا فرما دیں اور ان سے جو چمک پیدا ہوئی تو وہ اتنی بڑی چمک تھی کہ

لَاتَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَانِیْ اَوْ رَاٰی مَنْ رَانِیْ (جامع ترمذی: ۲/۳۲۵)

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حالت ایمان میں مجھے دیکھ لیا اُس کو جہنم کی آگ چھو نہیں سکے گی اور پھر جس نے اُس کو حالت ایمان میں دیکھا ہے جہنم کی آگ اس کے بھی قریب نہیں آسکے گی۔

اس واسطے یہ جو حکمت کی روشنی ہے اور یہ جو اجالے ہیں یہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ پرنور کی خیرات ہے اور اس کا عکس جمیل ہے کہ جس نے بھی وہاں عادل مزاجی سے دیکھا ہے اگر چہ وہ کٹر مشرک تھا لیکن محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس نے ہٹ دھرمی سے نہیں دیکھا عدالت سے، انصاف سے دیکھا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو بھی نور ایمان سے منور فرما دیا ہے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نور نگر میں

آخر میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کا وہ لمحہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جب ان کو قریش نے سندیسہ دے کر بھیجا تھا کہ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پیغام دو اور واپس آجاؤ۔ ابو رافع کہتے ہیں۔

بَعَثَنِی قُرَیْشٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَأَیْتُہٗ اُلْقِیَ فِیْ قَلْبِی الْاِسْلَامُ (ابوداؤد شریف:۲/۲۳)

مجھے قریش نے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ جب میں نے اپنی آنکھوں سے پہلی بار اُن کا چہرہ دیکھا ہے میرا دل اسلام سے بھر دیا گیا ہے۔

سرکار کا چہرہ دیکھ رہے ہیں اور دل نورِ ایمان سے بھرتا جا رہا ہے۔

رخ جیسے آئینے میں مُصَوِّر سجا ہوا
ماتھے کی ہر لکیر پہ قرآن لکھا ہوا
آواز جیسے نغمہ فطرت چھڑا ہوا
آغوش جیسے ہو درِ کعبہ کھلا ہوا
کانپے جلال عرش مزاج حلیم سے
جنت کو رہ جائے قد مستقیم سے

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

باب نمبر
5

جنہیں دیکھ کے رب مسکرائے

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (سورۃ حج:٦٥)

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پر نور شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں، حامی بیکساں، احمد مجتبیٰ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر میں ہدیہ ودرود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکرودانش، نہایت ہی معزز و محتشم حضرات وخواتین اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراط مستقیم کے فہم دین کورس کے چوبیسویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

"جنہیں دیکھ کے رب مسکرائے"

میری دعا ہے خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو اس طبقہ میں شمار فرمائے کہ جنہیں دیکھ کے وہ مسکراتا ہے۔

آج کا موضوع یقیناً ہمارے دیگر تمام موضوعات کی طرح، یہ بھی ایک اچھوتا موضوع ہے۔ آپ کی جستجو ہوگی کہ وہ کون سے لوگ ہیں کہ جنہیں رب دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے۔ اس واسطے ہم نے حدیث شریف کے وسیع ذخیرہ سے ان لوگوں کا ایک خلاصہ تیار کیا ہے۔ چونکہ اپنی طرف سے تو کسی عام دربار کے لئے کوئی کسی کو پیش نہیں کرسکتا۔ اللہ کا دربار ہو اور ہم اپنی طرف سے کسی کو پیش کریں کہ انہیں دیکھ کر رب مسکرا

رہا ہے، ایسا معاملہ نہیں ہے بلکہ ہم نے اُس بارگاہ کا سہارا لیا کہ جنہیں اللہ کا دربار بھی نظر آتا ہے اور اللہ کے دربار میں لوگوں پر رحمتوں کی برسات بھی نظر آتی ہے۔

موضوع کے انتخاب کی وجہ

سب سے پہلے درس کا موضوع جو ہم نے منتخب کیا ہے۔ اُس کے لحاظ سے یہ بات قابل غور ہے کہ یہ ہمارے عقائد کا حصہ ہے کہ ہمارا رب مخلوق کی صفات سے پاک ہے (اور جو بظاہر مشترک ہیں مثلاً سننا دیکھنا ان میں بھی بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سننا اور طرح ہے بندے کا سننا اور طرح ہے)

مثال کے طور پر ہم کھاتے ہیں۔ مخلوق کی صفت کھانا پینا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے پاک ہے۔ ایسے ہی ہنسنا مسکرانا یہ بھی مخلوق کی صفات میں سے ہے۔ اس کے باوجود موضوع کا یہ ٹائٹل اور درس کا یہ عنوان ''جنہیں دیکھ کے رب مسکرائے'' اسکی وجہ کیا ہے۔

حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ ہنسنے کا عمل کوئی اتنا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

لَا تُكْثِرُوا الضِّحْكَ

زیادہ نہ ہنسا کرو۔

فَإِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ (مشکوۃ شریف: ۴۴۰)

اس واسطے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

ہنسنا ایک علیحدہ چیز ہے اور تبسم اس سے ہٹ کے ہے کہ جو صرف ایک انسان

کے ہونٹوں پر کھلکھلاہٹ ہوتی ہے اور اس میں آواز پیدا نہیں ہوتی۔

تبسم کے لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں یہ بات موجود ہے۔ کہ آپ تمام لوگوں میں سے زیادہ تبسم فرمانے والے تھے۔

ضحک اور چیز ہے، تبسم اور چیز ہے۔

یہاں پر ان دونوں کے فرق کے ساتھ ساتھ اللہ کے لئے چونکہ لفظ ضحک بمعنی تبسم استعمال کیا گیا ہے اور ہم وہی حدیثیں پیش کریں گے کہ جن میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے بارے میں استعمال ہوا ہو۔

اسکا لغوی معنی ہے ''رب ہنستا ہے'' لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ رب راضی ہوتا ہے۔ ویسے تو اس لفظ کے بولنے کی اجازت نہیں ہے لیکن حدیث شریف میں آجانے کی وجہ سے ہمارے لئے یہ لفظ بولنا جائز ہوا ہے۔

لیکن اُس کا مطلب ہم یہ لیں گے اور مفہوم یہ ذہن میں رکھیں گے کہ اس سے مراد وہ معنی ہے کہ جو ربّ ذوالجلال کے شایان شان ہو۔

رب تعالیٰ کے مسکرانے کا مطلب

''شرح طیبی'' کے اندر یہ کہا گیا ہے۔

الضِحْكُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی مَحْمُوْلٌ عَلٰی غَایَةِ الرِّضَا و الرَّافَةِ ۔

(شرح طیبی: ۳/ ۱۲۹)

جہاں حدیث شریف میں ربّ ذوالجلال کے بارے میں یہ لفظ آیا ہے، کہ اللہ ضحک فرماتا ہے، اللہ مسکراتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ضحک سے مراد غایت درجے کی رضا ہے۔

جس کے بارے میں یہ آئے گا کہ اللہ اسکو دیکھ کر مسکرا رہا ہے تو اسکا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ اسے بہت زیادہ پسند فرما رہا ہے۔ اللہ اس سے بڑا راضی ہے اور اللہ تعالیٰ اُس پہ بڑا مہربان ہے۔

امام سہیلی متوفی ۵۸۱ھ نے سیرت ابن ھشام کی شرح میں لکھا ہے۔

مَعْنٰی ضِحْكِ الرَّبِّ: وَيَضْحَكُ الرَّبُّ اَیْ يَرْضٰهُ غَايَةَ الرِّضٰی وَحَقِيْقَتُهٗ اَنَّهٗ رَضِیَ مَعَهٗ تَبْشِيْرٌ وَاِظْهَارُ كَرَامَةٍ وَ ذٰلِكَ اَنَّ الضِّحْكَ مُضَادٌّ لِّلْغَضَبِ وَقَدْ يَغْضِبُ السَّيِّدُ وَلٰكِنَّهٗ يَعْفُوْ وَيَبْقٰى الْعَتَبُ فَاِذَا رَضِیَ فَذٰلِكَ اَكْثَرُ مِنَ الْعَفْوِ، فَاِذَا ضَحِكَ فَذٰلِكَ غَايَةُ الرِّضٰی اِذْ قَدْ يَرْضٰی وَلَا يُظْهِرُ مَافِیْ نَفْسِهٖ مِنَ الرِّضٰی فَعَبَّرَ عَنِ الرِّضٰی وَ اِظْهَارُهٗ بِالضِّحْكِ فِیْ حَقِّ الرَّبِّ سُبْحَانَهٗ مَجَازًا وَبَلَاغَةً وَتَضْمِيْنًا لِهٰذِهِ الْمَعَانِیْ فِیْ لَفْظٍ وَجِيْزٍ وَلِذٰلِكَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِیْ طَلْحَةَ ابْنِ الْبَرَآءِ اَللّٰهُمَّ اَلْقِ طَلْحَةَ يَضْحَكُ اِلَيْكَ وَتَضْحَكُ اِلَيْهِ

(الروض الانف ۳/ ۴۸، دارالفکر)

اللہ کی مسکراہٹ کا معنی: جب یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کے بارے میں مسکراتا ہے مطلب ہو گا یعنی اس سے بہت زیادہ راضی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو دیکھ کے مسکراہٹ وہ رضا ہے جس کیساتھ بشارت بھی ہو اور اظہار شرف بھی ہو۔ یہ کسی کے ساتھ یوں راضی ہوتا ہے اس کیساتھ بشارت بھی دی جائے اور اس کی عزت کو بھی ظاہر کیا جائے تفصیل اسکی یہ ہے کہ مسکراہٹ غصہ کی ضد ہے کبھی کسی کا مالک غصہ میں آتا ہے پھر معاف کر دیتا ہے لیکن ناراضگی رکھتا ہے۔ جب وہ راضی ہوے یہ عفو پر کہیں اضافہ ہے اور پھر جب مسکرا پڑے تو یہ حد درجہ راضی ہو جاتا ہے

کیونکہ کبھی مالک راضی ہو جاتا ہے مگر جو اندرونی رضا کو ظاہر نہیں کرتا تو مسکراہٹ رضا کی ترجمانی کرتی ہے اور مسکراہٹ کیساتھ اظہار رضا اللہ تعالیٰ کے حق میں از روے مجاز از روے بلاغت اور ان معانی کو مختصر انداز میں بیان کرنے کے لحاظ سے ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت طلحہ بن برآء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا اے اللہ طلحہ کیساتھ یوں ملاقات کر وہ تجھے دیکھ کر مسکرائے اور تو اسے دیکھ کر مسکرائے۔

لہٰذا کوئی بندہ مسکرانے کا مطلب ذہن میں یہ نہ لے جیسے ہم مسکراتے ہیں۔

یوں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی تصور کرے، نہیں! چونکہ وہ رب اعضاء سے پاک ہے، انسانی عادات سے پاک ہے اور مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔ چونکہ حدیث شریف میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ہم نے اُس کو استعمال کیا ہے۔ اُسی محبت و چاہت کے پیش نظر جس کا اظہار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جملوں میں فرمایا ہے۔ مگر اس کی تاویل کا انداز اور مفہوم ذہن میں یہ رکھنا مراد ہے کہ وہ لوگ جن سے رب راضی ہے، جنہیں رب چاہتا ہے اور جن پر رب بہت زیادہ مہربان ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسکا ایک دوسرا اویو بھی پیش کیا ہے۔

کچھ لوگ جو اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ اُن کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا۔

لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

(سووۃ آل عمران: ۷۷)

اللہ تعالیٰ اُن سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اُن کی طرف دیکھے گا ہی نہیں۔

رب کی نگاہ سے تو کوئی چھپ نہیں سکتا تو پھر اسکا مطلب کیا ہے؟ نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو پیار سے نہیں دیکھے گا۔

وہاں پر جو دھتکارے ہوئے ہیں ان کی طرف اللہ تعالیٰ نگاہ کرم نہیں فرمائے گا اور پیار سے ان کو نہیں دیکھے گا۔

اسکے مقابلے میں جو اللہ کے برگزیدہ ہیں تو یقیناً ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ شعبہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑے پیار سے اور پسند کی نگاہ سے دیکھنے والا ہے۔

اس واسطے میں نے اس موضوع کے آغاز میں قرآن مجید سے سورۃ الحج کی آیت نمبر ۶۵ کا ایک حصہ تلاوت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔

یہ رؤف کے معنی کا ایک شعبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں پر اتنی مہربانی فرماتا ہے کہ اس مہربانی کو مسکرانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایثار والے پر رب کی مسکراہٹ

اس سلسلہ میں سب سے پہلا شعبہ کہ جنہیں دیکھ کے رب مسکرائے، یعنی رب راضی ہو جائے وہ شعبہ ان لوگوں کا ہے جو حد درجہ ایثار کرنے والے ہیں۔

"اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا" یہ ایثار ہے۔ خود کو حاجت ہو، حاجت کے باوجود دوسرے کو نوازنا یہ ایثار ہے اور اس میں ایک شخص جس کی کھانے پینے کی ساری

ضرورتیں پوری ہیں اس نے ایک فقیر کو ایک لاکھ دے دیا تو اس کے ایک لاکھ کا اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا اُس شخص کی ایک روٹی کا فائدہ ہوگا کہ جس کے پاس ایک ہی روٹی تھی اور جب کھانے لگا تو سائل آگیا اُس نے وہ روٹی اُٹھا کے سائل کو عطا کر دی۔ حاجت کے باوجود اُس نے وہ ایثار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ایثار کی بنیاد پر اُس بندے کو پسند کرتا ہے اور اُس کو اللہ تعالیٰ اپنی رضائے خصوصی کا ایک منبر عطا فرماتا ہے۔

اس سلسلہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا بڑا حسین منظر ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک مہمان آگیا۔ کہیں سے چلتا ہوا جب وہ دربار رسالت میں پہنچا تو اب اس نے رات بسر کرنا تھی، اُس کے کھانے کا اہتمام کرنا تھا۔ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر پیغام بھیجا تو ازواج مطہرات کی طرف سے جواب آیا۔

مَا مَعَنَا اِلَّا الْمَآءُ

ہمارے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پانی سے ضیافت ہو سکتی ہے۔

یہ دیکھو اختیاری فقر کہ پوری کائنات جن کی مٹھی میں ہے۔ انکے گھر میں کھجوریں بھی نہیں، جو بھی نہیں، کھانے کیلئے کچھ نہیں اور وہ کتنی عظیم خواتین ہیں کہ جو گھر میں اس انداز میں ہیں، پھر بھی رب سے شکایت نہیں کرتیں، اللہ تعالیٰ کے دربار میں شکر ادا کرتیں ہیں۔ اگرچہ ہمارے گھر میں کھجوریں نہیں ہیں مگر ہمارے گھر میں اللہ کا تازہ قرآن تو اترتا ہے۔

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جواب پہنچ گیا کہ گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے تو میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کے مجمع میں فرمایا۔

مَنْ يُضِيفُ هٰذَا ؟

اس کو کون مہمان بنائے گا؟

قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اَنَا

ایک انصاری نے کہا میں۔ لہٰذا یہ آج ہمارا مہمان ہے، میں اس کو اپنے گھر لے جاؤں گا۔

لہٰذا اُس نے اپنے گھر میں پتہ کروائے بغیر مہمان وصول کر لیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہے تو یہ ہمارا مہمان ہے۔ لہٰذا اُس کو لے کر وہ انصاری گھر چلے گئے۔ جب گھر پہنچے تو زوجہ نے بتایا۔

مَا عِنْدَنَا اِلَّا قُوْتُ صِبْيَانِي

ہمارے گھر میں تھوڑا سا کھانا ہے لیکن وہ اتنا ہے کہ ہمارے بچے کھا سکتے ہیں۔

نہ میرے لئے ہے اور نہ تمہارے لئے ہے۔ صرف بچوں کے کھانے جتنا ہے۔

اس پر وہ صحابی کہنے لگے۔

اَكْرِمِيْ ضَيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی عزت کرو۔

بچوں کا کوئی معاملہ نہیں۔ یہ ہمارے نبی علیہ السلام کا مہمان ہے اس واسطے یہ بھوکا نہیں رہنا چاہیے۔

اب میں ذمہ داری اُٹھا کے آ گیا ہوں۔ لہٰذا بچوں کا کچھ اور بندوبست کرتے ہیں جو کچھ گھر میں ہے وہ اس مہمان کو کھلائیں گے۔

یہ صحابہ کرام کا انداز ہے کہ وہ نیکی کی گہرائی تک پہنچتے ہیں۔

صحابی رسول ﷺ کہنے لگے میری زوجہ!

هَيِّئِي طَعَامَكِ

تم اپنا کھانا تیار کرو۔

اَصْبِحِي سِرَاجَكِ

شام ہوتے ہی چراغ جلادو۔

نَوِّمِي صِبْيَانَكِ

اور اپنے بچوں کو آہستہ آہستہ تھپکی دیکر سلادو، بچے جاگتے نہ رہیں۔

جس وقت عشا کا ٹائم ہو گا۔ کھانے کا وقت ہو گا تو میں مہمان کو لیکر ساتھ بیٹھوں گا۔ تو پھر صورتحال یہ ہو گی کہ سامنے کھانا ہو گا اور میں نے جو تمہیں طریقہ بتایا ہے اس کے مطابق بچوں کو سلا کر کھانا تم نے سامنے رکھنا ہے۔ چراغ جل رہا ہو گا اس کے بعد تم نے آہستہ سے چراغ کے پاس پہنچ کر صحیح کرنے کے انداز سے تم نے اس کو پھونک مار دینی ہے۔ تاکہ چراغ بجھ جائے اور کھانا ہمارے مہمان کے پاس ہو۔

نہ ہم اس کو بھوکے نظر آئیں اور نہ وہ ہمیں دیکھ سکے اور اس کو یہ شرمندگی نہ ہو کہ جس گھر میں پیٹ بھر کے کھانا کھا رہا ہوں اسکے تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی بھوکے سوئے ہوئے ہیں اور افرادِ خانہ بھی بھوکے ہیں۔ یہ ترکیب صحابی نے اپنی زوجہ کو سکھادی۔

جس وقت کھانے کا ٹائم ہوا چراغ جل رہا تھا اس صحابی کی اہلیہ نے کھانا لے کے اپنے زوج کو دیا تاکہ مہمان کے سامنے رکھا جائے اور خود وہ زوجہ چراغ کے پاس پہنچی اور چراغ کو یوں ہاتھ لگانے لگی جیسے کچھ صحیح کرنا چاہتی ہیں۔ ایسے میں انہوں نے اس کو پھونک ماری، تاکہ مہمان کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ جان بوجھ کر بجھایا گیا ہے وہ سمجھے کہ چراغ کو صحیح کرنے لگی تھیں لیکن چراغ بجھ گیا ہے۔

لہٰذا چراغ بجھ گیا اندھیرا ہو گیا مہمان کے سامنے کھانا موجود ہے لیکن وہ کھانا اتنا بھی نہیں ہے کہ صحابی خود اس میں شامل ہو جاتے اور ان کی اہلیہ بھی کھا سکتی۔ انہوں نے اپنے مہمان کو یہ بھی محسوس نہیں ہونے دینا تھا کہ ہم بھوکے ہیں۔ اب اندھیرا ہو گیا لیکن ان دونوں کا بڑا عجیب انداز تھا۔

فَجَعَلَا يُرِيَانِهِ أَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ

ان دونوں میاں بیوی نے یہ ظاہر کیا کہ ہم بھی کھانے میں شریک ہیں، ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔

انہوں نے اس طرح ظاہر کیا! انہوں نے برتن اُٹھائے برتنوں کے رکھنے کی آواز پیدا کی۔ اب چونکہ اندھیرا تھا۔ وہ مہمان سمجھ رہا تھا کہ جیسے میں کھا رہا ہوں ایسے یہ صحابی بھی کھا رہے ہیں ان کی زوجہ بھی کھا رہی ہے۔

انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں وہ اپنے مہمان کی اتنی میزبانی کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے خیال کی بھی میزبانی ہو جائے۔ اُس کو یہ شرمندگی نہ ہو کہ میں تو کھا رہا ہوں اور گھر والے بھوکے ہیں۔ لہٰذا چراغ بجھایا ہوا ہے اور برتن کبھی رکھتے ہیں، کبھی اُٹھاتے ہیں۔ جب آواز پیدا ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ بھی کھانا کھا رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ کھانا نہیں کھا رہے تھے۔

انہوں نے وہ چراغ بجھایا ہوا تھا کہ جسکی وجہ سے مہمان تو نہیں دیکھ رہا تھا مگر رحمان دیکھ رہا تھا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو بھوکا بھی رکھا ہے اور بھوک پہ کور بھی چڑھایا ہے، بھوک کو چھپایا ہے اور اپنے مہمان کو شرمندگی سے بچایا ہے اسکو یہ محسوس نہیں ہوا کہ میں کھا رہا ہوں اور گھر والے بھوکے ہیں۔ لہٰذا کافی دیر تک یہ

سلسلہ جاری رہا۔ مہمان نے پورے اطمینان سے کھانا کھالیا جس وقت رات گذر گئی۔
جب صبح ہوئی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں یہ صحابی پہنچے جو رات کو مہمان کو ساتھ لے گئے تھے۔

سیماب پا تھیں کیا اُن لوگوں کی قسمتیں
حصے میں جن کے آئیں وہ مہتاب صحبتیں
جن کی نگاہ میں جلوے تھے میرے حضور کے
جن کے دلوں پہ پہرے تھے وجدو سرور کے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کو ہی نہیں دیکھتے، صحابہ کرام کے گھر بھی انکے سامنے ہیں اور جو مہمان بھیجا ہے اسکے پیچھے اپنی نگاہ بھی ہے کہ میرے مہمان کے ساتھ سلوک کیا ہوتا ہے اور اسکو کھلایا کیا جاتا ہے۔ صرف یہ نہیں دیکھا کہ میرے مہمان کے ساتھ میز بانوں نے کیا سلوک کیا ہے بلکہ یہ بھی دیکھا ہے کہ میرے میز بانوں کے ساتھ میرے رحمان نے کیا سلوک کیا ہے۔

لہٰذا مجمع عام لگا ہے صحابہ کرام بیٹھے ہیں تو میرے محبوب علیہ السلام نے سارے صحابہ کرام کو یہ بتادیا دیکھو رات انہوں نے میرے مہمان کی ضیافت کی ہے وہ اتنی بڑی ضیافت ہے کہ

ضَحِكَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ (بخاری شریف:۳۷۹۸۔ مسلم شریف:۲۰۵۴)
جس کو دیکھ کے ساری رات رب مسکراتا رہا ہے۔

یہ لفظ آپ نے استعمال کردیئے کہ اللہ ہنستا رہا، اللہ مسکراتا رہا مطلب یہ ہے کہ جو اس کی شان کے لائق اور اُس کی شان کے مطابق ہے۔ یعنی اللہ نے انکے اس انداز

کو بڑا پسند فرمایا ہے کہ جو انہوں نے خود بنایا ہے۔

گھر میں کھانا تھوڑا تھا مگر انہوں نے اپنے مہمان کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اُس کے خیال کی بھی میزبانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری رات ان کے اس عمل پر اتنا راضی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کو ان کے بڑا قریب کر دیا ہے۔

ابھی ادھر یہ بات ہو رہی تھی کہ ادھر سے جبرئیل بھی آ گئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آیت بھی نازل کر دی ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر:۹)

یعنی ان انصار کی شان یہ ہے اور صحابہ کرام کی شان یہ ہے کہ یہ اپنے اوپر اوروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود محتاج ہوں مگر پھر بھی اوروں کا کام ضرور کر دیتے ہیں۔ جیسے ان کے بچے بھی بھوکے تھے خود بھی انکے کھانے کیلئے نہیں تھا۔ مگر انہوں نے مہمان کو ترجیح دی ہے۔ اپنا کھانا اپنے مہمان کو یوں کھلایا ہے کہ اس کو احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ میں نے اس گھر میں کھانا کھایا ہے کہ جس میں بچے بھی بھوکے ہیں اور بڑے بھی بھوکے ہیں۔ اس انداز میں جس وقت انہوں نے میزبانی کی ہے۔ تو رب ذوالجلال نے اُن پر خاص مہربانی کی ہے۔

یہ انداز ہے ان لوگوں کا کہ جنہیں دیکھ کر رب مسکراتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی شفقتیں ان لوگوں کو عطا فرماتا ہے۔

قاتل و مقتول کے جنتی ہونے پر رب کی مسکراہٹ

ایسے ہی ایک شعبہ اور بڑا عجیب ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے۔

اس کے راوی بھی اتفاق سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک دن صحابہ کرام کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

محبوب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

يَضْحَكُ اللّٰهُ إِلَى رَجُلَيْنِ

اللہ تعالیٰ دو بندوں کو دیکھ کے بڑا ہی مسکراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ دو بندوں کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور ان کو بڑا ہی پسند فرماتا ہے۔

وہ ہیں کون؟

يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ

''ایک قاتل ہے دوسرا مقتول ہے'' اور بائی چانس دونوں ہی جنت میں داخل ہو گئے ہیں۔

قاتل و مقتول بھی ہیں اور جنتی بھی ہیں۔ اللہ ان کے حسن اتفاق پر کہ دیکھو بظاہر تو ان میں فرق کتنا ہے۔ ایک قاتل ہے اور دوسرا مقتول ہے۔ ایک کو جنتی ہونا چاہیے دوسرے کو جہنمی ہونا چاہیے۔ لیکن اللہ نے اتفاق ایسا پیدا کیا کہ مقتول بھی جنت میں ہے اور قاتل بھی جنت میں پہنچ گیا ہے۔

قَالُوْا كَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟

صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

مقتول جس کو ظلماً قتل کیا گیا وہ بھی جنت میں جائے اور قاتل جو کہ ظالم ہے وہ بھی جنت میں جائے حالانکہ قاتل کے بارے میں آیات ہیں کہ جس نے قتل کیا وہ جہنم میں جائے گا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قاتل و مقتول دونوں جنتی بن جائیں۔ اس پر میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو اللہ کے خوش ہونے کا سبب ہے کہ کیسے قاتل

بھی جنتی بن گیا اور مقتول بھی جنتی بن گیا۔

يُقْتَلُ هٰذَا فَيَلِجُ الْجَنَّةَ

یہ مسلمان شہید کیا گیا پس جنت میں داخل ہو گیا۔

یہ اسلام کیلئے جہاد کر رہا تھا، مقابلے میں کافر تھا اُس کافر نے اس کو مارا۔ یہ اپنی جان اللہ کے دربار میں پیش کرنے کیلئے نکلا تھا۔ اس نے جان اللہ کے دربار میں پیش کر دی، وہیں شہید ہو گیا۔ تو مقتول بالیقین جنت میں پہنچ گیا کہ اُس نے اللہ کے لئے جان دی ہے، شہید ہوا جنت میں پہنچ گیا۔ ایک کا تو جنت میں جانا تم نے دیکھ لیا اب دوسرے کو بھی دیکھو۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْآخَرِ

پھر وقت آیا دوسرے (کافر) کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ کتنا بدنصیب انسان ہوں دنیا تو اللہ کا کلمہ پڑھتی ہے اور میں بتوں کو پوجتا ہوں۔ یہ سوچتے ہوئے اُس نے بھی اپنے رب کی توحید اور اپنے رسول کی رسالت کا کلمہ پڑھ لیا۔

اسلام ایسی چیز ہے کہ اس سے پہلے سارے داغ دُھل جاتے ہیں۔

انسان کے پیکر پر جتنی بھی گندگی ہو ساری کی ساری ختم ہو جاتی ہے اور جتنی بھی نامہ اعمال کی سیاہی ہو جب اسلام کی پھوار پڑتی ہے تو وہ ساری سیاہی ختم ہو جاتی ہے۔

میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، رب نے اس کی توبہ کو قبول کر لیا۔

ویسے تو جس وقت کوئی قاتل ہو گا اور مسلمان بھی ہے توبہ کرتا ہے تو توبہ سے قتل معاف نہیں ہو گا۔ وہ حقوق العباد میں سے ہے۔ اس لیے اس کو خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

لیکن یہاں اتفاق ایسا تھا جس وقت یہ بندہ قاتل تھا تو اس وقت کافر تھا۔ اب اس نے

کلمہ پڑھا اور اسلام میں آ گیا۔ پھر یہ بھی اسلام کا جھنڈا لیکر نکلا اور اسلام کیلئے اللہ کی رضا کیلئے جہاد کر رہا تھا تو پھر کیا ہوا۔

فَيَسْتَشْهِدُ (بخاری شریف:۲۸۲۶۔ مسلم شریف:۱۸۹۰)

اسے بھی کسی کافر کی تلوار لگی تو یہ بھی جام شہادت پیتا ہوا جنت میں داخل ہو گیا۔

میرے محبوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند کرتا ہے، اللہ ان کو دیکھ کے مسکراتا ہے کہ بظاہر تو یہ ایک دوسرے کی اپوزیشن تھے۔ لیکن اسلام نے ان کو کتنا ملا دیا ہے کہ جنت میں شریک ہو گئے اور جنت میں ان کا آپس میں کوئی بغض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کو جنت عطا فرما دی ہے۔

بندے کی ناامیدی پر رب کی مسکراہٹ

کنز العمال میں یہ حدیث شریف موجود ہے۔

ابورزین رضی اللہ عنہ اسکی روایت کرتے ہیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یہ ارشاد فرمایا۔

ضَحِكَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهٖ وَ قُرْبِ عَفْوِهٖ

ہمارا رب مسکراتا ہے۔ کس کو دیکھ کر؟

ایک بندہ دعا مانگ رہا ہے۔ مانگ مانگ کر اسے لگتا ہے کہ قبول نہیں ہو گی۔

اب مایوس ہو گیا ہے اور ادھر سے اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ میں نے ضرور قبول کرنی ہے۔ درمیان میں پردہ ہے یہ کہتا ہے اتنے سال ہو گئے دعا مانگ رہا ہوں۔ میری دعا تو قبول ہوتی ہی نہیں ہے اور ادھر عرش پر قبولیت کا فیصلہ کر

چکا ہے۔ درمیان میں ایک حجاب ہے۔ یہ وہ موقع ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کو بندے پر مسکراہٹ آتی ہے کہ اپنے آپ کو کتنا گرا ہوا سمجھتا ہے۔ حالانکہ میں نے تو اس کو عفو عطا فرمادی ہے اور اس کو پتہ نہیں چل رہا۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر کیا۔

مِنْ قُنُوْطِ عِبَادِهٖ وَ قُرْبِ عَفْوِهٖ

بندہ نا امید ہے اور ادھر عفو بالکل قریب آ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی قریب ہے اور بندہ اپنے آپ کو نا امید بنائے ہوئے ہے۔

ایسی صورتحال کے اندر بھی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ قابل غور بندہ پردے میں اس طرح لپٹا ہوا ہے اور وہ نا امید ہے۔ ہزاروں اندھیرے اس کے سامنے ہیں اور بڑا مایوس ہو چکا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ اس بندے کی اس مایوسی کے عالم میں کہ جس کے عفو کا فیصلہ ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے کہ یہ کیسا بندہ ہے اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ میں نے اس کیلئے کتنے اہتمام فرمادیئے ہیں۔

یہ حدیث شریف جس وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی۔

تو صحابہ کرام نے سوال کیا۔

وَ یَضْحَكُ الرَّبُّ ؟

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا رب بھی مسکراتا ہے؟ آپ رب کی مسکراہٹ کے بارے میں فرمارہے ہیں۔ کیا رب بھی ہنستا ہے؟

جس وقت صحابہ کرام نے پوچھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ اس کا

جواب وہی دے سکتا ہے کہ جو رب کی طرف نگاہ کرے تو اُس کو رب نظر بھی آتا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَالَ نَعَمْ

''ہاں'' میرا رب مسکراتا ہے۔

میرے رب کی مسکراہٹ ہے جو اسکی شان کے لائق ہے۔ اس رضا اور مہربانی کو نَعَمْ کے لفظ سے بیان کر دیا۔

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ کہنے لگے، جب سرکار نے یہ فرمایا کہ ہاں رب مسکراتا ہے۔ تو ہم نے سرکار کے سامنے ایک جملہ کہہ دیا۔ اگر رب مسکراتا ہے تو

لَنْ نَعْدَمَ مِنْ رَّبٍّ يَضْحَكُ خَيْراً (کنزالعمال ص:۱/۳۹۱۔ ح:۱۶۸۵)

تو ہم اس مسکرانے والے رب سے ضرور خیر پائیں گے۔

پھر وہ کرم والا رب ہے۔ وہ ضرور معاف کر دے گا۔

صحابہ کرام نے پھر آگے اضافہ کر دیا کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ مسکراتا ہے تو پتہ چلا کہ وہ صرف غصے والا نہیں ہے کہ اس کا جلال ہی برستا رہے۔ وہ جمال والا بھی ہے۔ پھر ہمیں بڑی امید ہے۔

لَنْ نَعْدَمَ

ہم معدوم نہیں پائیں گے، ہم اپنے رب کی مسکراہٹ سے خیر پائیں گے۔ اُس کی مسکراہٹ کی چمک سے ضرور گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی مسکراہٹ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکرانا

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استدلال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خوبصورت انداز جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اور یہ حدیث شریف بھی کنز العمال میں موجود ہے۔

اس فرمان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استدلال بھی ہے۔

علی بن ربیعہ کہتے ہیں۔

حَمَلَنِیْ عَلٰی خَلْفِهٖ

ہم سواری پر بیٹھے تھے۔ آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے پیچھے مجھے بٹھایا ہوا تھا۔

ہم سواری پر سوار ہو کر حرہ کی جانب جا رہے تھے۔ (یہ مدینہ شریف کے باہر ایک سنگریزوں والی گراؤنڈ ہے)

ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَی السَّمَآءِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا۔

ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ

پھر پلٹ کے مجھے دیکھا۔

فَضَحِكَ

ساتھ مسکرائے۔

یہ عجیب منظر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور پھر پلٹ کے مجھے دیکھا اور مسکرا دیئے۔ میری طرف جب التفات اور توجہ کی تو مسکرا رہے تھے۔

یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ

اے اللہ میرے گناہوں کو بخش دے۔ میرے گناہ معاف کردے۔

اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَیْرُکَ

تیرے سوا اور کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔

میرے گناہوں کو تو معاف کردے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی پھر حضرت علی بن ربیعہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے۔

اس پر علی بن ربیعہ نے سوال کیا۔

یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِسْتِغْفَارُکَ رَبَّکَ وَالْتِفَاتُکَ اِلَیَّ تَضْحَکُ ؟

اے امیر المومنین!

تم نے چہرہ آسمان کی طرف کیا دعا رب سے مانگی اور مجھے دیکھ کے ہنستے ہو، مسکراتے ہو اس کا سبب کیا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ اصل میں میرا عمل نہیں ہے۔ میں اس کام میں بھی اپنے آقا کی سنت ادا کر رہا ہوں۔ پوچھا گیا وہ سنت کیا ہے؟

آپ دیکھیں کہ صحابہ کرام میں کتنی تڑپ تھی کہ ہو بہو وہی انداز اپناتے تھے کہ جو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تھا اور پھر اپنے ساتھ والوں کو اس طرف متوجہ کرتے تھے۔ کہنے لگے۔

حَمَلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَلْفَہٗ

اے علی بن ربیعہ جیسے آج میں نے تجھے اپنے پیچھے بٹھایا ہے اسی طرح ایک بار مجھے نبی علیہ السلام نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا تھا۔

آقا علیہ السلام نے سفر کیا اور میں ساتھ تھا۔

اِذَا سَارَبِیْ اِلٰی جَانِبِ الْحَرَّۃِ۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری حرہ کی جانب چل رہی ہے۔

جدھر آج ہماری سواری چل رہی ہے۔

دیکھو ان کی یادوں کی چاشنی اور یادوں کو تازہ کرنے کا انداز کیسا ہے۔

فرمانے لگے میں سرکار کے پیچھے بیٹھا تھا آپ میرے آگے تشریف فرما تھے سواری حرہ کی طرف چل رہی تھی۔ تو کیا ہوا؟

رَفَعَ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَآءِ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا۔ پھر یہی دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَیْرُكَ

امتی کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا۔

اے اللہ تو میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔

جس وقت یہ لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے بولیں گے تو پھر یہ ترجمہ نہیں ہوگا چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عصمت عطا فرمائی ہے۔ وہاں یہ ہے کہ انبیاء جب ایک نیکی کے بعد جب دوسری نیکی کرتے ہیں تو وہ پہلی سے اتنی ایڈوانس ہوتی ہے کہ پہلی بعد والی کے مقابلے میں ادنی سی محسوس ہوتی ہے۔ تو اس کو انبیاء ذنب سے تعبیر کرتے ہیں۔ ویسے نہ گنا ہے نہ خطا ہے۔ تو اس سے مقصد امت کو تعلیم دینا تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تو میں نے سن لئے اور یاد کر لئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بولتے وقت انداز کیا تھا۔

لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَیْرُکَ

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ پھر کیا ہوا؟

ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَضَحِکَ

سرکار نے مجھے دیکھ کر مسکرانا شروع کر دیا۔

سرکار علیہ السلام نے چہرہ اُٹھا کے دعا مانگی اور پھر پلٹ کے میری طرف دیکھ کے مسکرائے تو میں نے بھی اُس دن پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسا انداز ہے؟ جس سے گفتگو ہوتی ہے اسے دیکھ کے مسکراتے ہیں آپ کی گفتگو تو رب کے ساتھ ہے لیکن آپ مجھے دیکھ کے مسکرائے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس وقت میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو میرے محبوب علیہ السلام کا جملہ کتنا خوبصورت تھا۔

آپ فرمانے لگے۔

ضَحِکْتُ لِضِحْکِ رَبِّیْ

میں اس لئے مسکرا رہا ہوں کہ میرا رب مسکرایا ہے۔

یعنی اے علی یاد رکھو میں نے جو تجھے دیکھ کے اپنے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پیدا کی ہے تو اس سے اللہ کی مسکراہٹ کی ترجمانی کر رہا ہوں تاکہ تجھے پتہ چل جائے کہ میرا رابطہ میرے رب سے ڈائریکٹ کتنا ہے۔ میں عرش پہ جا کے اُس کے عرش پہ بیٹھ کے دیدار کروں وہ لمحات تو اپنی جگہ لیکن میرے رب نے مجھے فرش پہ چلتے ہوئے اور سواری پہ بیٹھے ہوئے بھی اپنے دربار سے محروم نہیں رکھا۔ میں چلتا فرش زمین پر ہوں مگر پھر

بھی اللہ تعالیٰ کے جلوے میرے سامنے ہوتے ہیں۔

ضَحِکْتُ لِضِحْكِ رَبِّیْ

میں اپنے رب کو دیکھ کے مسکرا رہا ہوں کہ میرا رب مسکرا رہا ہے۔

یہاں سے پتا چلا کہ ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کتنا بڑا Status ہے اور کون ہوگا جو رب سے مسکراہٹوں کے تبادلے کرتا ہو؟ جو رب کو دیکھے تو مسکرائے اور اب ان کو دیکھے تو اپنی شان کے مطابق مسکرائے۔

یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کہ آپ ﷺ نے جس وقت عرش کی بات کا ترجمہ کرنا چاہا اور پیغام دینا مقصود تھا کہ علی تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم جب فرش پہ ہوتے ہیں تو عرش پہ ہمارا رابطہ نہیں ہوتا۔ ہمارا اتنا تیز رابطہ ہے اور اتنا قریب کا رابطہ ہے کہ ہم مسکراتے ہوئے بھی اللہ سے باتیں کررہے ہوتے ہیں۔

اے علی! اللہ تعالیٰ کی مسکراہٹ کی وجہ سے میرے ہونٹوں پہ بھی تبسم آیا ہے۔

جس وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو ساتھ وجہ بھی بیان کی کہ رب کیوں مسکرایا ہے۔

لِعَجَبِهٖ لِعَبْدِهٖ اِنّہ یعلم انّہ لا یغفر الذنوب احد غیرہ

(کنز العمال: ۲/ ۲۵۷ ۔ حدیث نمبر: ۳۹۶۴)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو اس بات پر پسند کرنا کہ وہ بندہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں۔

لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن باقاعدہ ارادے کے ساتھ سواری پر بیٹھ کر اُسی گراؤنڈ کی طرف چل دیے، وہی دعا مانگ کے آسمان کی طرف دیکھ کے اور

پھر پچھلے آدمی کی طرف دیکھا تو مسکرا دیئے تا کہ سنت بھی پوری ہو جائے اور سرکار کا پیغام بھی پورا ہو جائے۔

گویا حضرت علی کہہ رہے تھے کہ یہ حدیث میرے پاس ہے اس کو میں صفہ پہ بیٹھ کے پڑھاؤں تو پڑھا سکتا ہوں۔ لیکن یہ صحابہ کرام کا انداز ہے کہ وہی انداز بھی ہونا چاہیے کہ جس انداز میں سرکار نے پڑھائی ہے، سرکار نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ انداز اختیار کیا ہے اور سرکار کی شخصیت کے بارے میں جو ہمارا عقیدہ ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی ان سے ہمسری کے دعوے نہ کرے، کوئی ان کو اپنے جیسا نہ کہے اور کوئی ان جیسا نہ بنے۔ اس واسطے کہ جب ہم دیکھتے ہیں تو کچھ فاصلے کے بعد ہمیں کچھ اور نظر نہیں آتا لیکن ان کی نگاہ وہ ہے کہ سات آسمانوں کے پار عرش عظیم پر جو ربّ ذوالجلال کے جلوے ہیں۔ یہ زمین پہ ہوتے ہوئے ان جلوؤں کی زیارت کر رہے ہیں۔

پھر یہ مشاہدہ بڑا تیز تھا۔ چونکہ مسکراہٹ کا ہونا بڑی قریب کی میٹنگ کا انداز ہوتا ہے۔ دور سے آپس میں پوری طرح ایسا ربط پیدا نہیں ہوتا کہ جس کی وجہ دو انسان کہ جن کے درمیان ایک ایکڑ کا فاصلہ ہو وہ آپس میں مسکراہٹوں کا تبادلہ کر رہے ہوں بلکہ خاص قرب کی بنیاد پر ایسی صورتحال ہوتی ہے۔ بلا تمثیل:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرش پہ ہوتے ہوئے عرش کے اتنے قریب ہوا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے جلوے بھی سامنے ہیں اور مسکراہٹوں کا بھی پورا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

تین خوش نصیب جنہیں دیکھ کے رب مسکراتا ہے

اس سلسلہ میں بالخصوص یہ معاملہ بہت ہی عجیب ہے اور جس کو آج اگر ہم حاصل کرنا چاہیں تو یقیناً حاصل کر سکتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کی 1228 نمبر حدیث شریف ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس کی روایت کرتے ہیں کہتے ہیں۔

ثَلَاثَةٌ يَضْحَكُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ

تین قسم کے انسان ہیں جنہیں دیکھ کے رب مسکراتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے ان کا اعلان کر رہے ہیں کہ جو چاہے وہ ان تین افراد میں آ جائے۔ اُسے اللہ کی خصوصی مہربانی حاصل ہو جائے گی۔

وہ تین کون سے لوگ ہیں؟

پہلا آدمی۔ آدمی کے قیام لیل کو دیکھ کے رب مسکراتا ہے۔

اَلرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّيْلِ يُصَلِّيْ

وہ آدمی جب رات کا وقت آ جائے تو وہ مصلی پہ کھڑا ہو کر اللہ کو سجدے کر رہا ہو، قیام کر رہا ہو!

یہ وہ بندہ ہے جسے رب دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے۔ اس کو کوئی بہت بڑا کام نہیں کرنا پڑے گا گھر میں جہاں بیٹھا ہے، جہاں موجود ہے۔ وضو کرے رات کی تنہائیوں میں اللہ کے دربار میں حاضر ہو جائے، قیام کرے اور سجدہ کرے۔ ''جب عام لوگ سو رہے ہونگے یہ جاگ رہا ہو گا'' دیکھ کے رب بہت مہربان ہو جائے گا۔

دوسرا آدمی، نمازیوں کی صف بندی کو دیکھ کر رب مسکراتا ہے۔

وَ الْوُقُوْفُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوۃِ

اور جب لوگ نماز پڑھنے کے لئے صف بناتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔

جب لوگ گھر سے نکلیں مسجد میں پہنچیں اور مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کیلئے صف بنائیں جب صف، لائن میں کھڑے ہو رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ کر مسکراتا ہے۔ کوئی بندہ کہیں سے چلا کوئی کہیں سے چلا، کسی نے کوئی کام چھوڑا، کسی نے کوئی آرام چھوڑا اور چلتے چلتے ابھی نماز پڑھنے کیلئے صف میں کھڑے ہوئے ہیں "اللہ کے دربار میں جب حاضر ہونگے وہ معاملہ بعد میں ہے" صف پوری ہوئی ہے تو اللہ کی رحمت بھی ان پہ پوری اتر آئی ہے۔ اس انداز میں جب یہ صف بنا کے کھڑے ہوتے ہیں تو ربّ ذوالجلال انکو دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ یہ کتنے عجیب بندے ہیں جنہیں میں سامنے نظر نہیں آتا مگر مجھے موجود سمجھ کے میرے دربار میں حاضری دے رہے ہیں۔

لہٰذا جس وقت با جماعت نماز ادا کرنے کیلئے لوگ صف بناتے ہیں اُس صف کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ انکو اپنی مسکراہٹوں سے نوازتا ہے۔

تیسرا آدمی، میدانِ جہاد میں مجاہدین کی صف بندی کو دیکھ کر رب مسکراتا ہے۔

وَالْوُقُوْفُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ

جب دشمنوں سے جہاد کے لیے مجاہدین صف بنا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

جب مجاہدین جہاد کے میدان میں اللہ کے دشمنوں سے لڑنے کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ کے دشمنوں کو مٹانے کیلئے وہ میدان جہاد میں لائن بناتے ہیں، کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور اپنی پوزیشنیں سنبھال لیتے ہیں تو ان کے انداز کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خاص مہربانیوں سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صف کے اندر کھڑے ہوئے

مجاہدین کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی شفقتیں اُن کو عطا فرما دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے بیان کیا تھا کہ جس وقت کچھ لوگ یہ سنیں گے کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو دیکھ کر مسکراتا ہے تو ان میں جذبہ پیدا ہوگا کہ میں بھی ان جیسا بن جاؤں تاکہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ پسند کرے اور پھر یہ سمجھے گا کہ میرے پاس تو کوئی ذریعہ نہیں میں اتنا خوبصورت بن جاؤں اور میرا کام اتنا خوبصورت ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ کے مسکرائے۔ تو سرکار کی سنت نے سہارا دیا کہ تمہیں کہیں جگر پگھلا کر ایسا مقام حاصل کرنے کیلئے محنتیں نہیں کرنی پڑیں گے۔ تھوڑا سا کام کرو اور اپنے اندر تھوڑی سی بیداری پیدا کرو، تم گھر میں مصلی پہ کھڑے ہو کر رب کو سجدہ کرو گے تو اللہ خصوصی مہربانی کا نزول فرمادے گا۔

بندہ مومن کی توبہ پر رب خوش ہوتا ہے

یہ بھی ایک بڑا عجیب انداز ہے۔

اس میں آج ہمارے لئے بہت بڑا سہارا ہے اور ہمارے لیے بہت بڑا حوصلہ ہے۔

اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خوشی کا موقع بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوتا ہے اور کب خوش ہوتا ہے۔

اب دیکھیے ناخوشی تو اس کو ہو جس کا کام پورا نہ ہو اور جس کی قدرتوں کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اُس کو تو کوئی ناخوشی ہو نہیں سکتی۔ جب وہ کن کہے تو سب کچھ ہو جائے، وہ تو خوش ہی خوش ہے۔ لیکن اسکے باوجود کچھ مراحل ایسے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اتنی خوشی ہوتی ہے کہ جتنی خوشی کا آج تک کوئی انسان تصور نہیں کر سکتا۔

یہ سب سے بڑا کرم ہے۔ ایک وہ انسان ہے کہ جس کو کچھ ملے تو خوش ہو جائے۔ ایک وہ ہے جو مجبور ہے اُس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ ایک وہ ہے جسے

رکاوٹوں کا سامنا ہو۔ رکاوٹیں اٹھیں تو خوش ہو جائے۔ یہ رب کا کمال ہے نہ اُس کی کوئی ضرورت ہے۔ نہ اس کی کوئی مجبوری ہے، نہ اس کے سامنے کوئی رکاوٹ ہے، نہ کوئی کمی ہے لیکن اس کے باوجود اپنے بندوں کی ایک حالت کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ کے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھانے کیلئے ایک مثال دی۔

اَللّٰہُ اَفْرَحُ بِتَوْبَۃِ عَبْدِہِ الْمُؤْمِنِ

ایک مسلمان کے توبہ کرنے پر اللہ اس سے زیادہ خوش ہو جاتا ہے کہ جتنا وہ بندہ خوش ہوا جس کا ابھی مثال میں ذکر ہوگا۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ پر خوش ہو رہا ہے اس میں فائدہ بندے کا ہے اللہ تعالیٰ کا تو نہیں ہے۔ چونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اگر ہم سارے لوگ پہلے نمبر کے متقی بن جائیں تو ہم اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں دے سکتے۔ اور ہم سارے بُرے بن جائیں تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں دے سکتے۔ وہ بے نیاز ذات ہے۔ لیکن اسکے باوجود جب ایک بگڑا ہوا انسان اور گناہوں میں ڈوبا ہوا انسان در توبہ پہ آتا ہے تو اللہ کو اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی کائنات میں کسی کو نہیں ہوتی۔

مثال یہ ہے: میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ ایک شخص سواری پہ بیٹھا ہے۔

نَزَلَ فِیْ اَرْضٍ دَوِّیَّۃٍ مُھْلِکَۃٍ

وہ ایک بے آب و گیاہ اور خطرات ہلاکت سے پر زمین میں اترا۔

یعنی اُس صحرا میں مہینوں کا سفر ہے اور وہ ہلاکت والی زمین ہے بندہ مشکل سے وہاں سے کراس کرتا ہے، اُس صحرا میں انسان سفر کر رہا تھا اُونٹنی پہ بیٹھا تھا۔ اُس اونٹنی پہ اپنا زادِ راہ بھی رکھا ہوا تھا۔

لہٰذا پورا بندوبست کر کے وہ اپنی سواری کو لے کے روانہ ہوا۔

عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَ شَرَابُهُ

سواری پہ اُس کا کھانا بھی ہے اور پینے کیلئے اس پر پانی بھی ہے۔

اُس نے بہت دنوں کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ یہ انسان سفر کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے کہا کہ کچھ دیر آرام کرلوں۔ پھر اُٹھوں گا سواری پہ بیٹھ جاؤں گا اور پھر سفر شروع کردوں گا چونکہ یہ سفر بہت لمبا ہے۔ اگر سواری پہ بیٹھا رہا تو یہ مشکل ہے۔ لہٰذا

فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً

اُس نے اپنے ہاتھ میں اونٹنی کی نکیل پکڑلی اور اپنی کلائی پہ سر رکھ کے راستے میں سوگیا۔

اُس نے سوچا کچھ دیر سوتا ہوں پھر جاگ آجائے گی اونٹنی پہ بیٹھوں گا سفر شروع کردوں گا لیکن جس وقت کچھ دیر کے بعد اُسے جاگ آئی تو اُس نے دیکھا کہ اونٹنی بھاگ چکی ہے۔

بڑا ہی پریشان ہوا۔

فَطَلَبَهَا

ادھر ادھر دوڑ کے اونٹنی کو تلاش کرنا شروع کردیا۔

اس اونٹنی پر ہی میری زندگی کا بندوبست ہے۔ نہ تو اس صحرا کو دوڑ کے میں عبور کر سکتا ہوں۔ نہ واپس پہنچ سکتا ہوں۔ نہ منزل پہ جاسکتا ہوں۔

لہٰذا اُس بندے کو بڑی پریشانی ہوئی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

کچھ دیر ڈھونڈتا رہا مگر پھر پیاس لگ گئی۔ بھوک لگ گئی۔

حَتّٰى إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْمَا شَاءَ

گرمی بھی تھی، پیاس بھی تھی، بھوک بھی تھی۔ جو بھی مصیبتیں تھیں، ساری منہ کھول کے آگئیں۔

یہ بندہ بالکل اکیلا ہے نہ کوئی انسانی آبادی ہے۔نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہے۔ نہ کوئی بندہ حامی و مددگار ہے۔اب اسکا جو صحرا عبور کرنے کا ذریعہ تھا وہ اونٹنی تھی اور اُس پر ہی زندگی کا سامان تھا۔وہ کچھ بھی اس کو نظر نہیں آتا۔

دوڑتا رہا، بھاگتا رہا، بھاگتے بھاگتے تھک گیا ہانپ کے گرا پڑا ہے۔اب یہ سمجھتا ہے کہ سوائے مرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے مجھے اونٹنی نہیں ملے گی اور مجھے کھانا بھی نہیں ملے گا۔مجھے پینے کیلئے پانی بھی نہیں ملے گا اور میں ویسے چل کے اب جا نہیں سکتا۔

لہٰذا اُس نے پکا ذہن بنالیا کہ اب سوائے مرنے کے اور حل نہیں ہے۔مرنے کیلئے اب تیار ہو گیا اور اس نے وہ جگہ منتخب کر لی کہ جو بالکل راستہ کے اوپر تھی، وہاں پر اُس نے دوبارہ سونے کا ارادہ کیا۔اُسی جگہ یہ جہاں سے اونٹنی گم ہوئی تھی کہتا ہے۔

اَرۡجِعُ اِلٰی مَکَانِیَ الَّذِیۡ کُنۡتُ فِیۡہِ

یعنی ڈھونڈتا دور نکل گیا تھا اب کہتا ہے وہاں جا کے لیٹتا ہوں جہاں پہلے سویا ہوا تھا۔

فَاَنَامُ حَتّٰی اَمُوۡتَ

میں سوتا ہوں حتی کہ مر جاؤں۔

یہ موت کے منہ میں جا چکا ہے۔پورے سو فیصد مرنے کے لئے تیار ہو رہا ہے اور یہ عجیب انسان ہے۔لوگ آنکھیں بند کرتے ہیں کھولنے کیلئے لیکن یہ ہمیشہ بند کرنے کیلئے اپنی آنکھیں بند کر رہا ہے اور راستے کے کنارے پر لیٹ رہا ہے کہ سوتا ہوں موت کا وقت آ رہا ہے۔

وَضَعَ رَأۡسَہٗ عَلٰی سَاعِدِہٖ لِیَمُوۡتَ

اُس نے اپنا سر کلائی کے اوپر رکھا تا کہ سو جاؤں اور سونے کے اندر ہی مر جاؤں یہ انداز لئے وہ سو رہا تھا۔

میرا یہ گمان ہے کہ وہاں اس لئے سویا ہوگا کہ رستے پہ سوتا ہوں مر تو جاؤں گا لیکن آخر مجھے دفن کرنے والا آج تو کوئی نہیں ہوسکتا کوئی کبھی یہاں سے گذرے تو میری ہڈیاں اُٹھا کے زمین کے سپرد کردے۔

لہٰذا رستے کے کنارے پر وہ مرنے کیلئے لیٹ رہا ہے اور اپنی پوری تیاری کر چکا ہے۔

ایسی صورتحال کے اندر اپنی کلائی پہ سر رکھا آنکھیں بند کیں اور نیند کو اپنی آنکھوں پہ مسلط کر کے مرنے کی نیت کی ہے۔ لیکن اُس کو نیند مرنے کے لئے بھی نہیں آرہی تھی۔ کیونکہ بھوک بڑی تھی، پیاسا بڑا تھا۔

لہٰذا تھوڑی دیر کے بعد اُس کی آنکھ کھل گئی، بھوک اور پریشانی کی وجہ سے کہ اچھا سفر تھا، میں منزل پہ جانا چاہتا تھا۔ اب رستے میں موت آگئی ہے۔ اُسی میں جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھا وہ اونٹنی سرہانے پہ آکے کھڑی تھی۔

اِذَا رَاحِلَتُہٗ عِنْدَہٗ

اچانک کیا دیکھتا ہے کہ اونٹنی تو اُس کے پاس کھڑی ہے۔

اب وہ تو موت کے منہ سے واپس آگیا۔ اسکو بڑی خوشی ہوئی کہ اب میرے لئے سارا مستقبل روشن ہوگیا ہے۔ جس نے سو فیصد مرنے کا بندوبست کر رکھا تھا اور مرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا، اب سو فیصد زندگی روشن ہوگئی ہے۔

اُس نے فوراً سواری کے اوپر سے پانی لیا اور کھانا لیا اور کھانے بیٹھ گیا۔ اُس کے بعد زندگی ہشاش بشاش ہوگئی۔ جس طرح چراغ بجھ رہا ہو اور اس میں کوئی تیل ڈال دے تو فوراً روشنی برقرار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی زندگی کا دیا گل ہونے کو تھا اُس میں پھر تیل ڈالا گیا تو وہ فوراً سواری پہ بیٹھا اُس کے بعد اُس نے اپنی منزل کی طرف سفر شروع کردیا۔

اب یہ مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے پیش کر کے فرمایا۔
اس بندے کی خوشی کا اندازہ کر سکتے ہو جس کو مرنے پر یقین ہو گیا تھا کہ اب مروں گا؟ مرنے کے لئے آنکھیں بند کر رہا تھا اور مرنے کیلئے پوری طرح تیار تھا۔ پھر اس کو وہ سواری مل گئی اُس کی خوشی کا کوئی اندازہ کر سکتے ہو۔ موت کے منہ سے جب وہ واپس آ رہا تھا تو اُس کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر یہ جملہ بولا۔ اب تمہیں سمجھنے میں آسانی ہوگی جب یہ نبوی مثال سامنے آ گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

فَاللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهٖ وَزَادِهٖ

(مشکوٰۃ شریف: رقم الحدیث: ۲۳۵۸)

جتنی خوشی اس بندے کو اپنی سواری اور زادراہ کے مل جانے پر ہوئی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو خوشی اپنے بندے کے تائب ہونے پر ہوتی ہے۔

اب دیکھیے ایک انسان گناہ چھوڑتا ہے پکی توبہ کرتا ہے۔ اُس پر ربّ ذوالجلال خوش ہے۔ مہربان ہو گیا ہے۔ اب اس کو کتنی خوشی ہے۔ مثال سامنے رکھیے اس خوشی سے کوئی زیادہ خوشی ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہوتا ہے اور بالخصوص جو ربّ کو اپنے بارے میں خوش کرنا چاہے، وہ گناہ سے پکی توبہ کرلے ربّ ذوالجلال اُس سے بہت زیادہ خوش ہو جائے گا۔

بارگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے رب کو خوش کرنے کا عمل

آخر میں البدایہ والنھایہ کی روایت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جس وقت حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ (جن کو ابن عفراء کہا جاتا ہے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ لیکن ان کو یہ پہلے معلومات تھیں کہ اللہ

مسکراتا ہے اور بندوں پر خوش ہوتا ہے۔ ان کا انداز کچھ یوں تھا۔ کہنے لگے:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَا يُضْحِكُ الرَّبَّ مِنْ عَبْدِهٖ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسی ادا ہے جس سے بندہ اپنے رب کو ہنساتا ہے۔ یعنی وہ کام کرے تو رب مسکرائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بندے کے مزاج کے مطابق جواب دیتے تھے۔ ویسے یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ آپ فرماتے رات کو تم تہجد پڑھو اللہ مسکرائے گا۔ لیکن حضرت عوف بن حارث ایک نڈر، شیر دل مجاہد تھے اُن کے لئے انداز کچھ اور تھا۔

جب انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کام بتاؤ کہ جس کی وجہ سے میرا رب مجھے دیکھے اور مسکرائے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

غَمْسُهٗ يَدَهٗ فِي الْعَدُوِّ حَاسِرًا

جو بندہ اپنے بازو ننگے کر کے اور اپنا بدن ننگا کر کے کفر سے ٹکرا جائے تو یہ وہ بندہ ہے کہ جس کو رب دیکھتا ہے تو مسکراتا ہے۔

''حاسرا'' کا مطلب یہ ہے کہ بدن پہ زرہ نہ ہو، کوئی جسم پر رکاوٹ نہ ہو کہ جس کی وجہ سے کافر کی تلوار رک سکے یا اُس کی گولی رک سکے۔ بندہ شہید ہونا چاہتا ہے اور اس انداز میں باطل سے ٹکرا رہا ہے۔

اپنا ہاتھ دشمن میں ننگا کر کے ڈال دے اور پوری طرح اپنے بدن سے زرہ وغیرہ اتار کے وہ وباطل سے جب ٹکراتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس بندے کو دیکھ کے مسکراتا ہے۔

فَنَزَعَ دِرْعًا كَانَتْ عَلَيْهِ

ابن عفراء نے زرہ اتار دی۔

فَقَذَفَهَا

پھر اُس کو دور پھینکا۔

یہ جو رب کی مسکراہٹ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے، میں اس کو کیوں استعمال کروں۔ میں اپنے اندر وہ صلاحیت لانا چاہتا ہوں جس کو میرا رب دیکھ کے مسکرائے۔

لہٰذا زرہ اتاری

ثُمَّ اَخَذَ سَيْفَهٗ

پھر اپنی تلوار پکڑ لی۔

فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ۔ (البدایۃ والنھایۃ: ۳/ ۲۸۷)

پھر اس قدر جہاد کیا، اس قدر مجاہدہ سے لڑے اور کافروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے گئے یہاں تک کہ اللہ نے ان کو بھی شہادت عطا فرما دی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انداز بتایا تھا۔ صحابہ کرام صرف پوچھنے والے ہی نہیں تھے بلکہ اس پر عمل کر کے دکھانے والے بھی تھے۔ آج کا انداز کچھ اور ہے کہ جس وقت بعض ہم میں سے کوئی مسئلہ پوچھتے ہیں تو صرف لذت لینے کیلئے یا محض ایک Formality پوری کرنے کیلئے۔ یہاں پر جو پوچھنے والے ہیں اُن کا بھی انداز نرالا ہے۔ اور بتانے والی ذات بھی کتنی بڑی کریم ہے۔

صحابی نے پوچھا ہے رسول اللہ ﷺ نے نسخہ بتایا ہے۔ صحابی نے فوراً آزمایا ہے۔ اور اسے دیکھ کے ہمارا رب مسکرایا ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا مسکراہٹوں کا گلدستہ تھا اور یہ روحانیت کا ایک گلشن ہے۔ میرا رب مجھے اور آپ کو ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

باب نمبر
6

قرآن اور تفکرِ کائنات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسارِ زماں، سید سروراں، حامی بیکساں، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثانِ منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراط مستقیم کے فہم دین کورس کے چھبیسویں (26) سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

"قرآن اور تفکر کائنات"

میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔ قرآن وسنت میں تفکر وتدبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی منزل تک رسائی کی توفیق عطا فرمائے۔

یقیناً یہ موضوع بڑا دقیق اور وسیع موضوع ہے۔ بالخصوص قرآن مجید کی آیات کے اندر تدبر اور تفکر ایک ایسا عمل ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔

تفکر انسانی روح کی بندگی ہے، انسانی شعور کا یہ مجاہدہ ہے، اور ایک انسان کی عقل اور اُس کی سمجھ اس کیلئے ربّ ذوالجلال کی طرف سے عطا کردہ ایک تحفہ ہے۔

جیسے انسان اپنی ظاہری خوراک سے محظوظ ہوتا ہے اور اس کو لذیذ محسوس کرتا ہے۔اسی طرح تفکر انسان کی فکری غذا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی روح میں بالیدگی آتی ہے،شعور میں اجالے آتے ہیں اور علم ومعرفت کی دنیا میں انقلاب آتا ہے۔

لہٰذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کو فکری طور پر وسعتیں حاصل ہوں تو قرآن مجید اُس کے لئے کافی ہے۔قرآن مجید کی آیات کے اندر تدبر انسان کو ایک ایسے جہاں میں داخل کرتا ہے کہ جس میں ہر طرف اُس کو نوری لمحات میسر آتے ہیں اور دین ودنیا کا فہم میسر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا۔

مَثَلُ كِتٰبِ اَحْمَدَ بَيْنَ الْكُتُبِ كَوِعَاءٍ فِيْهِ لَبَنٌ كُلَّمَا مَخَضْتَهٗ اَخْرَجْتَ زُبْدَتَهٗ

اے میرے کلیم! جو کتاب میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوں گا اُس کتاب کی مثال ایک برتن جیسے ہے وہ برتن جو دودھ سے بھرا ہوا ایسا دودھ کہ اُسے جو بھی بلوئے تازہ مکھن نکالے گا کبھی وہ دودھ لسی نہیں بنے گا کہ اس کے اندر سے غذائیت ختم ہو جائے اور پیچھے ایک لسی کی شکل اختیار کر جائے۔قرآن مجید کے نزول سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا جو تعارف کروایا تھا۔آج صدیوں کے گزر جانے کے بعد قرآن مجید کی حیثیت اُس تعارف کو سچا ثابت کر رہی ہے۔کہ قرآن مجید ایسا دودھ ہے جس سے ہر کسی کو مکھن ملتا ہے۔یعنی ایسا نہیں کہ جس ماحول میں قرآن مجید اترا،صحابہ کرام کو تو مکھن ملتا لیکن جب تابعین کی باری آئی تو مکھن ختم ہو جاتا،تابعین کو اپنے حصے کا ملا ہے۔پھر تفسیر کی تدوین کا دور چلا اور پھر اُس سے آگے سلسلہ چلتا رہا۔

صرف اس میں یہ ہے کہ پہلے حضرات کی جو روشنی تھی اُس کی اقتدء کی گئی اور آگے پھر اس کی بیسیوں جلدوں میں تفاسیر لکھی گئیں۔ یہ خوشبو چلتے چلتے آج ہمارے تک پہنچی ہے۔ آج بھی جو شخص پوری طرح متوجہ ہوتا ہے اور قرآن مجید سے کچھ لینا چاہتا ہے تو قرآنِ مجید اُسے محروم نہیں کرتا۔

آج بھی وہی تابندی اور رخشندگی قرآن مجید میں موجود ہے۔ آج بھی وہی غذائیت موجود ہے۔ آج بھی قرآن مجید کے اندر انسانی روح، دماغ اور شعور کیلئے وہ سامان موجود ہے۔

صرف بعد والوں کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہمارے جو اسلاف ہیں اُن سے سرکشی نہ کریں، جو پہلے مکھن حاصل کرنے والے ہیں اُن کے طریقوں کو سامنے رکھیں اور جنہوں نے پہلے اس قرآن مجید سے فائدہ حاصل کر لیا ہے۔ اُن کے فوائد کو سامنے رکھتے ہوئے مزید فائدہ حاصل کریں۔

اس بنیاد پر آج بھی جو اس امت کے طویل علمی سفر میں، انہیں عظیم اسلاف کی آراء کے زیر سایہ قرآن مجید کی طرف بڑھتا ہے تو قرآن مجید اسے آج بھی وہی غذائیت عطا فرماتا ہے۔

چونکہ اس سلسلہ میں ایک ربط ہے۔

ہر سینہ نشیمن نہیں جبرئیل امین کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کی صیاد
گو فکرِ خدداد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

فکر بڑی اچھی چیز ہے۔ مگر فکر جب تک پابند رہے، اُس کے ارد گرد احتیاط کے دائرے ہوں تو پھر اس سے نور ابھرتا ہے اور اگر فکر بے لگام ہو جائے اور غیر مقلدانہ سوچ بن جائے تو پھر اس سے آگے وہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جس وقت ابلیس بھی روشن خیال بن کے کہتا ہے۔

خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (سورۃ الاعراف:۱۲)

اے اللہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔
لہٰذا آگ مٹی سے افضل ہے۔ وہ ابلیس کی ایک فکر تھی۔ مگر وہ جو ابلیس کی فکر تھی اُس سے فتنہ ہوا، فساد برپا ہوا اور خسارے ہوئے۔ لیکن جو فکر اللہ تعالیٰ کے نور کی شکل میں ابھرتی ہے، جس پر قرآن وسنت کی تعلیمات کے پہرے ہوتے ہیں اور سب سے پہلے جنہوں نے قرآن پڑھا اور جو پہلی امت گذر چکی ہے، اُن کی مقدس آراء کے سہارے سے جو بندہ آگے بڑھتا ہے تو یقیناً آج بھی اُسے ایسی غذائیت ملتی ہے کہ جس کو لفظوں میں کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

آج کے موضوع میں ایک لفظ ''تفکر'' ہے یعنی قرآن اور تفکر کائنات۔ کائنات میں تفکر ہے۔ قرآن مجید کائنات میں ہمیں تفکر کیسے سکھاتا ہے اور اس سے ہمیں کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اس واسطے پہلے تفکر کو سمجھنا ضروری ہے کہ تفکر کیا چیز ہے۔

تفکر کی لغوی واصطلاحی لحاظ سے وضاحت سید شریف جرجانی نے اس طرح کی ہے۔

تفکر کا لغوی معنیٰ

تَصَرُّفُ الْقَلْبِ فِیْ مَعَانِی الْاَشْیَاءِ لِاِدْرَاکِ الْمَطْلُوْبِ

(تعریفات جرجانی:۲۶)

''مطلوب کو حاصل کرنے کیلئے اپنے دل کو اشیاء کے معانی کے اندر متوجہ کرنا، اس کو تفکر کہا جاتا ہے۔ کسی مقصد کے حصول کے لئے جو اشیاء کے معانی ہیں اُن کے اندر اپنی سوچ کو لگانا اور اپنے خیال کو متوجہ کرنا، اس کو تفکر کہا جاتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس کی وضاحت کو بڑے اچھے طریقے سے اجاگر کیا۔ احیاء العلوم کتاب الفکر، جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 449 پر امام غزالی فرماتے ہیں۔

لَا یَخْفٰی اَنَّ الْفِکْرَ ھُوَ مِفْتَاحُ الْاَنْوَارِ

یہ کسی پر مخفی نہیں کہ فکر انوار کی چابی ہے۔

جس بندے کو روشنی درکار ہو اُسے تفکر کرنا چاہیے۔ لہٰذا انوار کے حصول کی چابی کو تفکر کہا جاتا ہے۔

وَ مَبْدَأُ الْاِسْتِبْصَارِ

اور جو انسان بصیرت چاہتا ہے، اُس کی خواہش ہے کہ وہ بصیرت افروز بن جائے، اُس کی باتیں بصیرت افروز ہوں اور حکمت سے لبریز ہوں۔ تو اُس کو پھر تفکر کی طرف آنا چاہیے۔

وَ ھُوَ شَبِیْکَۃُ الْعُلُوْمِ

اور جو بندہ علوم کو حاصل کرنا چاہے تو تفکر ایک جال ہے۔ جس طرح جال سے مختلف چیزوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ اس طرح علوم کا اگر کوئی بندہ شکار کرنا چاہتا ہے اور علوم کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُن کو اکٹھے کرنے والا جو جال ہے، اُس کو تفکر کہا جاتا ہے۔

تفکر کی صلاحیت جس وقت انسان کو حاصل ہوتی ہے تو اس تفکر کی بدولت انسان کیلئے وہ سارے علوم اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

وَ مِصْيَدَةٌ لِّلْمَعَارِفِ

اور یہ معارف کے شکار کرنے کا آلہ ہے۔

یعنی حصول معارف کا یہ ذریعہ ہے۔ لہٰذا تفکر ان کی روح کی غذا ہے۔ اور جس انداز میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعوت دی ہے۔ وہ انداز بڑا عجیب ہے۔ اس سے پتہ چلے گا کہ ہماری فکری ریاضت اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند ہے۔

ایک یہ ہے کہ ہم اپنا بدن بندگی میں تھکاتے ہیں۔ قیام کریں، رکوع کریں، سجدہ کریں یا حج میں طواف کریں یا سعی کریں، ایک یہ ہے کہ کمایا ہوا مال اللہ کیلئے دیں، ایک یہ ہے کہ ہم جہاد کریں یا بھوکا رہ کے ہم روزہ رکھیں اور ایک یہ ہے کہ جہاں بھی ہیں اپنی سوچ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں لگائے رکھیں اور مناظر کائنات کے اندر غور کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ جس کائنات کا حسن اتنا ہے، اُس کے خالق کا حسن کتنا ہو گا۔ جس کائنات کے نظاروں میں اتنی چاشنی ہے۔ اُس کائنات کے خالق کے اندر کتنے اور کس قدر انوار موجود ہیں۔ جو بندے کو نوازنے کے لئے کافی ہیں۔

اس بنیاد پر ابتدائی طور پر اس گفتگو میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تفکر کام کس کا ہے تفکر منصب کس کا ہے، تفکر کی دعوت کس کو ہے، تفکر شان کس کی ہے، تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (سورۃ الذاریات:۲۰)

زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لئے۔

کچھ آیات وہ ہیں جو قرآن مجید میں لکھی ہوئی ہیں اور کچھ آیات وہ ہیں جو کائنات میں بکھری ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین میں یقین والوں کے لئے

نشانیاں ہیں۔اس سے پتہ چلا کہ ہر بندہ ان آیات کو نہیں پڑھ سکتا۔ یہ خوراک یقین والوں کے لئے ہے۔زمین کے اندر آیات ہیں اور وہ یقین والوں کیلئے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ"۔(سورۃ آل عمران:۱۹۱)

زمین وآسمان کو جو ہم نے پیدا کیا ہے اس میں بھی نشانیاں ہیں اور پھر رات و دن کے اختلاف میں بھی نشانیاں ہیں۔

اختلاف کا مطلب ہے آگے پیچھے آنا جانا، کہ دن ہے پھر رات ہے۔ پھر رات کے بعد دن ہے۔اس میں نشانیاں ہیں۔کن لوگوں کیلئے؟

لِاُولِی الْاَلْبَابِ

عقلمند لوگوں کیلئے، سمجھ والوں کے لئے۔

اگر کوئی شخص تدبر کائنات نہیں کرتا تو اُس نے خود اپنے آپ کو پاگل قرار دے دیا ہے۔اُس نے خود اپنے آپ کو مجنون قرار دے دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس کو میں نے عقل دی ہے۔تو اس کی عقل مفید تب ہے۔ جب وہ عقل کو اس کام میں لگا دیتا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے کفار کو فرمایا کہ جو بہت کٹر مشرک تھے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ

وہ گونگے ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں۔

حالانکہ اُن کے کان بھی سلامت تھے، آنکھیں بھی سلامت تھیں، زبان بھی

سلامت تھی، اسکے باوجود وہ گونگے، بہرے اور اندھے قرار پائے۔ مطلب کیا تھا کہ جواُن کو اعضاء دیئے گئے اور جس کام کیلئے دیئے گئے وہ انہوں نے نہیں کیا۔ جب وہ کام اعضانہ کریں تو وہ بے فائدہ ہوتے ہیں، معطل ہوتے ہیں۔

گویا کہ اُن کے یہ اعضاء ہے ہی نہیں ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی دولت سے جو نوازا ہے تو تدبر کیلئے اور تفکر کیلئے، اگر کوئی شخص اپنی عقل کو، اپنی سوچ کو اور اپنے ان آلات کو اور جو اس کے ذہن کے اندر پانچ قوتیں موجود ہیں۔ کائنات میں تفکر کی طرف نہیں لگاتا تو ربّ ذوالجلال فرماتا ہے، اس نے عقل کا حق ادا نہیں کیا۔ جس کام کیلئے میں نے عقل دی تھی، اُس میں اس نے استعمال نہیں کی۔ لہٰذا اس کو عقل والا نہیں کہا جائے گا۔ اس کو بے وقوف کہا جائے گا۔ اس کو بے سمجھ کہا جائے گا اور جو زمین و آسمان میں تدبر کرتا ہے۔ اُس کو " اُولِی الْاَلْبَابِ " کے نام سے یاد کیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عقل رکھنے والے ہیں اور عقل کو استعمال کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ النحل میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (سورۃ النحل:۷۹)

اس میں ایمان والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (سورۃ الحجر:۷۵)

اس میں فراست والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

جس میں فہم و فراست ہے، اُس کو نشانی ملے گی، عام انسان کو نشانی نہیں ملے

گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ النحل آیت نمبر ۶۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ

بے شک اس میں تفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اس سے پہلے جس چیز کا ذکر ہو رہا تھا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ

کیا انہوں نے فضا کے اندر لٹکے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کسی رسی سے باندھ کر نہیں لٹکایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اُن کو وہاں ساکن کر دیا ہے، فضا کے اندر اُن کے پر رک گئے ہیں اور وہ پوری طرح ایک بار ساکن ہو گئے ہیں، جس نے بغیر کسی سہارے کے پرندے کو فضا میں ٹھہرا دیا ہے۔ اس کو جو بندہ دیکھے لیکن پھر بھی اُسے ربّ کا پتہ نہ چلے تو وہ بے وقوف نہیں تو اور کیا ہے۔ جو تفکر والا ہے اُس کو یقیناً پتہ چلے گا۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا۔ یہ بظاہر ایک دنیا کی چیز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا میں ہر جگہ میری نشانیاں موجود ہیں۔

یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ ۔ وَفِیْ کُلِّ ذَرَّۃٍ لَّہٗ شَاھِدٌ

ہر ذرے میں ایک گواہ موجود ہے جو یہ گواہی دے رہا ہے کہ خدا ایک ہے اور وہی سب کچھ کر رہا ہے۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیری

پوری کائنات میں ہر چیز ایک پیغام دے رہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور وہ خالق وحدہ لاشریک ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (سورۃ الروم:۲۲)

بے شک اس میں جاننے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

عام لوگوں کیلئے نہیں بلکہ جاننے والوں کیلئے، اس کے پیچھے اسلوب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ۔

بندے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا چاہتے ہیں تو اُن کو ان نشانیوں کی طرف آنا چاہیے۔ یہ عمومی نشانیاں ہیں۔ خصوصی نشانی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ سب سے بڑی علامت ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی آیت عظمیٰ ہے۔ یعنی سب سے بڑی نشانی ہے۔ لیکن اس رب کے نظارے، اُس کی نشانیاں اور اُس کے جلووں کا عکس ہر چیز میں نظر آتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

من آیاتہٖ

اللہ تعالیٰ کی آیات ونشانیوں میں سے آسمان کو پیدا کرنا ہے اور زمین کو پیدا کرنا ہے۔ اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے اور تمہاری زبانوں کا اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سب کے جدّ امجد ایک ہیں تو تمہارا رنگ ایک ہونا چاہیے تھا، نقش ونگار ایک طرح کے ہوتے اور خدوخال ایک طرح کے ہوتے لیکن واضح طور پر اختلاف موجود ہے۔ کروڑوں میں سے دو بندے آپس میں نہیں ملتے۔

کتنا اس میں اختلاف موجود ہے۔

پھر زبانوں کا اختلاف دیکھو۔ جو شخص ان میں تدبر کرتا ہے، تفکر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ضرور پہنچ جائے گا، اُسے معرفت ملے گی، اُسے پتہ چل جائے گا اور انہیں باتوں میں تدبر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے قرب میں داخل ہو جائے گا۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۔ (سورۃ الروم: ۲۳)

بے شک ان میں سننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تفکر کے لحاظ سے انسان کے ظاہری حواس خمسہ کا نام بھی لیا ہے۔ اور انسان کے باطنی حواس خمسہ کا نام بھی لیا ہے۔ باطنی قوتیں ظاہری قوتوں سے کہیں زیادہ تیز ہیں۔

ظاہر کے لحاظ سے بھی تفکر میں فائدہ مل جائے گا اور باطنی قوتوں کے لحاظ سے بھی تفکر میں فائدہ مل جائے گا اور جس وقت یہ فرمایا کہ بے شک اس میں نشانیاں ہیں سننے والوں کے لئے۔

اس سے قبل کیا بات ہو رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔

تمہارا رات کو سو جانا اور دن کو اُٹھ کے کاروبار میں لگ جانا۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

اب آپ دیکھیں قرآن انسانی مزاج کے کتنی قریب گفتگو کرتا ہے۔ اگر انسان یہ

نہیں پڑھے گا تو اور کیا پڑھے گا۔

اگر اس قرآن کی طرف نہیں آئے گا تو کونسی چیز انسان کی روح کو سکون بخش سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رات کو نیند آنا، کوئی آیت سے کم نہیں ہے۔ کہ دن کی تھکاوٹ تھی اور پورا دن کام کرتے کرتے اُس کے اعضاء جواب دے چکے تھے، وہ سمجھتا تھا کہ اب دو منٹ بھی مجھ سے کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب رات کو سلایا ہے اور صبح جب بیدار ہوا تو بیٹری پھر سے چارج ہو چکی تھی۔

ساری تھکاوٹیں اتر چکی تھیں، سارے غم دور ہو چکے تھے اور ایک نئی توانائی اُس کو میسر آ چکی تھی۔ پھر اس انداز میں سویا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو سکون دینا تھا تو ساتھ کچھ حواس بھی سلا دیئے ہیں۔ پاس باتیں ہو رہی ہیں لیکن اس کو خبر تک نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

اگر معمولی چیز پر بھی اس کو جاگ آ جاتی ہوتی، تو اس کی نیند کے تقاضے پورے نہ ہوتے۔ پھر اس کی تھکاوٹ پوری نہ اترتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نینداس انداز میں رکھی ہے کہ اس کو نصف موت بنا دیا ہے۔ نصف زندگی ہے اور نصف موت ہے۔ حیات برقرار تو ہے لیکن کچھ شعبے معطل ہو چکے ہیں۔

جو تمہیں اس طرح زندہ رکھ کے آدھا مارتا ہے یہ بھی اُس کی نشانی ہے کہ وہ کیسے تجھے نیند دیتا ہے۔ اور کس انداز میں تجھے نئے سرے سے تازگی دے کے اُٹھاتا ہے اور سارا دن تم کام میں پھر لگ جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

سوتے وقت بھی مجھے سجدہ کر کے سو جاؤ چونکہ تم ایک آیت میں داخل ہو رہے ہو

اور اُٹھتے وقت بھی مجھے سجدہ کرو کہ ایک اور آیت تمہارے پاس آرہی ہے۔اس بات کی سمجھ اُس کو آتی ہے جس کے کان حقیقت میں سننے والے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ۔ (سورۃ النحل:۱۳)

اس میں نشانیاں ہیں نصیحت پکڑنے والوں کے لئے۔

اس کا پس منظر کیا تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں پیدا کیا ہے اس کے رنگ جدا جدا ہیں۔ یعنی جتنا بھی پرندوں کے اندر حسن ہے۔جانوروں کے اندر حسن ہے پھولوں کے اندر حسن ہے۔

جو کچھ زمین پر رب ذوالجلال نے آباد کیا۔اسکے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسکو دیکھو تو سہی یہ جہاں سے پیدا ہوا وہاں یہ تمہیں رنگ نظر نہیں آتا، یہ بہترین پرندے اور اُن کے جو رنگ ہیں وہ مختلف ہیں یہ رنگ اللہ نے ان کو کیسے عطا کیے ہیں۔

ایسے مختلف جانوروں کے جو بچے ہیں اُن کے اندر جو رنگ ہے اور ایسے ہی زمین میں جو لالہ زار ہیں، گلزار ہیں، چیز سبز ہو لیکن اُس سے سرخ کیسے برآمد ہو، سبز پتوں سے باہر نکلے تو پھول سرخ ہو، اُس پھول کے اندر وہ سرخی کہاں سے آگئی، اُن میں سفیدی کہاں سے آگئی، اُس میں خوشبو کہاں سے آگئی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں اُن لوگوں کیلئے نشانی ہے جو نصیحت پکڑنے والے ہیں۔

جب دیکھیں گے تو انکو پتہ چل جائے گا کہ رب ذوالجلال کی جب یہ قدرت ہے

کہ وہ سبز سے سرخ بنا سکتا ہے۔ اور سبز سے سفید بنا سکتا ہے اور بالکل سیال مادے سے کئی رنگوں کے مجموعے بنا سکتا ہے۔

پھر کوئی بعید نہیں اُس نے مجھے بنایا تو مٹی سے ہے مگر اتنا بڑھائے گا کہ نوری مخلوق کا ہم پلہ قرار دے دے گا، فرشتوں جتنا مجھے مرتبہ عطا کر دے گا اور فرشتوں جتنی میری عظمت اجاگر کر دے گا۔ اگر میں اُس کی طرف مائل ہو جاؤں گا تو وہ ذرہ خاک کو اتنی بڑی عظمت عطا فرما سکتا ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو نصیحت پکڑنے والے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ (سورہ لقمان:۳۱)

ان میں ہر صبر کرنے والے اور ہر شکر کرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں۔

صبّار۔ صابر سے مبالغہ ہے یعنی جو بہت زیادہ صبر کرے۔

شکور۔ وہ شاکر جو بہت زیادہ شکر کرنے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنا کوئی بندہ میرے قریب ہو کے قرآن پڑھے گا۔ اُسی انداز میں اُس کو اگلے نظارے نظر آئیں گے، جتنا زیادہ صابر ہوگا اتنے زیادہ پردے اُٹھیں گے۔ جتنا زیادہ شاکر ہوگا اتنے زیادہ معانی سمجھ آ جائیں گے، اُس کے لحاظ سے اُس کو قرآن مجید سے نکھار ملے گا۔

اس سے پہلے اللہ نے ایک عجیب چیز کا ذکر کیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ۔

کیا تم نے دیکھا جو کشتی سمندر میں چلتی ہے تو وہ سمندر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت سے چلتی ہے۔ اللہ کے فضل سے چلتی ہے۔

لِيُرِيَكُمْ مِّنْ آيَاتِهِ (سورۃ لقمان آیت ۳۱)

سمندر میں کشتی چلا کے رب تجھے اپنی نشانی دکھانا چاہتا ہے۔ کہ

مائع پر اگر ایک سوئی بھی رکھی جائے تو نیچے چلی جاتی ہے۔ تو اتنا بڑا بحری بیڑا ہو جس پر پورا شہر آباد ہو، وہ جا رہا ہو، اور ڈوب نہ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس انداز میں کشتیاں پانی کے اوپر چلا کے میں اپنی قدرتیں دکھانا چاہتا ہوں۔

یہ آیات کس کیلئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صبار کیلئے اور شکور کیلئے اس میں نشانیاں ہیں۔ بحری سفر کا ایک فطری طور پر عمل ہے کہ اس میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ کبھی ہوا مخالف ہوتی ہے، کبھی موافق ہوتی ہے اور اُس میں وہ تیزی نہیں جو فضائی سفر میں موجود ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا مربوط نظام رکھا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اس کلام جیسا کسی کا کلام نہیں بن سکتا۔ کہ یہاں پر ظاہری طور پر نہیں کہ چار لفظوں کو جوڑ دیا جائے اور عبارت اچھی سی بنا دی جائے۔ نہیں نہیں ...... یہاں پر معنوی طور پر اتنا حسن ہے اور لفظوں میں اتنی شبنمی کیفیت ہے کہ انسان جس وقت دیکھتا جاتا ہے تو ہر لفظ ایسی مناسبت رکھتا ہے کہ انسان کروڑ سال بھی سوچے تو آپس میں دو لفظوں کا وہ ربط پیدا نہیں کر سکتا جو ربّ ذوالجلال نے ہر لفظ کو عطا فرما رکھا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنیوالے اور شکر کرنیوالے کے لئے نشانیاں رکھی ہیں۔ قرآن مجید میں تفکر کی جو دعوت دی گئی تو یہ قرآن ایسا بحر نا پیدا کنار ہے ہماری زندگیاں تو ختم ہو سکتی ہے لیکن تفکر باقی رہے گا۔ وہ ختم نہیں ہو سکتا۔

قرآنی مثال

اب قرآن مجید سے تفکر کیلئے مثالیں بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ۔

اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو پیغام بھیجا۔

اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا

کہ تو نے اپنے گھر خاص جگہوں پر بنانے ہیں۔ ہر جگہ پہ نہیں بنانے۔ ایک تو پہاڑوں میں تو نے گھر بنانے ہیں۔

وَ مِنَ الشَّجَرِ ۔

اور درختوں میں اپنے گھر بنانے ہیں۔

وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۔ (سورۃ النحل آیت ۶۸)

اور ہر وہ چیز جس میں چھت بنی ہوئی ہو وہاں تم نے اپنا گھر بنانا ہے۔

پھر تم نے گھر میں بیٹھ نہیں جانا بلکہ تم نے کچھ کسب بھی کرنا ہے۔ حرکت بھی کرنی ہے۔

ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۔

پھر تم کھاؤ پھل سے۔

کبھی مالٹے پہ بیٹھو، کبھی انگور پر، کبھی کھجور پر، کبھی خربوزے پر، کبھی کسی درخت پر اور کبھی کسی پھول کے پاس، کبھی کسی پھول کے پاس، تمہارا یہ کام ہے کہ تم نے چکر لگانے ہیں اور پھلوں سے رس بھی چوسنا ہے۔

فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً۔

اپنے رب کے راستوں میں نرمی سے چلنا ہے۔ جو تمہارے لئے راستے بنائے ہیں اُن کے اندر تو نے چلنا ہے۔

یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ۔ (سورۃ النحل:۶۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندو، سوچو! اگر میرے کہنے پر حقیر سے مکھی چلے تو اُس سے وہ کچھ نکلتا ہے جو تمہاری زبانیں پسند کرتی ہیں۔

ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کیڑے کی پشت سے چیز نکلنے والی ہو اور بندہ اُس کو چاٹے اور لذتیں حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک کیڑا میرا حکم مانے اور شہد تیار کرے تو اس کی پیداوار تمہیں پیاری لگتی ہے۔ جب کیڑا میرے کہنے کے مطابق چلا ہے تو اس سے اتنی میٹھی چیز نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے انسان! ہم نے تجھے اپنی قدرتوں کا شاہکار بنایا ہے اور کائنات میں مخلوق کی عظمتیں تمہیں عطا کردی ہیں۔ اب تم دیکھ لو رب کا حکم ماننے میں برکتیں کتنی ہیں۔

اُس نے جس کو پابند کیا تھا اُس نے ڈیوٹی پوری کی ہے۔ جہاں جہاں کہا تھا اُس نے گھر وہیں بنائے ہیں۔ اُس کے سوا مکھی نے کہیں گھر نہیں بنائے، گھر بنا کے وہ بیٹھ نہیں گئی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ڈیوٹی آج بھی پوری کرتی ہے۔ وہ اپنے گھر سے نکلتی ہے، چکر لگاتی ہے، پھول سونگھتی ہے، پھولوں کے پاس بیٹھتی ہے۔ جب اُس نے اللہ کا جو دیا ہوا order تھا اور نصاب زندگی تھا پورا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھ ہم نے کسی کو محروم نہیں رکھا۔ اگر ایک چھوٹا سا کیڑا ہماری بات مانے تو ہم اُسے نوازتے ہیں۔ اگر حضرت انسان جو کائنات کا مخدوم بنا ہوا ہے وہ ہماری بات مانے گا

تو ہم اُسے کیا انعام عطا فرمائیں گے۔

لہٰذا اس میں انسان کو متوجہ کر دیا گیا کہ کبھی بھی اپنے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا نہ رہے۔ کہ میں کچھ کرتا نہیں اور کماتا نہیں اور یہ سمجھ لے کہ یہ فطرت ہے......نہیں...... فطرت یہ ہے کہ تم حرکت کرو، برکت ربّ ذوالجلال شامل فرمادے گا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ انسانی مزاج کو Advance شعور دے رہا کہ کوئی بندہ یہ نہ سمجھے کہ میری تو ایسی کوئی صورتحال نہیں ہے کہ میری بھی زمانے کو ضرورت ہو۔ میری ذہانت ایسی نہیں ہے میرے پاس کوئی فن نہیں ہے، میرے پاس ایسی کوئی قدومات نہیں ہے اور میری کوئی ایسی حیثیت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو جتنا بھی گیا گذرا ہے۔ آخر تو شہد کی مکھی سے تو بڑا ہے اور تیرا مرتبہ، تیرا مقام اور تیری صلاحتیں، تیرے پاس جو ربّ ذوالجلال کا دیا ہوا ہے وہ شہد کی مکھی سے تو کہیں زیادہ ہے۔ اگر ایک شہد کی مکھی اللہ کا کہنا مانتی ہے تو پوری سوسائٹی کو اس کی ضرورت رہتی ہے، پوری سوسائٹی اُس کی محتاج ہو جاتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کوئی کسی فقیر کا بیٹا ہو یا امیر کا بیٹا ہو، اسکے پاس پیسے تھوڑے ہوں یا زیادہ ہوں، اُس کے پاس حسن وجمال ہو یا نہ وہ، اُس کے پاس زیادہ سہولیات ہوں یا نہ ہوں پھر بھی اے انسان تو جو کچھ بھی کرے گا تو زمانہ ضرور قدر کرے گا۔

ایک وقت آئے گا تیرے پاس جو بن ہوگا لوگ تجھے دیکھیں گے۔ لوگ تمہارے پاس اپنی ضرورت کیلئے آجائیں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے اندر ہر طرح کی روشنی موجود ہے۔ اسکا مقصد یہ تھا کہ جب مکھی، مکھی ہو کے رب کا کہنا مانے اگرچہ اُسے کوئی اشرف المخلوقات تو نہیں بنایا گیا اور اے

بندے تو اشرف المخلوقات کہلوائے اور پھر بھی تو رب کی بات نہ مانے تو تجھے اپنے وجود پہ افسوس کرنا چاہیے اور اس کو سمجھ کے پھر اللہ کے دربار میں مطیع ہو جانا چاہیے کہ جب مکھی اُس کا کہنا مانتی ہے تو مجھ پر اس کا فضل بہت ہی زیادہ ہے۔ لہٰذا مجھے بھی اپنے رب کا کہنا ضرور ماننا چاہیے۔

اس میں قرآن کے قرآن ہونے پر آج کوئی دہریہ ہم سے دلیل مانگتا ہے۔ تو ہر ہر لفظ سے ہم دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کریں گے کہ چودہ صدیاں قبل قرآن نے یہ پیغام دیا تھا اور آج تک مکھیوں کی وہ عادت موجود ہے۔ لہٰذا مکھیوں کا ان جگہوں پہ گھر بنانا اور صبح پھولوں کے پاس چکر لگانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جو خبریں دے وہ سچی ہوتی ہیں۔ قرآن کا جو پیغام ہو وہ سچا ہوتا ہے۔ یہ کتاب سچی کتاب ہے، یہ کتاب، کتاب انقلاب ہے یہ کتاب، کتاب ہدایت ہے، یہ عرش کا پیغام ہے، یہ انسانی زندگی کے لئے ایک دائمی سوغات ہے۔ لہٰذا قرآن اپنی صداقت کو خود واضح کرتا ہے۔

کوئی بندہ یہ ایک ہی آیت لے کے لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جائے اور کہے کہ دھریو! یہودیو! عیسائیو اور زمانے بھر کے منکرو! تم کیسے انکار کرسکو گے۔ کتنے سال قبل ہمارے قرآن نے ایک نصاب بیان کیا تھا اور تو اور رہا مکھی بھی اُس کی پابندی کرتی نظر آرہی ہے۔

لہٰذا ہم امریکہ سے کہیں گے، برطانیہ سے کہیں گے، یورپ سے کہیں گے ہم تمہارا World order نہیں مانتے، ہم اپنے پروردگار کا world order مانتے ہیں۔ جس دین کی یہ مثالیں موجود ہیں کہ اُس میں فائدہ کتنا ہے یہ ہمیں قرآن نے دکھادیا ہے۔

ہمیں تجربہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم اللہ کے دین پر عمل کریں تو ہمیں ملے گا کیا؟ ہمیں یہ مکھی شہد بنا کے بتا رہی ہے کہ ہم چھوٹی سی ہو کے یہ عمل کرتی ہیں اسکا یہ فائدہ ہے تم دین کو ادھورا نہ سمجھو پورا کر کے عمل کرو تمہیں بھی پورا فائدہ مل جائے گا۔

جس وقت تفکر و تدبر کی بات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ایک حصار میں بند کر دیا۔ ہمارے اردگرد قلعہ ہے۔ یعنی اگر کوئی بندہ عقل سلیم رکھتا ہے تو اُسے تفکر و تدبر ضرور کرنا پڑے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پہ کرم ہے کہ بندہ بھاگ نہ سکے جدھر دیکھے سامنے میری قدرت ہو، تاکہ کہیں نہ کہیں تو یہ گرفتار ہو جائے اور جہنمی کہیں قدرت دیکھتا ہوا جنتی بن جائے۔

دیکھنے والوں کا کیا حسین اسلوب ہے۔

پڑھنے کا سلیقہ ہو تو پڑھ لیتے ہیں کچھ لوگ
پانی پہ لکھی ہوئی تحریر ہوا کی

حضرت ابو سلیمانی درانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

اِنِّیْ لَاَخْرُجُ مِنْ مَنْزِلِیْ۔

میں جب اپنے گھر سے باہر نکلتا ہوں۔

فَمَا یَقَعُ بَصَرِیْ عَلٰی شَیْءٍ۔

جس چیز پر بھی میری نظر پڑتی ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟

اِلَّا رَاَیْتُ لِلّٰہِ فِیْہِ نِعْمَۃً وَّلِیْ فِیْہِ عِبْرَۃً۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۳۸)

مجھے وہاں ہی کوئی اللہ کی نعمت نظر آتی ہے اور اپنے لئے مجھے ایک سبق نظر آتا ہے۔ میں جس طرف دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی قدرتیں نظر آتیں ہیں۔

یہ با قاعدہ اللہ والوں کا انداز ہے کہ اللہ نے اُن کو ایسی آنکھیں دی ہیں کہ وہ جس چیز کو بھی دیکھتے ہیں، بالطبع دیکھتے ہیں۔ حقیقت میں دیکھنے کی نیت ہے کہ یہ ہمارے خالق کی بنائی ہوئی ہے۔

وہ چاند کو دیکھے تو چاند کو دیکھنا مقصود نہیں۔ بلکہ چاند کے خالق کو دیکھنا مقصود ہے۔ سورج کو دیکھے تو اسکو دیکھنا مقصود نہیں، بلکہ دیکھنا اُس کے خالق کو مقصود ہے۔ اس انداز میں دیکھنا اور اس کا ایک تدبر ہمارے نزدیک اردگرد حصار ہے۔ اس کی صورتحال کو یوں سمجھ سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۔

اور زمین میں یقین والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تم نیچے زمین کی طرف دیکھو گے تو میری قدرت بولے گی کہ ایسی زمین اور کس نے بنائی ہے؟ اللہ کے سوا کون بنا سکتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ دکھا کے بندے کو پڑھانا چاہتا ہے کہ ہم نے زمین کو کہا تھا کہ تو نے جمے رہنا ہے۔ حرکت نہیں کرنی۔

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا ۔ (سورۃ النمل:۶۱)

وہ ذات جس نے زمین کو ٹھہری ہوئی بنایا ہے۔

سائنسدانوں کے نظریے الٹتے پلٹتے ہیں مگر قرآن کی حکمت اپنی جگہ موجود رہی۔ اللہ نے اس زمین کو ٹھہری ہوئی بنایا ہے۔ یہ حرکت نہیں کرتی۔ یہ رکی ہوئی ہے اور اسکو مستقر بنایا ہے۔ تو اے انسانو! دیکھو اس نے آج تک اللہ کا حکم مان رکھا ہے۔ زمین یہ نہیں کہتی کہ لوگو میں تمہارا بوجھ اٹھا اُٹھا کے تھک گئی ہوں۔ یہ بوجھ کہیں اور لے جاؤ۔

زمین کو دیکھ لو اگر یہ روئی کی بنی ہوئی ہوتی تو نرم ہوتی، پھر بلڈنگوں کے بوجھ کون اُٹھاتا۔ اگر یہ لوہے کی ہوتی تو پھر یہ بوجھ تو اُٹھاتی مگر جو اس پر پیدل چلتا اُس کے قدموں کو چند منٹوں کے بعد پتہ چل جاتا کہ زمین پہ چلا کیسے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ہم نے اس میں طاقت رکھی، قوت رکھی، بوجھ اُٹھاتی ہے، اتنی بڑی بڑی بلڈنگیں ہیں یہ اُن کے بوجھ، پہاڑوں کے بوجھ، سواریوں کے بوجھ اور انسانوں کے بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے۔ اس لحاظ سے سخت بڑی ہے۔

لیکن یہ نرم اتنی ہے کہ اتنا پیار بندے کی ماں بھی نہیں کرتی جتنا اس سے یہ زمین کرتی ہے۔ زمین کا پیار کیا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۔ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا۔ (سورۃ المرسلت:۲۵۔۲۶)

کیا ہم نے تمہارے لئے زمین کو میزبان نہیں بنایا۔ یہ تمہاری جامع ہے۔ جب تک زندہ رہتے ہو تمہارے کھانے کیلئے اگاتی رہتی ہے۔ اور جب فوت ہوتے ہو تو گھر والے جب نہیں رکھ سکتے اس وقت بھی یہ زمین انکار نہیں کرتی۔ یہ اپنا سینہ کھولتی ہے اور برداشت کرتی ہے۔ وہ ماں جس کے جگر کا ٹکڑا فوت ہو چکا ہے۔ اب وہ بھی مجبور ہے کہ اس کو کہیں دفن کیا جائے۔ ورنہ اس سے جب بو نکلے گی تو میرے لئے امتحان بن جائے گا۔ جس وقت وہ ماں رکھنے کیلئے تیار نہیں تھی اس زمین نے پھر بھی سینہ کھولا ہے اور اپنے اندر اسکو قبول کرلیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر نیچے دیکھو گے تو پھر بھی میری قدرت ہے۔ بھاگ نہیں سکو گے زمین بھی تمہیں میرا پتہ دے گی۔ یہ زمین لیٹی ہوئی ہے۔ لیکن اگر آزمائش کیلئے ایک

انگڑائی لے تو پھر گذشتہ سال رمضان کے مہینے میں ایک منٹ کے اندر کیا کچھ ہو گیا۔

اگر ایک منٹ کے اندر اتنا نقصان ہو سکتا ہے تو اتنے سالوں سے لیٹ کر جو اتنا فائدہ دیتی ہے اے بندے! وہ فائدہ بھی تو دیکھا کرو۔ اُس میں فائدے کتنے ہیں۔ جب ٹھہری ہوئی ہے تو کیا کچھ دے رہی ہے۔ یہ منٹ کی انگڑائی احساس دلانے کیلئے ہے کہ اگر یہ نہ ٹھہرے تو کیا ہوتا ہے۔ تا کہ اس کے ٹھہراؤ کا بندوں کو پتہ چل سکے۔ لہٰذا ہم حصار میں ہیں نیچے دیکھیں گے تو پھر بھی قدرت سے بھاگ نہیں سکیں گے۔ ہماری آنکھوں کو زمین روکے گی کہ بندو! قدرت کو پڑھ کے جاؤ۔ اللہ کی توحید کو سمجھ کے جاؤ۔ اگر دائیں بائیں دیکھیں گے، اوپر دیکھیں گے، نیچے دیکھیں گے، اپنے آپ کی طرف دیکھیں گے تو قرآن کہے گا۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ (سورۃ الذریات:۲۱)

یہ تو تمہاری جانوں کے اندر بھی ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

سوچتے نہیں ہو کہ اللہ ہی بنانے والا ہے۔ وہ ایک ہے یہ تو تمہاری جانوں کے اندر بھی ہے۔ تم تدبر کرو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ نے مجھے کیسی ذہانت دی ہے۔ ایسی الماری دی ہے کہ ساری الماریاں تنگ آ جاتی ہیں مگر بندے کی سوچ کی اور ذہانت کی الماری کیسی ہے، دس کتابیں پڑھے پھر بھی اُس میں گنجائش ہے، بڑھ جائے پھر بھی گنجائش ہے، لاکھ پڑھ جائے پھر بھی اس میں گنجائش ہے۔ کبھی بھی اس کو علمی بدہضمی نہیں ہوتی کہ اب اتنا پڑھ لیا ہے۔ لہٰذا ہاضمہ ٹھیک نہیں رہا یا اس کے اندر مزید آ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہر چیز اپنی دیکھ لو۔ تم جدھر دیکھو گے تمہارا بدن بھی یہ کہے گا کہ یہ وحدہ لاشریک نے پیدا کیا ہے۔

اور تو اور رہا انسان کا اپنا چہرہ، چہرے کے اوپر آنکھیں، چہرے کے ساتھ کان یہ جو ساری چیزیں ہیں ان میں سے ہر ایک کے اندر حکمت ہے۔

اب کان آگے ہو سکتے تھے۔ آنکھیں سائیڈوں پہ ہو سکتی تھی لیکن اللہ نے کان سائیڈوں پہ لگا دیے آنکھیں سامنے لگائی ہیں کیونکہ دیکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ سامنے دیکھا جائے۔ اگر کانوں کی جگہ آنکھیں ہوتیں تو پھر وہ دائیں بائیں تو دیکھتیں لیکن سامنے ایکسیڈنٹ ہوتا رہتا۔ اور بندے کو کوئی پتہ نہ چلتا۔

سماعت ایسی چیز ہے کہ سماعت بندے کو پیچھے سے بھی آسکتی ہے اور آگے سے بھی آسکتی ہے۔ اُس کے لئے ضروری نہیں کہ جس کو سننا ہو اُس کے سامنے ہی کان رکھے جائیں تو پھر ہی سنا جائے آواز کہیں سے ہوتی ہوئی کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔

لہٰذا قدرت کا یہ فیصلہ تھا کہ کان وہاں لگائیں جہاں ہر طرف سے آواز آجائے گی تو گذارہ ہو جائے گا اور اُس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوگا اور آنکھیں وہاں لگائیں گے کہ جہاں لگائے بغیر بندے کا گذارہ نہیں ہوگا۔ جب آنکھیں سائیڈ پر ہونگی تو یہ چار قدم بھی نہیں چل سکے گا۔ دھکے لگیں گے اور ٹکے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنا آپ ہی دیکھو تمہارا بدن میرے وجود کی گواہی دے رہا ہے۔

اور تو اور رہا یہ انسان کا جو ایک ہاتھ ہے۔ اگر اس ایک ہاتھ پہ یہ گھنٹوں بحث کرے تو اس کو پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کتنی قدرت اور کتنی حکمت سے بنایا ہے۔ اگر یہ گوشت چپٹا ہوا عضو ہوتا تو پھر اس سے کسی کو مارا تو جا سکتا تھا مگر کسی کو تھاما نہیں جا سکتا تھا۔ حالانکہ بندے کو کبھی مارنے کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کسی کو سہارا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر یہ صلاحیت رکھی کہ انگلیاں بنا دیں۔

اگر انگلیوں کے درمیان میں فاصلہ نہ ہوتا تو پھر بھی پورا فائدہ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے درمیان میں فاصلہ رکھا تا کہ جب پکڑو تو اچھی طرح چیز کو پکڑا جا سکے۔ جیسے کوئی رینچ ڈال دیا گیا ہے۔ اگر انگلیاں ایک طرف ہوتیں تو پھر دوسری طرف سے چیز نکل جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے انگوٹھا سائیڈ پہ لگایا۔ ایک طرف سے انگوٹھا کور کرے گا، دوسری طرف سے انگلیاں پکڑیں گی، جب کوئی بندہ پکڑنا چاہے گا تو مضبوطی سے پکڑے گا۔ پھر اگر انگلیوں میں پورے نہ ہوتے تو سیدھی انگلیاں ہوتیں تو پھر بھی معمولی سا کسی کو سہارا ملتا۔ اور چیز تھوڑی سی تھامی جا سکتی تھی۔ اُس کو مضبوطی سے پکڑا نہ جا سکتا تھا۔ تو ربّ ذوالجلال نے پھر انگلیوں میں جوڑ بنائے تا کہ لیٹ جائیں چمٹ جائیں اور پوری طرح اُس چیز کو پکڑ سکیں۔

جوڑ بن جانے کے بعد آخر میں ناخن نہ ہوتا تو پھر بھی تقویت پوری نہ ہوتی، انگلیوں کا سارا زور ختم ہو جاتا۔ یہ اس سے پوچھو جس کی انگلی تو ہے مگر ناخن کٹ چکا ہے۔ جب ناخن کٹ جائے تو انگلی کا کیا حال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخر میں ناخن بنا کر پھر اس میں مزید پاور بھر دی ہے اور اس کے بعد اس میں لکیریں نہ ہوتیں تو جو چیز بندہ پکڑتا وہ اچھلتی، کودتی اور مچھلی کی طرح دور جا گرتی تو اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں لکیریں بھی بنا دی ہیں تا کہ جب پکڑے تو اچھی طرح مضبوطی سے چیز کو پکڑ سکے۔

اب بتاؤ جس رب نے ہاتھ بنانے میں اتنی حکمتیں پیش نظر رکھی ہیں۔ اُس نے پورا انسان بنانے میں کتنی حکمتوں کو پیش نظر رکھا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آفاق کے اندر غور کر لو یا اپنے آپ کے اندر غور کر لو۔

؎ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اپنے آپ کو دیکھو تو پھر بھی بھاگ نہیں سکو گے۔ وہاں سے بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام ضرور ملے گا۔

ایسے ہی اللہ نے حصار بنا دیا۔ جدھر دیکھو ہر طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ بالخصوص جس ماحول میں قرآن نازل ہو رہا تھا۔ وہ عرب ہے، وہ پہاڑ ہیں اور سفر اونٹوں پہ ہوتا تھا۔ جس وقت انسان اکیلا سفر کر رہا ہو تو اُس وقت اُس کو سوچنے کا موقع ملتا ہے۔ ورنہ دوستوں کے ساتھ گپیں لگاتا ہوا گذر جاتا ہے۔ لیکن ایک شخص اونٹ پہ بیٹھا ہے عرب شریف کا ماحول ہے۔ دائیں بائیں پہاڑ ہیں وہ اونٹنی پہ بیٹھا ہے۔ اور وادی کے درمیان سے جا رہا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ٥ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ٥ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ٥ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ٥

تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا اور آسمان کو کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑوں کو کیسے قائم کئے گئے اور زمین کو کیسے بچھائی گئی۔

اے انسان! تو بھاگے گا تو کہاں بھاگے گا۔ اوپر دیکھے گا یا نیچے دیکھے گا دائیں دیکھے گا یا بائیں دیکھے گا جدھر بھی دیکھے گا سامنے سے میری قدرت بولے گی۔

جس اونٹ پہ وہ سوار ہے اگر اس اونٹ کو دیکھے گا اُس کو پھر بھی میری قدرت کا پتہ چلے گا کہ اللہ نے بنایا ہے تو کیسے بنایا ہے، کتنا بڑا ہے، اسکی قامت کتنی ہے، اور پھر اس میں استقامت کتنی ہے، اور بندے کی اطاعت کتنی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بطور خاص اسکا ذکر کیا۔ اگر یہ کھانے پہ آئے تو کوئی نخرہ نہیں کرتا

کہ یہ چارہ کھاؤں گا یہ نہیں کھاؤں گا۔ ہر جڑی بوٹی کھاتا ہے۔اس میں یہ افادیت ہے کہ دس دس دن تک کھائے پیئے بغیر گذارہ کرسکتا ہے۔اس میں سٹور کرنے کی اتنی صلاحیت موجود ہے۔ پھر اس کا گوشت بھی استعمال ہوسکتا ہے۔اونٹنی کا دودھ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔اور پھر بوجھ اٹھانے کیلئے اس کے اوپر بھی لادا جاسکتا ہے اُس کو وزن کھینچنے کے لئے آگے جُوتا بھی جاسکتا ہے۔اُس پہ سواری بھی کی جاسکتی ہے۔ پھر اپنی خوراک کے لحاظ سے یہ نہیں ہے کہ ضرور اُس کے لئے اہتمام کرو کہ نیچے رکھو۔ اُس کی اتنی لمبی گردن ہے خود بخود جہاں سے چاہتا ہے وہ وہاں سے خوراک اُتار لیتا ہے اور کھالیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اُس کی لمبی گردن بنا کر اُس کے بوجھ لدوانے کا جو طریقہ دیا ہے۔وہ بیٹھ جاتا ہے کہ اپنی مرضی تم پوری کرواپنی تسلی کرلو، جو لادنا ہے وہ مجھ پہ لادلو پھر توازن قائم رکھنے کیلئے ایک لمبی گردن عطا فرمائی ہے یوں بوجھ سمیت اُٹھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اپنے آپ کو نہیں دیکھتا تو اپنے اونٹ کو ہی دیکھ لے۔ تیرا اونٹ بھی تجھے میری خبر دے رہا ہے۔

والی السمآء کیف رفعت۔

یہ لوگ جو مجھے نہیں مانتے یہ آسمان کو ہی دیکھ لیں کہ آسمان کو کیسے اُٹھایا گیا ہے۔ کوئی بند نہیں، کوئی جوڑ نہیں، کوئی پھٹن نہیں، کوئی شگاف نہیں تو یہ آسمان بھی دعوت دے رہا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

والی الجبال کیف نصبت۔

اگر یہ پہاڑوں میں توجہ کرے کہ اللہ نے یہ کیسے میخیں لگادی ہیں۔اتنے بلند

پہاڑ کیسے بنائے ہیں۔ادھر دیکھے گا تو یہ بھی میری قدرت کا پتہ دیں گے۔

والی الارض کیف سطحت۔

اگر زمین کی طرف نظر کرے گا تو یہ دیکھے گا کہ اللہ نے اس کی سطح کیسی بنائی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک قلعے میں رکھ دیا ہے کہ جدھر دیکھیں گے اُدھر سے ہی اللہ تعالیٰ کا پیغام ملتا جائے گا۔

ایک آیت جو ہمیں تفصیلاً تدبر کی دعوت دیتی ہے اس کا انداز دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ جب ہمیں تفکر کی دعوت دی تو فرمایا۔

۱۔ اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

بے شک زمین و آسمان کی تخلیق میں۔

۲۔ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ۔

دن اور رات کے آنے جانے میں۔

۳۔ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ۔

اور اُس کشتی میں جو سمندر میں جارہی ہے۔

بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ۔

اس چیز کے ساتھ جس سے وہ لوگوں کو فائدہ دیتی ہے۔

۴۔ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا۔

فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا ۔

پھر زمین کو "اس کے مرنے کے بعد" زندہ کر دیا۔

پہلے زمین بنجر تھی، آسمان سے پانی نازل کر کے اس کو زندگی بخشی۔

۵۔ وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ ۔

اور ہواؤں کے پھرنے سے۔

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ۔

زمین وآسمان کے درمیان لٹکے ہوئے بادل میں۔

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۶۴)

ان سب میں عقل والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔

اب ایک خلاصہ کے طور پر اس بات کو ذہن میں رکھو۔

کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی دلالت کرتی ہے اور اس کے وحدہ لا شریک ہونے پر بھی دلالت کر رہی ہے۔

اس واسطے کہ اگر کوئی خدا بطور فرض اللہ تعالیٰ کے سوا ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔

خدا وہ ہے جو چاہے وہ کر سکے۔ اگر اپنی مرضی پوری نہ کر سکے تو وہ خدا کس چیز کا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ سورج طلوع کروں۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا وہ بھی تو اپنی مرضی کرتا کہتا کہ میں غروب رکھوں گا، طلوع نہیں ہونے دوں گا۔ پھر جھگڑا ہو جاتا۔

رب چاہتا کہ بارش برسانی ہے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو کہتا کہ نہیں آج میں نہیں برسانے دوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔ (سورۃ الانبیاء:۲۲)

اگر میرے سوا اور بھی کوئی اِلٰہ ہوتا نہ زمین چل سکتی تھی نہ آسمان چل سکتا تھا۔

جو پوری کائنات کا نظام مسلسل بغیر کسی رکاوٹ کے چل رہا ہے۔ وقت معین پر ہر چیز جارہی ہے اور پابندی کر رہی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ذات ہے

اور وہ وحدہ لاشریک ہے اُس کے ساتھ کوئی ایسی ذات نہیں ہے۔

ہم جتنے کائنات میں ہیں ہم ممکن ہیں۔ ممکن وہ ہے کہ جس میں عدم بھی ہے وجود بھی ہے۔ ایک وقت تھا ہم معدوم تھے۔ اب ہم موجود ہیں۔ پھر ہم معدوم ہو جائیں گے۔

ہمارا وجود آیا تو کیسے آیا؟ تو جس ذات نے ہمیں پیدا کیا ہمیں وجود دیا وہ ذات ممکن نہیں بلکہ وہ واجب ہے کہ جس پر کبھی عدم نہیں آتا اور جس پر کبھی زوال نہیں آتا۔

اس واسطے واجب الوجود کا عقیدہ ذرے ذرے سے ہم بیان کر سکتے ہیں۔

اس وقت تفکر کائنات کو قرآن سے اخذ کرنا مقصود ہے۔

اس کی روشنی میں صرف آئمہ اربعہ کے اقوال آپ کو سنا دیتا ہوں۔

توحید باری تعالیٰ کو سمجھانے کیلئے کتنا ان کا حسین استدلال ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کی توحید کو سمجھیں تو کیسے سمجھیں آپ نے فرمایا۔

وَرَقَةُ الْفِرْصَادِ

شہتوت کا جو پتہ ہے اس میں تدبر کر لو تمہیں توحید سمجھ میں آجائے گی۔

اس سائل نے پوچھا کہ شہتوت کے پتے سے توحید کیسے سمجھ میں آئے گی۔

اس پر امام شافعی فرمانے لگے۔

یہ جو شہتوت کا پتہ ہے اس کو بکری بھی کھاتی ہے، ہرنی بھی کھاتی ہے، ریشم کا کیڑا بھی کھاتا ہے اور شہد کی مکھی بھی کھاتی ہے۔

اگر کائنات بائی چانس ہوتی تو پھر کیا ہوتا۔ جب پتے ایک طرح کے ہیں تو Production بھی ایک طرح کی ہوتی۔

جو پتہ بکری نے کھایا ہے یا ہرن نے کھایا ہے یا ریشم کے کیڑے نے کھایا ہے یا مکھی نے کھایا ہے۔

اس میں یہ نہیں تھا کہ پتے جدا جدا تھے اُن کے خواص جدا جدا تھے، اُن کی طبیعت اور مزاج جدا جدا تھا۔ نہیں...... پتے سارے ایک طرح کے تھے۔

مگر کہیں سے نرم ریشم برآمد ہوا۔ کہیں سے میٹھا شہد برآمد ہوا۔ کہیں سے کستوری کی خوشبو برآمد ہوئی اور کہیں سے مینگنی ایک ادنیٰ سی چیز نکلی۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں آ گئی کہ جو ایک چیز سے اتنی جدا اور ممتاز چیزیں بنائے اُسے ربّ کائنات کہا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا کہ توحید پر دلیل کیا ہے۔

تو آپ فرمانے لگے کہ

ایک بند قلعہ ہے توحید اس سے سمجھ لو۔ اُس کے باہر چاندی لگی ہوئی ہے اندر سونا ہے اور وہ قلعہ ہوا بند ہے۔ یعنی ہوا اُس میں داخل نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب اُس قلعہ کی دیواریں ٹوٹتی ہیں تو اندر سے ایک جاندار برآمد ہوتا ہے۔ جو دیکھتا بھی ہے سنتا بھی ہے بولتا ہے۔

آپ فرمانے لگے اُس ہوا بند کمرے میں اور ہوا بند قلعے میں جس نے ذی روح کو جان دے کے باقی رکھا ہے۔ اُسے ربّ کائنات کہا جاتا ہے۔

پوچھا گیا وہ کیسے تو آپ فرمانے لگے۔

وہ مرغی کا انڈہ ہے۔

باہر چاندی ہے، اندر زردی سونا ہے اور ہوا بند ہے۔ باہر سے ہوا اندر نہیں جاتی لیکن وقت معین پر جب وہ انڈہ ٹوٹتا ہے تو چوزہ بولتا ہوا باہر آجاتا ہے۔ وہ زندہ ہے، بولتا بھی ہے۔ امام احمد بن حنبل کہنے لگے تم دور جا کے کیا سمجھو گے یہیں سے سمجھ لو جو اتنی قدرتوں والا ہو اُسے ربّ کائنات کہا جاتا ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ توحید کیسے سمجھیں۔

آپ فرمانے لگے کہ تمہارے منہ میں جو زبان ہے۔ اسی سے توحید سمجھو کہ توحید کیا ہے۔ پوچھا گیا کیسے؟ تو آپ نے فرمایا۔

زبانیں ساخت اور بناوٹ کے لحاظ سے سارے لوگوں کی ایک جیسی ہے۔

یہ نہیں ہے کہ جو پنجابی ہو اُس کی اور ہو، جو عربی ہو اُس کی زبان اور ساخت کی ہو، جو امریکی ہو اُس کی زبان اور ساخت کی ہو۔

نہیں...... زبانیں سب کی ایک طرح کی ہیں۔ امام مالک فرمانے لگے کہ جب زبانیں بناوٹ کے لحاظ سے ایک جیسی ہیں تو پھر زبانوں کی بولی بھی ایک ہونی چاہیے۔ زبانوں سے جو کچھ نکلتا ہے وہ ایک طرح کا ہونا چاہیے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اگر کوئی کندھار میں پیدا ہو تو وہ پشتو بولتا ہے۔ اصفہان میں پیدا ہو تو فارسی بولتا ہے اگر کوئی گوجرانوالہ میں پیدا ہو تو پنجابی بولتا ہے، اگر ماہ مدینہ کے دیس مدینہ شریف میں پیدا ہو تو وہ بولتے وقت فصیح عربی بولنا شروع کر دیتا ہے اور اگر وہ امریکہ میں پیدا ہو تو وہ بولتے وقت وہاں کی زبان بولنا شروع کر دیتا ہے۔

امام مالک فرمانے لگے اگر کائنات بائی چانس ہوتی تو پھر ایک طرح کی زبان سے بولی ایک طرح کی ہونی چاہیے تھی۔ جو ایک زبان کو ہزاروں بولیاں دے اسے رب کائنات کہا جاتا ہے۔

پھر زبانوں میں فرق اتنا ہے کہ کہیں ایسی ہی زبان سے بولے تو اتنا میٹھا کہ اُس پر کوئل کا ترنم بھی نثار ہو جائے۔ کہیں بولے تو اتنا کھردرا کہ سننے والوں کے کان تنگ آ جائیں۔ کہیں بولے تو شیروں جیسی گرج اُس میں موجود ہو اور کہیں بولے تو شبنم جیسی نرمی اُس میں موجود ہو۔ جو ایک زبان کو اتنی صلاحتیں دے اُسے رب ذوالجلال کہا جاتا ہے۔

حضرت امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت امام اعظم سے توحید کے موضوع پر جب دھریئے بات کرنے کیلئے آ گئے تو میرے امام نے فرمایا کہ تم مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہو۔ اس سے پہلے مجھے ایک بات کا جواب دو۔ ''دجلہ کے ایک کنارے کو ''رصافہ'' کہا جاتا ہے اور دوسری طرف کو ''کرخ'' کہا جاتا ہے''۔

ایک شخص آج جانب کرک سے رصافہ آنا چاہتا تھا دریا پہ پل نہیں تھا۔ کشتی کے ذریعے اُس نے گزرنا تھا۔ اچانک درخت گرا اُس کے پھٹے اور تختے بن گئے اور وہ جڑ گئے تو کشتی بن گئی کشتی تیرنے لگی وہ بندہ اس کشتی میں بیٹھا ملاح موجود نہیں تھا اور ہوا بھی مخالف سمت کی تھی۔ کیا تم یہ مانتے ہو کہ وہ کشتی بغیر ملاح کے خود چلتے چلتے بندے کو ساحل مراد پہ لے جائے گی۔ ایسا ہو سکتا ہے؟

وہ کہنے لگے۔ اے امام آپ ہر بات بڑی معقول کرتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کشتی بغیر ملاح کے ہواؤں کو اور سمندر کے طوفانوں کو اور دریا کی موجوں کو چیرتی

ہوئی بندے کو ساحل پہ لے جائے۔

اس پر میرے امام نے کہا: پھر مناظرہ مجھ سے کس بات کا ہے۔ جھگڑا کس بات کا ہے۔ اگر ملاح کے بغیر کشتی نہیں چل سکتی تو خدا کے بغیر ہستی بھی نہیں چل سکتی۔

یہ ان اسلاف کا انداز ہے اور یہ تدبر کائنات کا انداز ہے۔ جس وقت انسان تدبر کرتا ہے ہر طرف سے اُس کو یہ سبق ملتا ہے کہ ربّ کائنات کی ذات موجود ہے۔ آج ہمارا سبق یہ ہے کہ اُس کی قدرتوں کو مانتے ہوئے اور جانتے ہوئے ادھر متوجہ ہونا چاہیے۔ رات کے بعد دن جب آئے تو وہ دن مفت میں دیتا ہے۔ ہم ساری زمین خرچ کر کے اگر رات کے بجائے دن لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب رات کے بعد دن مفت ملا ہے تو اس سے پہلے مجھے سجدہ کرو۔ نیا دن آئے تو نیا سجدہ ہونا چاہیے۔

لہٰذا تفکر کا نتیجہ اطاعت ہے۔ کہ بندہ اپنے رب کے دربار میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی عاجزی وانکساری کو پیش کرے، سرکش اور باغی نہ بنے۔ یہ میں نے تفکر کائنات کا ایک خلاصہ پیش کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکا حقیقی مقصد پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر
7

تصوف عقیدۂ توحید کی معرفت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِعَشْرَۃٍ یعتق فیھا مِنَ النَّارِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ

(سپارہ نمبر ۱۱۔ یونس، آیت نمبر ۵۷)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

ھُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ

لِکُلِّ ھَوْلٍ مِّنَ الْاَھْوَالِ مُقْتَحِمِ

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ

سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ وَاَعْظَمَ شَانُہٗ وَاَتَمَّ بُرْهَانُہٗ، کی حمد وثنا اور حضور سرورِ کائنات، مفخر موجودات، ختم الرسل، مولائے کل، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیۂ درود وسلام عرض کرنے کے بعد وارثان منبر ومحراب اربابِ فکرودانش نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم کے بائیسویں پُرنور پروگرام میں ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ ربّ ذوالجلال ہمیں فقاہتِ دین عطا فرمائے۔

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے:

''تصوف عقیدۂ توحید کی معرفت''

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اسکے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں رموز تصوف سے آشنا فرمائے اور طریق تصوف پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ موضوع نہایت ہی اہم موضوعات میں سے ہے۔ آج چونکہ اغیار کی سازش پر جہاں امت مسلمہ کے چند دیگر خصائص پر اور خوبیوں پر اعتراض کیا جاتا ہے وہاں امت مسلمہ کی اس شان تصوف پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔

اس امت کی فضیلت یہ ہے کہ پہلی امتوں کو اپنے انبیاء پر اتری ہوئی کتابیں

محفوظ کرنے میں بھی کامیابی نہ مل سکی اور اپنی کتابوں میں تحریف کر بیٹھے۔ اس امت کی شان یہ ہے کہ انہوں نے صرف کتاب کو ہی محفوظ نہیں رکھا بلکہ اپنے نبی علیہ السلام کے خطاب کو بھی محفوظ رکھا ہے۔

اس کے بعد ان کا مقام یہ ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب علیہ السلام کی کیفیات کو بھی محفوظ رکھا ہے۔ تصوف دراصل آپ کی کیفیات کی حفاظت کا نام ہے۔

تو یہ اس امت کی ایک شان ہے تعجب ہے کہ اس پر بھی لوگوں کو اعتراض ہے آج اس پر بھی لوگوں کو اعتراض ہے۔ جس وقت امت مسلمہ کا کارواں عہد نبوت سے یعنی آپ کی ظاہری حیات سے آگے گزرا تو یکبار مادہ پرستی کا حملہ ہوا۔ ہر طرف سے سازشیں ہوئیں اور شیطانی لشکروں نے یہ چاہا کہ ان کے دلوں میں جو ایمان کا نور ہے اگر وہ مٹ نہیں سکتا تو کم از کم مدھم ہو جائے۔

دنیا کی محبت کے دھند لکے اور مختلف مادہ پرستی کے غبار جس وقت دلوں پر پڑنے لگے تو آگے سے تصوف نے دلوں کو نئی چمک عطا کر دی۔

صحابہ کرام کیلئے کسی ایسے غسل کی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنے دلوں کو غسل سے پاکیزہ کرتے اور ان کو چمک دیتے۔ اُن پر نبی علیہ السلام کا ایک جلوہ جب پڑتا تھا تو ان کے دل خود بخود دُھل جاتے تھے۔ لیکن جب وہ زمانہ میسر نہ رہا۔ کہ روزانہ لوگ اپنے محبوب علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوں۔ درمیان میں ایک حجاب آگیا۔ اگر چہ ان کے سامنے ساری کائنات حاضر ہے۔ لیکن سامنے بیٹھ کر دیکھنے کا جو انداز ہوتا ہے اس کا ایک اپنا اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب امت کے افراد کو یہ شان حاصل نہ رہی کہ ہم اپنے محبوب علیہ السلام کے پاس بیٹھیں اور دیکھ سکیں تو پھر ایک ایسے نصاب کی

ضرورت محسوس ہوئی کہ جس کی وجہ سے جو پردے میں بیٹھے ہیں، اُن کو بھی محبوب کی تجلیاں حاصل ہوتی رہیں، اُس نصاب کو تصوف کہا جاتا ہے۔

تصوّف کے شعبہ جات میں سے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اس سے معرفت الٰہی کا گلشن دلوں میں آباد کیا گیا۔ اس کا طریقہ بتایا گیا کہ بُری عادت اور بُرے طریقے کو دل سے نکالا جائے اور ہر اچھے خلق کو دل میں آباد کیا جائے۔ یہ مختلف وظیفے جو تصوف طریقت کے نام سے متعارف ہوئے، پھر نقشبندی، سہروری، چشتی، قادری ڈیپارٹمنٹ بنے تو اصل میں مقصد دل کی تطہیر ہے اور دل کو غیر اللہ کے خیال سے پاک کر کے ہر وقت اللہ کے ذکر سے روشن رکھنا ہے۔

قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن سے ہمیں اس نصاب کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ کہ وقت آنے پر اس کا دفتر کھلنا تھا اور قرآن وسنت کا یہ شعبہ تصوف کی شکل میں آنا تھا جسطرح دیگر شعبہ جات آئے علمِ حدیث کا شعبہ آ گیا۔ فقہ کا شعبہ آ گیا اور صرف ونحو کے شعبے آ گئے۔ نحویوں نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لفظ پہ زیر وزبر کو محفوظ کیا صرف نے اصل لفظ کو محفوظ کیا۔ اعراب کو نحو نے محفوظ کیا اور تصوف نے بولنے کی کیفیت کو محفوظ کیا۔ تو ان شعبہ جات کا بننا ایک طبعی امر تھا۔ ہم اس دور میں پیدا نہیں ہوئے۔ ہم اپنی آنکھوں سے وہ رخ زیبا نہیں دیکھ سکے۔ ہماری بھی ایک ضرورت تھی اور ایک شرعی تقاضا تھا جس کے پیش نظر یہ تقاضا امت نے خود اللہ کے فضل سے پورا کرلیا ہے۔ اب تصوف سے ایسی چاندنی دلوں کو ملتی ہے کہ درمیان میں صدیوں کا سفر چند منٹوں میں طے ہو جاتا ہے اور بندہ دور بیٹھا ہوا بھی سرکار ﷺ کے حضور پہنچ جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک وعظ آیا ہے۔

قرآن مجید وعظ ہے اس کا پہلا شعبہ تبلیغ ہے اور یہ بتاتا ہے کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے۔ یہ ثواب ہے، یہ عذاب ہے پہلے نمبر پر قرآن وعظ ہے۔

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ

اور یہ اُس کیلئے شفا ہے جو دلوں میں ہو۔

دلوں میں جو مرض ہو یہ اسے ختم کرتا ہے اور اُن کا علاج کرتا ہے۔ دل کے اندر کسی طرح کا کوئی سقم ہو۔ اسکو دور کر کے دلوں کو صحت دیتا ہے۔ یہاں دل کی صحت سے مراد وہ نہیں جو حسی طور پر کوئی دل کو بیماری ہو اور اس کے لحاظ سے صحت حاصل ہو۔ اگر چہ اس کا کمال ہے کہ یہ ظاہر کو بھی شفا دیتا ہے اور باطن کو بھی شفا دیتا ہے۔ جسمانی صحت بھی ہے لیکن یہاں پر روحانی صحت کا معاملہ ہے۔

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ

یہ قرآن باقاعدہ ایسا شعبہ رکھتا ہے جس سے لوگوں کے دلوں کی بیماریاں صحیح ہوتی ہیں۔ بغض، حسد ختم ہوتا ہے دلوں سے گندے خصائل نکلتے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فضائل سے آباد ہو جاتے ہیں۔

اب ڈائریکٹ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں نگاہ نبوت کے فیض سے دل ستھرے ہوتے تھے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (سورۃ التوبۃ:۱۰۳)

میرے محبوب ان کے مالوں سے صدقہ وصول کرو۔ ان کے دلوں کو ستھرا کرو اور اس کے ساتھ ان کا تزکیہ فرما دو۔ دلوں کو ستھرا کرنے، پاک کرنے کا جو بعد میں نام رکھا گیا اسے تصوف کہا جاتا ہے۔

پہلے یہی حقیقت تھی جس کو اور لحاظ سے پہچانا جا رہا تھا اور بعد میں اسی حقیقت کو ایک نئے انداز سے جب دیکھا گیا تو اس کو تصوف کہا گیا۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ یونس:۵۸)

اور یہ قرآن ہدایت ہے اور مومنین کیلئے رحمت ہے۔

لہٰذا قرآن مجید کا پورا شعبہ باطن کی صفائی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

اس کا مقصد صرف ظاہری احکام کو ہی بیان کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد دل کی صفائی کرنا بھی ہے اور یہ منصب رسول اکرم ﷺ کی طرف سے تفویض کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ جب رسول اکرم ﷺ کے منصبِ نبوی کو بیان کرتا ہے تو فرماتا ہے!

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

(سورۃ البقرۃ:۱۲۹)

رسول اکرم ﷺ ان پر تیری آیات کی تلاوت کریں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کا تزکیہ فرمائیں۔ وہاں بارگاہ نبوی میں دل ستھرے ہونے میں دیر نہیں لگتی ایک تجلی پڑتی ہے تو دل ستھرے ہو جاتے ہیں۔ تو باقاعدہ تلاوتِ قرآن اور احکام کی تعلیم کے ساتھ دلوں کو ستھرا کرنے کا ایک منصب ضروری تھا اور ایک شعبہ کی ضرورت تھی اور اس شعبہ کا نام وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تصوف پڑتا گیا۔

اگر اسی کو ہم احادیث میں دیکھیں تو وہاں بھی ہمیں رہنمائی ملتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وِعَائَیْنِ

میں نے نبی علیہ السلام سے علم کے دو برتن یاد کیے۔

(وِعَاءٌ) برتن کو کہتے ہیں علم غیر محسوس چیز ہے اور اسکے برتن بھی غیر محسوس چیز ہیں۔ مطلب یوں سمجھو کہ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے اپنے محبوب ﷺ سے علم کے دو گھڑے بھرے ہیں۔ یعنی دو قسم کا علم حاصل کیا ہے۔

یہ معنوی فیض ہے کہ رسول اکرم ﷺ کبھی یوں چلّو بھر کے ان کی چادر میں الٹتے ہیں۔ اگرچہ کبھی چلوؤں سے علم نہیں دیا جاتا۔ مگر جہاں خالی چلّو ڈال دیں وہاں گھڑوی علم کی بھر جاتی ہے۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے حفظت میں نے حفظ کیا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو برتن علم کے محفوظ کیے ہیں۔

اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ

ان میں سے ایک گھڑا اے تابعین میں نے تمہیں بھی پلایا ہے۔

اس میں میرے شاگرد ہیں۔ لیکن دوسرے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ

(بخاری شریف، کتاب العلم، باب حفظ العلم، جلد نمبر ۱ ص، ۲۳)

اگر دوسرا علم کا گھڑا میں ظاہر کر دوں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے۔

میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو برتن علم کے لیے ہیں۔ ایک کی میں روایت کرتا ہوں دوسرے کی میں روایت نہیں کرتا اگر میں دوسرے کی روایت کروں تو اس میں جلال اتنا ہے، اس کے اسرار و رموز ایسے ہیں کہ میرا حلق کٹ جائے۔ اسواسطے

دوسرے برتن کے علم کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے والا نہیں ہوں۔اب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو دو گھڑوں کا ذکر کر رہے ہیں اور دو برتنوں کا ذکر کر رہے ہیں ایک کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے ظاہر کیا اور دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ میں نے خاص رکھا ہے اس دوسرے برتن کے لحاظ سے محدثین کا قول ہے۔

محدثین فرماتے ہیں:۔

اس میں تین باتیں ہو سکتی ہیں۔

1۔ یا تو اس سے مراد تصوف ہے کیوں کہ تصوف عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ کھیر خاص لوگوں کے کھانے والی ہے۔اس واسطے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرا علم عام لوگوں کو دیں گے تو ان کو بدہضمی ہو جائے گی۔اُن کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کیا چیز ہے۔اس سے فتنہ ہوگا، فساد آ جائے گا۔لہٰذا ہم نے یہ عام دعوت نہیں رکھی۔عام دعوت والا جو پہلا گھڑا تھا وہ عوام کے سامنے پیش کر دیا۔

2۔ یا اس سے مراد وہ نشانیاں تھیں جو سرکار ﷺ نے منافقین کے بارے میں بتائی تھیں کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' فلاں بھی منافق ہے، فلاں بھی منافق ہے۔

اس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ مجمع عام میں بتاؤں گا تو پھر فتنہ بن جائے گا۔

3۔ یا اس سے مراد وہ حالات ہیں جو رسول اکرم ﷺ نے مستقبل کے بارے میں بیان کیے تھے۔

جس میں فرمایا تھا کہ میں ساٹھ کے سرے سے اور بچوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے یزید کی طرف اشارہ تھا تو اس طرح کی صورتحال تھی اس کا اس دوسرے

علم کے برتن میں ذکر تھا۔ یہ خاص علم کا برتن خاص لوگوں کیلئے تھا۔

(ماخوذ از مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد نمبر ۱/۳۱۳)

بہر حال رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم عطا کیا ہے اور اس سے پتہ چلا کہ باقاعدہ علم کا ایک شعبہ ایسا بھی ہے جس میں خواص کو سامنے رکھا جاتا ہے۔

طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

ہر پرندے کا کھانا انجیر نہیں ہوتا۔

دارمی میں حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ

علم کی دو قسمیں ہیں۔

فَالعِلْمُ فِی الْقَلْبِ

ایک علم دل میں ہوتا ہے

فَذَالِكَ العِلْمُ النَّافِعُ

اسکو علم نافع کہا جاتا ہے

وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ

اور دوسرا علم صرف زبان پر ہوتا ہے۔

فَذَالِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى ابْنِ آدَمَ

(مشکوٰۃ، کتاب العلم، فصل ثالث، ص ۳۷)

زبان والا علم اللہ تعالیٰ کی ابن آدم کے اوپر حجت ہے۔

حجت کا کیا مطلب ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (سورۃ الصف:۲)

اے مومنو! وہ باتیں تم کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔

یہ جو زبان والا علم ہے یہ بندے کو شرمندگی دلاتا ہے کہ لوگوں کو جو تم کہو وہ تم خود بھی کرو۔ تو اس زبان والے علم کا تعلق صرف اتنا رہا۔ لیکن جو دل والا علم ہے وہ علم نافع ہے۔ اس واسطے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دارمی میں جو روایت آگئی ہے تو آپ نے علم کے دو شعبے بیان کر دیئے۔ ایک دل میں ہے وہ علم نافع ہے اور دوسرا محض زبان پر ہے۔ لیکن ملاّ علی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کی الجھنوں کو دور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم یہ نہ سمجھنا کہ جو دل میں ہو وہ دل میں رہتا ہے وہ کبھی زبان پر نہیں آتا نہیں ...... ظاہر اور باطن کی آپس میں موافقت ہوتی ہے۔ یہ اصل میں حقیقت ہے اور یہ طریقت ہے اور یہ شریعت ہے کہ جو دل میں ہے وہ باطن کی اصلاح بھی ہے ظاہر کی اصلاح بھی ہے۔ کبھی باطن کی اصلاح ظاہر کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی اور کبھی ظاہر کی اصلاح حقیقت میں باطن کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میرا باطن ستھرا ہے دعویٰ یہ کرتا ہے کہ وہ اتنا ستھرا ہے کہ میں یہاں نماز نہیں پڑھتا میں کعبے میں پڑھتا ہوں۔ تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ کعبے میں وہی پڑھ سکتا ہے جو یہاں پڑھتا ہو اگر یہاں نہیں پڑھتا تو کعبے میں کیسے پڑھ سکتا ہے۔

اس واسطے اندر اور باہر، ظاہر اور باطن دونوں میں مطابقت ہوتی ہے اور جب علم ظاہر سے ہوتا ہوا باطن میں پہنچ جائے تو اس علم کو علم نافع کہا جاتا ہے اور جو صرف زباں

پہ رہتا ہے وہ محض بندے کیلئے مواخذے کا سبب تو بنتا ہے لیکن حقیقت میں اس کو علم نافع قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس حدیث شریف سے جو ہمیں سبق ملا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے خوبصورت طریقے سے اسکو بیان کیا۔

اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے آج بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جس کو اور کوئی کام نہیں ملتا تو یہ سب سے آسان کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیر شو کر دے اور ہر بے روزگار اپنے آپ کو ایک پیر بنا دے۔ آج بعض لوگوں نے تصوف و طریقت کو زینت کردار نہیں بلکہ ذریعۂ روزگار بنا دیا ہے۔ یہ تصوف و طریقت کی شان نہیں ہے کہ اسکا تعارف یوں کروایا جائے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے آپ فرماتے ہیں۔

فَمَنْ تَفَقَّہَ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ

جو بندہ فقیہ تو بن گیا، دین تو اس نے پڑھا، لیکن دین نے اس کے باطن پر رنگ نہیں چڑھایا، اثر نہیں کیا۔ جس بندے نے تفقہ کو تو حاصل کیا لیکن تصوف حاصل نہ کیا تو پھر اسے فقیہ نہ کہو

"فَقَدْ تَفَسَّقَ" تو وہ فاسق ہے۔

وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ یَتَفَقَّہْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ

اور جو بندہ تصوف کا دعویٰ دار ہو مگر علم سے خالی ہو تو امام مالک فرماتے ہیں

"فَقَدْ تَزَنْدَقَ" تو وہ زندیق ہے اس کو تم صوفی نہ کہو۔

جو علم تو پڑھے لیکن اس کی روح میں نہ اترے تو وہ فاسق ہے اور جو تصوف کا

دعویدار ہو لیکن اسے قرآن وسنت کا پتہ نہ ہو تو وہ زندیق ہے۔

وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ (مشکوٰۃ، ۱/۳۱۳)

اور جس نے دونوں شعبے پائے ہیں اس نے حقیقت پائی ہے

اس لیے کوئی بھی عالم ربانی اس وقت تک عالم ربانی نہیں جس وقت تک اس کی روح میں علم کا اثر نہیں، اس کے باطن پر علم کا اثر نہیں اور کوئی بھی صوفی اس وقت تک صوفی نہیں جب تک کہ اس کے تصوف پر شریعت کا پہرہ نہیں اور جب تک اس کی طریقت شریعت کی خادمہ نہیں اور اگر اس کی طریقت شریعت کے تابع نہیں تو پھر وہ طریقت، طریقت نہیں۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ اصل میں تصوف ہے جس کے اندر جانے سے پابندیاں ہیں۔

جب دونوں باتیں ملتی ہیں تو اس کو پھر نُوْرٌ عَلٰی نُوْر کہا جاتا ہے۔

ہمارا جو اصل میں موضوع ہے کہ "تصوف عقیدہ توحید کی معرفت" اس کی طرف آتے ہیں۔ توحید جو کہ ایک روشن عقیدہ ہے۔ آج اس کو چند خشک لوگوں نے ایک خشک مضمون کے طور پر اپنی طرف سے پیش کرنا شروع کر دیا وہ توحید کہ جس کے نغمہ سے نہاں خانۂ دل میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ آج بعض لوگ اس توحید کو محض بغض نبی ﷺ کیلئے آڑ کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ توحید کہ جس سے سیاہ دل پُر نور بنتے ہیں آج اس کو محض امت پر شرک کے فتوؤں کے استعمال کا ایک ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔

توحید کی معرفت، توحید کے اسرار اور توحید کی چاشنی اگر کسی نے محسوس کرنی ہو تو صوفیاء کے طریق کے بغیر اس کا پتہ نہیں چل سکے گا۔

برصغیر پاک و ہند کی زمین کو فخر ہے کہ یہاں پر اگر دین پہنچا ہے تو صوفیاء کے تازہ دم سے پہنچا ہے۔ ان کی تبلیغ سے اور ان کے فیضان سے پہنچا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت گنج شکر اور حضرت مجدد الف ثانی رحمھم اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لاکھوں کو توحید سے آشنا کیا۔ یہ وہ توحید ہے جس کا تعلق صرف زبان تک نہیں رہتا بلکہ اس کا تعلق دل کی سرزمین سے ہو جاتا ہے۔

اسلئے اگر توحید کو صوفیاء کی زبان سے سننا ہے تو بہت بڑے صوفی جن کو تم پیرانِ پیر، پیر دستگیر کہتے ہو۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان فتح الرّبانی میں موجود ہے۔ آپ نے وہاں پر تصوف کی حقیقت بھی بیان کی ہے کہ میرے نام کو کوئی غلط استعمال کر کے دوکانداری نہ چمکائے۔ جس نے میرے ساتھ تصوف کو منسلک کرنا ہے۔ اس نے ان ہدایات کو سامنے رکھنا ہے۔ آپ فرمانے لگے۔

لَا فَلَاحَ لَكَ

اس وقت تک کامیابی نہیں مل سکے گی۔

حَتّٰى تَتَّبِعَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ

جب تک تو کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرے گا۔

اگر تو سمجھتا ہے کہ تصوف کتاب وسنت سے جدا کوئی چیز ہے تو یہ محض تیرا گمان ہے۔ میرے غوث فرماتے ہیں اس قرآن وسنت سے ہی بندے کو اجالا نصیب ہوتا ہے اور اس وقت تک تمہیں فلاح نہیں مل سکے گی جب تک تم کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرو گے۔

اِتَّبِعِ الشُّيُوْخَ الْعُلَمَاءَ

بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْعَامِلِيْنَ

کتاب وسنت کا علم رکھنے والے اور ان پر عمل کرنے والے مشائخ کی پیروی کرو۔

حَسِّنِ الظَّنَّ فِيْهِمْ

ان کے بارے میں گمان ستھرا رکھو۔

کتاب وسنت کے عاملین علماء اور مشائخ کے بارے میں کبھی بھی اپنے ذہن میں بدگمانی نہ رکھو۔ اگر تم فلاح چاہتے ہو تو

تَعَلَّمْ مِنْهُمْ

ان سے تعلیم حاصل کرو۔

وَ اَحْسِنِ الْاَدَبَ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَالْعَشْرَةَ مَعَهُمْ

ان کے سامنے نہایت ادب سے پیش آؤ اور ان کیساتھ معاملہ اچھا رکھو۔

اگر تم نے ایسا کرلیا فَقَدْ اَفْلَحْتَ

پھر تم کامیاب ہو گئے ہو

اِذَا لَمْ تَتَّبِعِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَلَا الشُّيُوْخَ الْعَارِفِيْنَ بِهِمَا

اگر تم کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے اور شیوخ عارفین کے پیچھے تم نہیں چلتے۔ تو پھر کیا ہوگا؟

فَلَنْ تُفْلِحَ اَبَدًا

پھر کبھی تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کبھی بھی تمہاری طریقت طریقت نہیں، تمہارا تصوف تصوف نہیں۔ تمہاری

روحانیت روحانیت نہیں۔اس میں تقلید کا درس بھی دیا اور قرآن وسنت کی پابندی کا درس بھی دیا۔اس کے بعد فرمانے لگے۔

اَمَا سَمِعْتَ من اُسْتَغْنِیَ بِرَاْیِہٖ ضَلَّ۔ (الفتح الربانی مجلس،۳۹)

کیاتم نے نہیں سنا کہ جواپنے اندرہی جہان بنا کے بیٹھ جاتا ہے وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔

اس واسطے اگرتم نے ولایت کا کورس پڑھنا ہے تو تمہیں علماء کے علم کے بغیر رہنمائی نہیں ملے گی۔تمہیں کتاب وسنت کے بغیر کبھی بھی راستہ نہیں ملے گا اور اگرتم اپنی سوچ میں بیٹھ گئے کہ ہم اللہ والے ہیں ہم معرفت والے ہیں ہم سب کچھ کرنے والے ہیں حضرت غوث پاک فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی سوچ میں ڈوب گیا اور کتاب وسنت اور عارفین کا دامن چھوڑ دیا۔

فقد ضلّ تو وہ گمراہ ہے۔

ایسا شخص گمراہ تو ہوسکتا ہے لیکن وہ کبھی ''ولی من الاولیاء'' نہیں ہوسکتا۔

حضرت غوث پاک بالخصوص توحید کا جو رنگ بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہیں۔

اَلْمُوَحِّدُوْنَ الصَّالِحُوْنَ حُجَّۃُ اللّٰہِ عَلٰی بَقِیَّۃِ الْخَلْقِ (الفتح الربانی مجلس۱۳)

ایسے توحید پرست لوگ جو صالح ولی ہیں باقی بندوں کے اوپر اللہ کی دلیل ہیں۔

یہ اللہ کے گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔

تم یہ نہ کہنا کہ ہم ڈھونڈتے رہے پتہ نہیں چلا۔جنہوں نے ڈھونڈا ہے انہیں پتہ چلا ہے۔یہ غوث پاک اس بات کی دلیل ہیں کہ ڈھونڈنے والوں کو رب ملتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے۔

تم دیکھو کتنے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈا اور وہ ان کو مل گیا ہے۔

وہ شیر ربانی ہوں یا حضرت مجدد الف ثانی ہوں اور جتنے اولیاءِ امت ہیں ان کے ڈھونڈنے سے رب ملا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے حضرت غوث پاک فرماتے ہیں کہ شیوخ وعلماء اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے حجت ہیں۔

حضرت غوث پاک سے پوچھا گیا کہ کون سب سے بہادر ہے تو آپ نے فرمایا

اَلشُّجَاعُ مَنْ طَهَّرَ قَلْبَهٗ مِمَّاسِوَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ (فتوح الغیب، مجلس ۱۳)

بہادر وہ ہے کہ جس نے اپنے دل کو غیر اللہ کے خیال سے پاک کرلیا۔

یہ توحید کی حقیقت میں لذت ہے۔

حضرت غوث پاک فرماتے ہیں اتنا مقام اس شخص کا نہیں جو کسی مقابل کافر کو گرا لیتا ہے اس سے زیادہ پاور فل وہ انسان ہے جس نے اپنے دل کی حدود پر پہرہ لگا رکھا اور کبھی بھی غیر اللہ کے خیال کو اندر نہیں داخل ہونے دیتا۔ اتنے مضبوط اس کے اعصاب ہیں، اتنا سیکرٹ اس کا نظام ہے۔ اس کے دل پر پہرے لگے ہوئے ہیں اور اس نے اپنے دل کو غیرِ خدا کے خیال سے پاک رکھا ہوا ہے۔

یہاں غیرِ خدا سے مراد وہ رب ذوالجلال کی اپوزیشن ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کے خلاف محبت ہو۔ غیر خدا کی محبت سے مراد والدین کی محبت نہیں ہے۔ غیر خدا کی محبت سے مراد اپنے شیوخ کی محبت نہیں ہے۔ غیر خدا کی محبت سے مراد نبی علیہ السلام کی محبت نہیں ہے یہ ساری محبتیں تو بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہیں غیر خدا کی محبت سے مراد ان کے سوا محبتیں جو اللہ تعالیٰ سے روکتی ہوں۔ یہ صوفی ہے جو اپنے دل میں غیر اللہ کی محبت کو داخل نہیں ہونے دیتا۔ نیز آپ نے فرمایا۔

اَلشَّرْعُ يُهَذِّبُ الظَّاهِرَ وَالتَّوْحِيْدُ وَالْمَعْرِفَةُ يُهَذِّبَانِ الْبَاطِنَ

شریعت ظاہر کو سنوارتی ہے توحید اور معرفت باطن کو۔

فتوح الغیب میں حضور غوث پاک کا توحید کے بارے میں خوبصورت فرمان ہے

فَلَا يَكُوْنُ فِيْ بَاطِنِكَ غَيْرُ التَّوْحِيْدِ

تیرے باطن میں توحید کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

وَفِيْ ظَاهِرِكَ غَيْرُ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۶۰)

اور تیرے ظاہر پر سوائے اطاعت الٰہی کے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

دل کا اپنا وظیفہ ہے اور ان اعضاء کا اپنا وظیفہ ہے۔ ہاتھوں کا، قدموں کا، سر کا اپنا وظیفہ ہے۔ زبان و آنکھ کا اپنا وظیفہ ہے۔

لہٰذا ایک ہے ظاہر کا وظیفہ، ایک ہے باطن کا وظیفہ تو غوث پاک فرماتے ہیں توحید یہ ہے کہ سب ظاہری اعضاء پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری لکھی ہو اور باطن میں اللہ کا پیار موجود ہو۔

اب یہ جو دونوں چیزیں ہیں۔ ان دونوں کا جدا جدا نصاب ہے۔

اس سے غوث پاک نے فلسفہ توحید سمجھاتے ہوئے صوفی کی شرائط بھی بیان کر دیں کہ کوئی ایسا صوفی نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے بھرا ہوا ہے لیکن میرا سر رب کے در میں جھکتا نہیں۔ میں ویسے خیال میں پڑھ لیتا ہوں حضرت غوث پاک فرماتے ہیں ایسا بندہ صوفی نہیں ہو سکے گا، ایسا بندہ ولی نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ ولی وہ ہے۔

باطن میں رب کا پیار اتنا ہو کہ غیر کا خیال بھی باقی نہ رہے اور ظاہر میں تابع اتنا ہو کہ وہ کبھی اللہ سے غافل نہ ہو۔ جب ظاہر اور باطن پر یہ کیفیت ہو گی تو اس حالت کو تصوف سے تعبیر کیا جائے گا۔

صوفیاء اپنی ذات پر اور اپنے خیالات پر اتنا پہرہ دیتے ہیں کہ اگر وہ روزہ رکھیں تو یہ خیال نہیں کرتے کہ روزہ کس چیز سے افطار کریں گے وہ سمجھتے ہیں کہ غیرِ خدا کا خیال آنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ان کا مقام اپنے دل کی پابندی کے لحاظ سے اتنا اونچا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خیالات پر بھی پہرہ لگاتے ہیں۔

لہٰذا صوفیاء کے مراتب ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، ان کا مقام یہ ہوتا ہے۔

مَارَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰہَ وَحْدَہٗ

جس چیز کو بھی بندہ دیکھے اس سے بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا جو خالق ہے وہ وحدہ لاشریک ہے جتنا بندہ تصوّف کی وجہ سے بیدار خیال ہوتا ہے اتنا ہی اس کو قرب ملتا جاتا ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا مقام یہ ہوتا ہے

وَمَارَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ

جس وقت میں کسی چیز کو دیکھتا ہوں میری توجہ اس چیز کی طرف بعد میں پہنچتی ہے اور میری نگاہ اس چیز تک بعد میں جاتی ہے۔ لیکن اس چیز سے پہلے اس کے خالق کے جلوے کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے۔

کچھ لوگوں کو تصوّف کی اصطلاحات پر بھی اعتراض ہے تصوّف میں جو وظائف ہیں اس کے لحاظ سے بھی اعتراض کرتے ہیں۔ تو میں انہیں کے گھر سے ایک حوالے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حق ہمیشہ حق ہوتا ہے جو وہاں سے بھی ظاہر ہوتا ہے جہاں کسی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔

داؤد غزنوی غیر مقلدین کی ایک بہت بڑی معتبر شخصیت ہیں اور اس کے حالات کو ابو بکر غزنوی نے مُدوّن کیا ہے۔ اس کتاب کے ص: نمبر 363,362 پر یہ بات موجود ہے۔

خود ابوبکر غزنوی سے سوال کرتا ہے اور پوچھتا ہے

سوال: ''پھر ایک شام بندۂ عاجز اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا کہ بعض علماء سے اشغال صوفیاء پر مجھے گفتگو کا اتفاق ہوا ہے اور وہ انہیں بدعات اور محدثات قرار دیتے ہیں''

جس وقت داؤد غزنوی سے یہ پوچھا گیا کہ کچھ لوگ صوفیاء کے تصوف کو بدعت کہتے ہیں اور ان کے وظائف کو محدثات قرار دیتے ہیں۔

ابوبکر غزنوی کہتا ہے۔ ''حضرت والد کی پیشانی پر شکن پڑ گئے اور فرمانے لگے''۔

ان علماء کا ذہن صاف ہونا چاہیے جب وہ ان اشغال کو بدعات قرار دیتے ہیں۔ تو دوسری طرف ''خاکم بدھن'' حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو کیا بدعتی سمجھتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کیا بدعتی تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کیا یہ سب بدعتی تھے داؤد غزنوی نے کہا کہ ایک طرف تو یہی علما ہندوستان میں اپنی تحریک کا آغاز انہیں بزرگوں سے کرتے ہیں اور دوسری طرف انہی پر بدعتی ہونے کا بھی الزام دے رہے ہیں۔

یعنی جب ہم تحریک شروع کرتے ہیں جن سے ہمارا سلسلہ آگے چلا ہے اور پھر ان کا جو شعبہ ہے اور انکے وظیفے کو اگر ہم بدعت قرار دیتے ہیں تو پھر ہماری اصل کیا باقی رہ جائے گی یہ جو دوہرا ان کا کردار تھا خود اس سے پردہ چاک کرتے ہوئے ابوبکر غزنوی کو داؤد غزنوی نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے یہ کہا۔

صوفیاءِ کرام کے اشغال کو بعض لوگ اگر اس لئے پسند نہیں کرتے کہ صحابہ کرام سے یہ منقول نہیں جسطرح کہ ان لوگوں کا کہنا ہے کیونکہ صحابہ کرام میں یہ سلسلے چشتی،

قادری، سہروردی نہیں تھے۔ بعد میں یہ سلسلے آئے ہیں تو بدعت ہیں۔

داؤد غزنوی نے ابو بکر غزنوی سے کہا اگر یہ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں جو ہماری صفوں میں شامل ہیں تو پھر ان کو سوچنا چاہیے لیکن اگر دقتِ نظر سے یہ افراد دیکھتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان اشغال و مراقبات کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

کیونکہ سید الانبیاء والمرسلین کی صحبت کے فیوض سے وہ پوری طرح بہرہ ور ہو چکے تھے اور ان کے الفاظِ طیبات کی برکات سے مستفیض ہو چکے تھے۔ لہٰذا جو سرکار کے سامنے تھے ان کو ان وظیفوں کی ضرورت نہ تھی، نظر کے فیض سے ان کے دل روشن ہو رہے تھے اور بعد والوں کو دل روشن کرنے کیلئے تصوف کی ضرور ضرورت پڑ جائے گی۔

اب یہ اُن کے گھر سے گواہی ہے۔ جس سے تصوف اور طریقت کے رموز کو واضح کیا گیا اور اس پر انہوں نے دلائل بھی دیئے۔

داؤد غزنوی نے پوری طرح یہ واضح کیا کہ اصل میں صورتحال یہ تھی کہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں نہ صرف تھی، نہ نحو تھی، نہ اس وقت کوئی اصول حدیث، نہ حدیث کی قسمیں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگے اگر صوفیوں کی اصطلاحیں نئی ہیں تو پھر حدیث کی قسمیں کیا حدیث میں آئی ہیں یہ بھی تو نئی بنی ہیں۔ اگر ان کو پڑھایا جاتا ہے، ان کو پکایا جاتا ہے، ان پر حدیث سمجھنے کا مدار ہے اور ان کے بغیر ہمیں حدیث کی سمجھ نہیں آتی تو پھر تصوف کے بغیر بھی دین کی سمجھ نہیں آتی۔

اس حقیقت کو انہیں بالآخر جاننا پڑا۔

اس واسطے ہم اس کو پوری ذمہ داری کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ سید عالم ﷺ

کی طرف سے جو دین ملا ہے اس کے اندر شعبہ جات کا بننا ایک طبعی امر تھا اور اس میں سے ایک شعبہ تصوف کا شعبہ ہے اس کی اصطلاحیں اور ان کے نام اگرچہ بعد میں بنے ہیں لیکن جن حقیقتوں کے یہ نام بنے ہیں وہ حقیقتیں یقیناً پہلے دن سے موجود تھیں۔

یہاں پر ایک بات بڑی ضروری ہے۔ کچھ لوگوں نے ایسی کیسٹیں تیار کر رکھی ہیں کہ فلاں بزرگ کا یہ واقعہ ہے اس نے یہ لفظ بولا تھا فلاں نے یہ بولا تھا دیکھو یہ ان کے جملے خلافِ شریعت ہیں اور خلافِ شریعت ان کے اقوال ہیں۔

اولیاء کرام کے ہاں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جس وقت انہیں اپنے آپ کا بھی خیال نہیں ہوتا اور ان کا اللہ کے دربار کی طرف جو رابطہ ہوتا ہے اس میں اپنا آپ بھول چکے ہوتے ہیں اس حالت میں جو ان سے جملے نکلیں ان کو ''شطحیات'' کہا جاتا ہے۔

شطحیات کو باقاعدہ دین میں تسلیم کیا گیا ہے اور اس کی باقاعدہ حدیث و شریعت سے ہمارے پاس اصل موجود ہے کہ اگر کوئی محبت میں آ کر جس کے ذہن کی پوری توجہ ربّ کی طرف تھی اور وہ اپنے آپ سے بے خبر تھا۔ ایسے میں اگر کوئی جملہ زبان سے نکل گیا ہے تو شریعت اس پر مواخذہ نہیں کرتی چونکہ جب ان کو ہوش آتا ہے ان سے کہا جائے کہ تم نے یہ کہا تھا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو کفر ہے میں تو اس کا قائل ہی نہیں ہوں۔ تو جو لفظ زبان سے اس حالت میں نکلا ہے کہ اسے اپنا بھی خیال نہیں تھا۔ اس پر شریعت مواخذہ نہیں کرتی۔ ان کو ''شطحیات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوتا ہے اس بارے میں طویل حدیث ہے کہ ایک شخص صحرا میں ہے اس کے پاس اونٹنی ہے اونٹنی کے اوپر اس نے کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا ہے۔

صحرا بڑا لمبا تھا جو اس نے عبور کرنا تھا درمیان میں تھکاوٹ کی وجہ سے آرام کرنے لگ گیا۔ جب بیدار ہوا تو اونٹنی وہاں موجود نہیں تھی بڑا گھبرا گیا کہ میں یہ طویل صحراء کیسے عبور کروں گا۔ اونٹنی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بھوک لگ گئی ''پیاس لگ گئی پھر مرنے کیلئے تیار ہو کر لیٹ گیا کہ اب بچنے کا کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا۔ اس واسطے کہ دور دور تک صحراء ہے میں بھاگوں گا پھر بھی یہ صحرا کراس نہیں کرسکوں گا اور کھانے پینے کیلئے بھی کچھ نہیں۔ ایسے میں مرنے کیلئے وہ لیٹ جاتا ہے پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو اونٹنی سرہانے پہ کھڑی ہوتی ہے۔

اب اس پر جو بندے کو خوشی ہوتی تھی اس کا نبی علیہ السلام نے ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ

وہ آدمی بہت خوش ہو گیا۔ جب وہ موت کے منہ سے نکل کے آیا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی وہ خوش ہو کے شدت فرح سے کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ

اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں

یہ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ اب بندے کو اونٹنی ملنے پر خوشی اتنی ہے اسے پتہ نہیں چل رہا کہ میں بول کیا رہا ہوں۔ اتنا رب کے کرم پر وہ خوش ہو گیا ہے اور اتنا رب کی رحمتوں کے وہ نظارے کر رہا ہے جب وہ زبان کھولتا ہے کرنا تو وہ تعریف چاہتا ہے لیکن بظاہر کلمہ کفر یہ ہے کہ وہ کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ

اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں

جس وقت وہ یہ الفاظ بولتا ہے تو سرکار ﷺ فرماتے ہیں۔

اَخْطَاءَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ (مسلم کتاب التوبہ، جلد نمبر۲، ص ۳۵۵)

خوشی کی شدت کی بنیاد پر کہ اس پر جو رب کی تجلی پڑی ہے اب اگر چہ غلطی کر رہا ہے مگر شریعت مواخذہ نہیں کرے گی۔ ایسے امور کو شطحیات کہا جاتا ہے۔

جب ایک آدمی انسان کے لحاظ سے جب اُسکو اتنی خوشی میسر آئی اسے پتہ نہیں چل رہا کہ میں نے بولنا کیا ہے الٹ بول گیا اُسنے کہنا تو یہ تھا کہ

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ

لیکن وہ کہتا ہے کہ تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں۔

کتنی بڑی غلطی ہے اور کتنا کفریہ جملہ ہے اور کتنا سخت جملہ ہے مگر ربّ ذوالجلال خوش ہے کہ میرے بندے کو میرا خیال اتنا ہے کہ اپنی زبان کا خیال بھی نہیں کر رہا کہ میں بول کیا رہاں ہوں، میری زبان سے نکلتا کیا ہے۔

اس واسطے اس مقام پر اللہ کے اولیاء جب ہوتے ہیں تو ان کی باتوں پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ اُن کی باتیں اُٹھا کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ یہ شطحیات ہیں جن پر اگر اُن کو متوجہ کیا جائے تو وہ خود تائب ہوتے ہیں۔ کہ میری کیا مجال میں ایسا کہوں میرے نزدیک وہ میرا رب ہے میں اس کا بندہ ہوں۔ میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرا بندہ ہے اور میں اُس کا رب ہوں۔

جب متوجہ کیا جائے تو وہ ضرور بولتا ہے اس کو مانتا ہے۔ لیکن جب جلوے پڑ رہے ہوتے ہیں اس وقت ہوش نہیں ہوتا۔ تو اس بنیاد پر ایسی باتوں کو اپنی طرف سے ایٹم بم بنا کے تصوف کے اوپر نہ گرایا جائے۔ یہ تصوف کی وہ شان ہے کہ بندے کو

جب اپنا خیال نہیں ہے اپنے رب کے دھیان میں بولتا جا رہا ہے۔

ابنِ قیم نے بدائع الفوائد میں شطحیات کے لحاظ سے یہ بات تسلیم کی ہے کہنے لگے پھر ہوتا کیا ہے۔

حَتّٰی یَغِیْبَ الْمُحِبُّ بِمَحْبُوْبِهٖ عَنْ نَفْسِهٖ

یہاں تک محبّ اپنے محبوب کے خیال میں اپنا آپ بھول جاتا ہے۔

فَلَا یَشْعُرُ اِلَّا بِمَحْبُوْبِهٖ

اُس کو اپنے محبوب کے علاوہ کسی چیز کا خیال بھی نہیں ہوتا۔

وَلَا یَشْعُرُ بِنَفْسِهٖ

اسے اپنا بھی پتہ نہیں ہوتا۔

اگر اسے آگ دکھائی جائے تو اسے آگ کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں جل رہا ہوں۔ اُسے خیال ہی اپنے محبوب کا ہوتا ہے۔

ہم ان اولیاء کا دفاع کر رہے ہیں جو حقیقت میں اولیاء ہیں جن کی جیب کو اگر کوئی چیک کرے تو فوراً سکر ختم ہو جائے اور فوراً ہوش میں ہوں تو وہ بیہوش نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے کسی فریب میں ہوتے ہیں۔ میں ان کی بات کر رہا ہوں کہ جن کا انداز یہ ہے کہ۔

اتنے اپنے محبوب کی یاد میں کھو گئے ہیں انہیں اپنا پتہ نہیں یہاں تک کہ آگ لگے تو اس کا احساس نہیں ہوتا کہ میں جل رہا ہوں۔ ایسی صورتحال کے اندر کیا ہوتا ہے۔

ابن قیم نے کہا

وَمِنْ هٰهُنَا نَشَئَاتِ الشَّطْحِیَّاتُ الصُّوْفِیَّه

(بدائع الفوائد، فصل السلام بصیغۃ الخطاب ص ۲۸۶)

آج جس وقت ہم شطحیات بولتے ہیں تو یہ لوگ چار پتھر اٹھا کے آتے ہیں کہ شطحیات کہاں ہوتی ہیں؟ یہ دین میں کہاں ہیں؟ ان کا پیچھے پسِ منظر کیا ہے؟

اس بارے میں ایک تو میں نے حدیث پیش کر دی ہے کہ یہ شطحیات ہوتی ہیں۔ جب وہ کہہ رہا تھا۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ

دوسرا اس کو کچھ تمہارے بھی جس وقت اُن کے ہوش ٹھکانے تھی' مانتے ہیں اور شطحیات کا ذکر کیا ہے کہ یہ صوفیاء کے شطحیات ہوتے ہیں۔ کہ جس وقت وہ اپنے محبوب کے بارے میں اس قدر اپنا آپ کھو بیٹھتے ہیں ایسی حالت میں کہ جب اُن کو اپنا خیال نہیں ہوتا تو وہ باتیں رب کی کرتے ہیں نسبت اپنی طرف کر رہے ہوتے ہیں۔

تصوف پر اعتراضات کے جوابات

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے لحاظ سے اتنا پراپیگنڈہ ہے کہ کہتے ہیں ان صوفیوں نے ہر چیز کو خدا مانا ہوا ہے کہ جس طرف دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں ہر چیز خدا ہے، ہر شے خدا ہے اور انہوں نے معاذ اللہ ہر ہر پتھر کو خدا سمجھا ہوا ہے اور ہر ہر جانور کو خدا سمجھا ہوا ہے۔ معاذ اللہ

"همه اوست" کا کچھ لوگ یہ ترجمہ کرتے ہیں۔

اس انداز سے وہ لوگ نظریۂ وحدت الوجود کی غلط بیانی کرتے ہیں۔

آیئے! جن کے ہاں صرف پھل سونگھائے ہی نہیں جاتے بلکہ کھلائے جاتے ہیں اُن سے پوچھو کہ ہمہ اوست کا مطلب کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن کو انہوں نے بھی اپنی کتابوں میں سید الطائفہ کہا کہ وہ ولیوں کے سردار ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریف میں اس بات کی وضاحت کی کہ ہمہ اوست کا مطلب کیا ہے؟

پس اشیاء از حق باشند نه حق

چیزیں خدا سے نہ کہ خدا ہیں۔

چیزیں خود اللہ نہیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ یہ ہمہ اوست کے نظریے کے مطابق ہے کہ ہر چیز اللہ نہیں۔ بلکہ اللہ کی مخلوق ہیں۔

پس معنی این کلام کلام ایشاں که همه اوست همه ازوست

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیوں کے اس نظریے پر کوئی اعتراض نہ کرے کہ صوفیاء کا جو یہ نظریہ ہے "ہمہ اوست" تو اس کا مطلب "ہمہ از اوست" ہے ہمہ اوست کا مطلب یہ ہے کہ سب کچھ وہ ہے ہمہ از اوست کا مطلب ہے کہ سب کچھ اسی سے ہے، سب کچھ اُس نے پیدا کیا ہے، سب کچھ اُسی کی مخلوق ہے، ہر چیز میں اُس کا جلوہ ہے اور ہر چیز میں اُس کے نظارے موجود ہیں۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

جس وقت حضرت کلیم کوہِ طور پر گئے تھے تو آواز درخت سے آئی تھی۔

اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ

بے شک میں اللہ ہوں۔

یہ تو قرآن ہے کیا اس وقت درخت اللہ تھا؟ نہیں اللہ کے جلووں کا مظہر تھا اگر

قرآن میں اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کفر نہیں ہے تو پھر صوفیا کا ہمہ اوست بھی کفر نہیں ہے چونکہ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کا مطلب بھی یہ ہے کہ میں اللہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کے خاص جلووں کا مظہر ہوں۔ ایسے ہی جس وقت صوفیا ہمہ اوست کہتے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے ''ہمہ از اوست'' ہر چیز جب پیدا اُس نے کی ہے تو ہر چیز بولی بھی اُسی کی بول رہی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ وحدت الشہود کا ہے وحدت الوجود کا نہیں ہے لیکن جو وحدت الوجود پر کیے جانے والے اعتراض کا جواب دیتے ہیں ہمہ اوست کا مطلب ہے ہمہ از اوست۔

لہٰذا نتیجہ یہ نکلا۔

همه اوست همه ازوست باشد که مختار علماء کرام است

ہمہ اوست کا مطلب ہمہ از اوست ہے جو کہ علماء کرام کے نزدیک مختار ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی چونکہ ہمہ از وست مانتے ہیں تو حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں ہمہ اوست والے مانتے وہی ہیں جو ہم مانتے ہیں کہ ہر جگہ کائنات میں رب ذوالجلال کا شہود ہے ہر ذرہ خود رب نہیں ہے۔

اسکے بعد فرمانے لگے کہ جان لو!

که درمیان علماء کرام و صوفیاء عظام تصرهم الله تعالیٰ سبحانه الی یوم القیامة فی الحقیقت نزع نه باشد

حقیقت میں صوفیاء اور علماء کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے یعنی اس بنیاد پر شریعت کا بڑا پہرہ تھا اور مواخذہ تھا کہ کون ہو سکتا ہے جو ذرے ذرے کو خدا کہے تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ علماء اور صوفیاء جو ہمہ

اوست کہنے والے تھے ان میں کوئی جھگڑا نہیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علماء بھی یہی کہتے ہیں یعنی قرآن وسنت کا بھی یہی مضمون ہے اور صوفیاء کا بھی یہی مضمون ہے آپس میں کسی طرح کا کوئی نزع نہیں ہے۔

لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوا کہ دو نظریے جدا جدا کیوں ہیں؟

ایک ہمہ اوست دوسرا ہمہ از وست، ایک وحدت الوجود اور دوسرا وحدت الشہو دتو یہ دو جدا نظریے کیوں ہیں؟

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔

دونوں باتوں کا، دونوں نظریوں کا انجام ایک ہے، نتیجہ ایک ہے۔

ایں قدر فرق است

وحدت الوجود اور وحدت الشہو د والوں کے درمیان اتنا فرق ہے

کہ صوفیاء اشیاء راظھورات حق می گوید

کیونکہ صوفیاء کرام اشیاء کو ظہورِ خدا مانتے ہیں۔ کہ اللہ کے جلووں کا یہاں سے ظہور ہوتا ہے۔ ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے۔

لیکن علماء ازیں لفظ نیز تحاشی فی نماید

(مکتوبات شریف، دفتر نور الخلائق، مکتوب نمبر ۴۴)

لیکن علماء چاہتے ہیں کہ یہ جملہ بولنے میں بھی پرہیز کی جائے کیونکہ وہ صوفیاء ہر چیز کو خدا تو مانتے نہیں خدا کے ظہور کی جگہ مانتے ہیں کہ وہاں سے اللہ تعالیٰ کا جلوہ ظاہر ہوتا ہے تو علماء چاہتے ہیں کہ اس سے بھی احتراز کیا جائے۔ اس واسطے کہ آگے ایک گمراہ ٹولہ ہے۔ جس کو حلولیہ کہا جاتا ہے اُن کا مذہب ہے کہ اللہ نے ہر چیز میں

حلول کیا ہوا ہے اللہ ہر بندے میں ہے، اللہ گائے میں ہے، اللہ گھوڑے میں ہے، اللہ درخت میں ہے، وہ حلولیہ ہیں۔ لیکن حلول کا وحدت الوجود کا فرق ہے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

منصور کہ انا الحق مرادش آں نیست کہ من حقم و باحق متحدم کہ ان کفراست و موجبِ قتل او بلکہ معنی قول او آنست کہ من نیسم موجود حق است۔

(مکتوبات شریف، دفتر نور الخلائق مکتوب نمبر ۴۴، جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۱۷)

منصور نے جو انا الحق کہا تو ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں حق اور حق کیساتھ متحد ہوں جو کہ کفر اور ان کے قتل کا موجب بلکہ ان کے قول کا مطلب یہ تھا میں موجود نہیں ہوں۔حق موجود ہے۔

وہ ظالم و گمراہ ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس واسطے علماء چاہتے ہیں کہ احتیاط اتنی ہونی چاہیے کہ کہیں کوئی اس سے پھسل کے حلولیہ میں نہ داخل ہو جائے تو اتنا لفظ درمیاں میں احتیاط کا موجود ہے ورنہ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ علماء اور صوفیاء کے ہمہ اوست اور ہمہ از وست ان دونوں نظریوں میں کوئی فرق ہی نہیں ہے دونوں کی ایک ہی بات ہے صرف فرق اطلاق کے لحاظ سے باقی رہ گیا کہ ہم علماء اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیان کرنے میں بھی ایسا جملہ نہ بولو کہ جس سے کسی کو وہم پڑ سکتا ہو اور شک پڑ سکتا ہو۔

لہٰذا صرف ایک احتیاط کا معاملہ ہے۔ ورنہ ہمہ اوست کہنے والے بھی نظریہ یہی رکھتے ہیں کہ ذرہ ذرہ عینِ خدا نہیں ہے بلکہ ذرے ذرے سے خدا کے جلووں کا شہود ہوتا ہے۔

تو یہ کچھ لوگوں نے پراپیگنڈہ بنا رکھا تھا تو میں نے اپنی طرف سے وضاحت کرنے کی بجائے اُنسے کروائی ہے کہ جن کے دوقومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا تھا۔

وہ دوقومی نظریے کے بانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اکبر کے مقابلے میں دین پر پہرہ دینے والے۔ انہوں نے یہ بات واضح کردی ہے۔ اگر کوئی معمولی سا بھی سقم ہوتا تو مجدد الف ثانی ضرور مواخذہ کرتے اور اس نظریے کو غلط ثابت کرتے۔ انہوں نے اس کی وجہ بیان کردی ہے کہ اس کھانے میں کفر نہ ڈالا جائے۔ یہ محبت الٰہی کا جوان کے نزدیک ایک پَرتَو ہے انہیں ایسا مشاہدہ ہوجاتا ہے لٰہذا مشاہدہ حقیقت کا ہوسکتا ہے مجدد صرف احتیاط سے بیان کرنے کا قول دے رہے تھے اور حقیقت میں ان دونوں کے اندر کوئی فرق نہیں ہے کہ ذرہ ذرہ ہرگز اللہ نہیں ہے۔ بلکہ ذرہ ذرہ اللہ کی مخلوق ہے اور اُس کا پتہ دینے والا ہے۔

اصل میں جتنا ادب یہ لوگ یعنی صوفیاء کرسکتے ہیں۔ اتنا عام بندہ نہیں کرسکتا ہے یعنی یہ لوگ جو معرفت کا پھل کھانے والے ہیں۔ جن کو لذتیں آئی ہیں ان کو پتہ ہے کہ معرفت اور راز کیا ہے اور حقیقت کیا ہے پھر وہ جو لفظوں کے ہیر پھیر میں ہوں انہیں تو بات کرنے کا پتہ ہی نہیں حقیقت بیان کرنے کا پتہ کیسے ہوگا؟

غیر مقلدین کے ایک پمفلٹ میں موضوع لکھا گیا ہے "دیکھنا کہیں اللہ نہ بھلا دے"، تعلیم وتزکیہ کے نام سے کورس ہورہا ہے اور اللہ کی توحید پر درس کیا ہورہا ہے۔ دیکھنا کہیں اللہ نہ بھلادے۔

موضوع تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ "دیکھنا کہیں بھول نہ جانا" مگر موضوع کیا ہے؟ "دیکھنا کہیں اللہ نہ بھلادے" انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بھلانے کی نسبت کی ہے

حالانکہ بندہ خود بھولتا ہے اگر چہ امر الٰہی سے سب کچھ ہوتا ہے۔تو اپنی طرف بھولنے کی نسبت کرتے کہ دیکھنا کہیں بھول نہ جانا جبکہ یہ کہتے ہیں "دیکھنا کہیں اللہ نہ بھلا دے"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ جملہ کیسے بولنا ہے۔

اللہ فرماتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا (سورة البقرة:۲۸۶)

اے اللہ جو ہم بھولتے ہیں مواخذہ نہ کر۔تو بندے کی یہ شان ہے کہ وہ جانے میں بھولا، نہ کہ اللہ کو الزام دے کہ تو نے مجھے بھلایا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا

اگر ہم بھول گئے تو اے اللہ گرفت نہ کر، مواخذہ نہ کر، حساب نہ کر۔

تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کردی۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِك

جو تم نے اچھا کیا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر بُرا کیا ہے تو وہ تمہاری طرف سے ہے اللہ کہتا ہے تمہاری طرف سے ہے یہ کہتے ہیں اے اللہ تیری طرف سے دیکھنا کہیں رب نہ بھلا دے۔پہلی غلطی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مورد الزام بنایا گیا کہ وہ بھلا نہ دے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ کس کی پاور ہے کہ اللہ بھلانا چاہے اور کوئی نہ بھولے، کس کی یہ مجال ہے۔ایک جملہ بولا جاتا ہے دیکھنا کہیں وہ تمہیں لوٹ نہ لیں۔تو مطلب یہ ہے کہ آگے سے مقابلہ کرنا۔ڈاکو راستے میں کھڑا ہے۔یعنی ایسے چانسز ہیں کہ تو مقابلہ کرے تو غالب آسکتا ہے "دیکھنا" وہاں بولا جاتا ہے جہاں مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

تو یہ اللہ کے مقابلے میں تیار کروا رہے ہیں دیکھنا کہیں رب نہ بھلا دے۔اپنے

کورس میں تیاری کروا رہے ہیں کہ پوری طرح مسلح ہو کر نکلو اللہ بھلائے گا تم نے بھولنا نہیں مقابلہ کرنا ہے۔ یہ توحید ہے؟ دیکھنا کہیں خدا بھلا نہ دے۔

رب بھلانے پہ آئے تو بچ کون سکتا ہے۔ توحید سمجھنی ہے تو صوفیوں کے پاس جانا پڑے گا۔

آجکل یہ بات بڑی اچھالی جارہی ہے۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا جھنڈا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے سے اونچا ہے۔ ظاہر ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ بایزید بسطامی جیسے کروڑوں ہوں تو میرے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو سرکار ﷺ کے جھنڈے سے بایزید بسطامی کا جھنڈا اونچا کیسے ہو سکتا ہے؟

اب بات ہو اُن لوگوں کی اور بات ہو ہیرے کی تو سمجھنے کیلئے کسی چمار کو دے دی جائے؟ ہیرا اگر چمار کو دے دیا جائے تو اُسے پتہ چلے گا کہ کس قسم کا ہیرا ہے؟ ہیرے کا پتہ کروانا ہوگا تو جوہری کے پاس جانا پڑے گا۔

وہ شکست خوردہ شاہین جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسمِ شہبازی

جس نے ساری زندگی کرگسوں اور گدھوں میں گذاری ہو اسکو ان شہبازوں کی باتوں کی سمجھ کیسے آسکتی ہے۔ ایک جواب یا تو یہ ہے

ولی ہونا رب کی شان ہے نبی ہونا رب کی شان نہیں ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورۃ البقرۃ: ۲۵۷)

اللہ نے اپنے آپ کو ولی تو کہا ہے اگرچہ معنی اس کا بندوں کے لحاظ سے جدا ہے مگر کہیں اللہ نے اپنے آپ کو نبی نہیں کہا تو پھر ولایت کا جھنڈا بنا رب کا جھنڈا نبوت کا

جھنڈا ہنار سالت کا جھنڈا تو پھر نبوت کے جھنڈے سے اللہ کی الوھیت کا جھنڈا اونچا ہے۔

کس طرح ادب کے تقاضے ہیں۔ اُن سے پوچھنا پڑے گا کہ جن کی بات ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ بالخصوص صوفیاء کے حالات اور انکی طبیعتوں کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ولایت کا مطلب ہوتا ہے ہر وقت خالق کو دیکھنا اور نبوت کا مطلب ہوتا ہے مخلوق کو پکڑ کے خالق تک پہنچانا۔ نبوت مخلوق کی طرف توجہ ہے کہ مخلوق کو صحیح کر کے رب تک پہنچانا ہے اور ولایت خالق کی طرف توجہ ہے اسے جھنڈے کی بلندی سے تعبیر کیا۔

دوسرا جواب:۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت بایزید بسطامی نے اس لیے یہ کہا ہے

نوائے خود را لوائے ولایت میداند ولوائے محمد علیہ الصلوات والتسلیمات لوائے نبوت۔

انہوں نے اپنے جھنڈے کو لوائے ولایت کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کو لوائے نبوت کہا ہے۔

تیسرا جواب:۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔

لہٰذا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت کوئی معمولی عدالت نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں میری فاروقی عدالت نے جوش مارا تو میں نے اکبر کو پکڑ لیا۔ میں نے جہانگیر کا تختہ الٹ دیا۔ وہ مجدد الف ثانی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو ناکوں چنے چبوائیں اور صرف اس لئے کہ رگوں میں خونِ فاروقِ اعظم ہے۔ شریعت کے پہرے میں اتنے

زبردست ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بایزید بسطامی کے وکیل...... بن جائیں۔ اگر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وکیل صفائی بنے ہیں اور انہوں نے بیان کیا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ جنہوں نے برصغیر میں مسجدوں پہ پہرہ دیا ہے، انہوں نے توحید پہ بھی پہرہ دیا ہے۔

اور ان کی کمپنی کا کوئی بتاؤ؟ جب اکبر دین بگاڑ رہا تھا تو کون ڈٹ کے سامنے کھڑا تھا؟ کوئی نہیں تھا کیوں کہ اُس وقت ایسے لوگ تھے ہی نہیں تو کھڑا ہوتا کون؟ ہمارے اس وقت بھی شیر تھے اور انہوں نے مقابلہ کر کے دکھایا ہے۔

اس واسطے باتیں تو ساری کرنی پڑتی ہیں، شیشہ تو دکھلانا پڑتا ہے۔ اگر آج پیچھے دکھلاتے ہو تو بتاؤ جس وقت میدان لگا تھا اور اکبر کے مقابلے میں جند جان دینے کا وقت آیا تھا، خرمن کو آگ لگ گئی تھی اور نشیمن پر بجلیاں برس رہی تھیں۔ اس وقت کون تھا؟ کس نے بچایا تھا؟ تو ہم سر اُٹھا کے کہتے ہیں۔

آ چکے تھے برق کی زد میں تمام اہل چمن
ہم نے اپنے آشیانے کو مقابل کر دیا

یہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے آشیانہ سامنے رکھا ہے اور یہ کہا اکبر

چمن پہ بجلی گرانے والے چمن کا اس میں بھی فائدہ ہے
جلیں گے مل کے جو آشیانے تو دور تک روشنی رہے گی

وہ گوالیار کے قلعے میں بند ہو گئے روشنی آج بھی موجود ہے۔ یہ دین کو سمجھنے کا انداز ہے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسی صراط مستقیم پہ برقرار رکھے۔

وَ آخِرِ دعوانا ان الحمد للہِ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب نمبر 8

رنج والم سے نجات کا راستہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِعَشْرَةٍ یُعْتِقُ فِیْهَا مِنَ النَّارِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (پ۸سورہ اعراف، آیت۵۶)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ
هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ
لِکُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور پر نور شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

رونق محفل پدر بزرگوار حضرت صوفی غلام سرور صاحب زید مجدہ

وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش نہایت معزز ومحتشم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو آج ادارہ صراط مستقیم کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے اٹھائیسویں (28) سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے

"رنج والم سے نجات کا راستہ"

میری دعا ہے خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو رنج والم سے محفوظ رکھے اور رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطاء فرمائے۔ اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان پر حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی اسے موافق اور سازگار حالات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور کبھی اسے مشکلات اور مصائب کی وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ چونکہ انسان کمزور ہے ایسے میں اسے پھر تعاون کی ضرورت ہوتی ہے مدد کی ضرورت ہوتی ہے اس غم والم کو دور کرنے کے لیے اسے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اسکا کرم اور اسکی مدد انسان کیلئے کافی ہے۔ اس مدد کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے، کبھی رب

ذوالجلال کے انبیاء علیہم السلام سے کبھی اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالی سے اور کبھی اللہ تعالی مخلوقات کے دیگر افراد کو اور عام بندوں کو انکے درجے کے مطابق بندوں کیلئے مددگار بنا دیتا ہے۔

ایسے میں اللہ تعالی کی رحمت کے حصول کیلئے ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کسطرح درخواست کرنی چاہیے۔اپنے رب کو اپنے اوپر مہربانی کیلئے کس طرح ندا کرنی چاہیے؟

اگر ہم اپنی طرف سے کوئی مضمون بناتے ہیں اپنی طرف سے اللہ تعالی کے حضور اپنی درخواست پیش کرنے کے لئے کوئی عبارت ہم بولتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی کمی ہو، کہ وقت تو ہو رحمت کے نزول کا لیکن رب ذوالجلال ان لفظوں سے ناراض ہو جائے۔اللہ تعالی ان جملوں کی وجہ سے ناراض ہو جائے۔رحمتوں کے نزول کی بجائے اللہ تعالی کا عتاب آجائے۔

اس واسطے ادھر بندے کی صورتحال یہ ہے کہ وہ ڈوبنے کو ہے، وہ جلنے کو ہے، وہ مرنے کو ہے، وہ پگھلنے کو ہے حالات کے نیچے روندے جانے کے بالکل قریب ہے اور اب اس کے پاس کلئیر اور حتمی انداز ہونا چاہیے کہ جونہی وہ بولتا جائے تو اُدھر سے در رحمت کھل جائے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

(پ۲، سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۸۶)

میرے محبوب جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو ان کو بتا دو کہ میں قریب ہوں دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو سنتا ہوں اور

قبول کر لیتا ہوں۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ایسے بہترین جملے اور ایسی بہترین دعائیں میسر ہیں کہ جن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف میں ہمارے لئے بہت بڑی سعادتوں کا پیغام ہے اور جن کی وجہ سے درِ رحمت کھلتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نواز دیتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

جو لوگ نیک کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں محروم نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت کو ان کے شامل حال فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے اُنکے ہر قسم کے امور طے پا جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو وہ ہر لمحہ اپنے قریب محسوس کرتے ہیں۔

ایسے میں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے اتنا جامع نصاب عطا کیا گیا ہے کہ جس طرح کے بھی حالات آ جائیں اور جو بھی صورتحال ہو۔ محبوب علیہ السلام کا ایک ایک جملہ ہمارے لئے حوالہ رحمت ہے اور ایک ایک جملہ گلشنِ برکات ہے کہ جس وقت "الفاظ ادا کئے جاتے ہیں۔ تو اُن پر سند یہ ہوتی ہے کہ ہمارے بولنے سے پہلے وہی جملہ ہمارے نبی علیہ السلام نے بول کر اپنے رب کے دربار میں رجسٹریشن کروا دی ہے۔

لہٰذا جس وقت ہم وہی جملہ بولتے ہیں تو اس کی وجہ سے اگر زبانیں ہماری ہیں لیکن اُن کے اندر رسول اکرم ﷺ کے الفاظ کی نسبت موجود ہے۔ جس کی وجہ سے وہ الفاظ چابی اور کلید کا کام کرتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے برکات کا حصول ہوتا ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص کو ہلاک کر دینے والا درد اور اس کا علاج

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

ایک دن میرے پاس محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آپ کی جلوہ گری ہوئی تو۔۔۔ مجھے شدید قسم کا درد تھا۔۔ میں بیمار تھا اور اتنا شدید درد تھا۔۔۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا۔

ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ

اِمْسَحْ بِيَمِيْنِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ

اپنے ہاتھ کو وہاں رکھو جہاں تجھے درد ہو رہا ہے۔

قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم کہو۔

قُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ

(الاذکار، باب مایقولہ المریض، ص ۱۳۴)

سات مرتبہ یہ کہو میں اللہ کی عزت اور قدرت کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس بیماری کے شر سے جو میں محسوس کر رہا ہوں۔

جو بھی اس وقت میرا پرابلم ہے اسکا جو شر ہے اسکی وجہ سے میں اللہ تعالی کی عزت اور اسکی قدرت کی پناہ میں جا رہا ہوں۔

اللہ تعالی کی عزت اور اسکی قدرت کی پناہ میں میں داخل ہوتا ہوں اس شر سے جو اس وجہ سے میرے قریب آ رہا ہے۔ یہ کلمات تم اپنی زباں سے ادا کرو۔

ابو داؤد ترمذی اور نسائی میں یہاں زائد الفاظ بھی ہیں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ کہتے ہیں۔ مجھے جس وقت نبی علیہ السلام نے یہ بتایا۔

فَفَعَلْتُ

تو میں نے ایسا ہی کیا

فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ

تو فوراً جتنا بھی میرا مرض تھا وہ ختم ہوا اور درد دور ہو گیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

لَمْ أَزَلْ آمُرُ بِهِ أَهْلِيْ

میں ہمیشہ اپنے خاندان والوں کو گھر والوں کو بیوی بچوں کو یہ الفاظ میں پڑھاتا تھا اور یاد کرواتا تھا اور ان کو میں کہتا تھا کہ جس کو جو بیماری ہو اس طرح ہاتھ رکھے اور یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے درد کو دور کر دے گا

یہ حتمی شفا کے ذریعے کے طور پر وہ چیزیں ہیں کہ جو سید عالم ﷺ کی رحمت کا ایک حصہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کہا اور پھر یہ بیان کر دیا کہ میری رحمت محسنین کے قریب ہے تو اس طرح سید عالم ﷺ کا ایک ایک جملہ بھی رحمت ہے جس کی وجہ پر کوئی انسان آج بھی یقین کامل کے ساتھ اور اپنے قلبی خلوص کے ساتھ جب یہ کہتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اسکے شامل حال ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ابھی بہت سی باتیں اور دعائیہ کلمات آرہے ہیں۔

کچھ لوگ پھر یہ سوچتے ہیں کہ کیا ہمیں یہ پڑھنے کی اجازت بھی ہے کہ نہیں ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک ...... کو یہ تحفہ دیا ہے تو ساری امت کیلئے اس کی اجازت ہے لیکن ایک خاص اجازت جو شیوخ کی طرف سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کی ساری محنتیں اور ان کے سارے وظائف کی برکات بھی شامل ہو جاتی ہیں اس

اجازت کا بھی یقیناً اثر ہوتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہی اجازت ہے کہ مجھے مشائخ بغداد شریف نے تمام اوراد وظائف کی جو اجازت دی تھی اس کے ساتھ میں اس کو بیان کر رہا ہوں۔ لہٰذا اسمیں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے آپ اس کو یقین کامل کے ساتھ رب ذوالجلال کے فضل کی طرف نگاہ کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے دامن رحمت کو تھامتے ہوئے اپنے شیوخ کے توسل کے ساتھ پڑھیں ان الفاظ کو جس وقت ادا کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً رحمتوں کا نزول ہو جائے گا۔

دکھ، درد اور مصیبت کیلئے اکسیر وظیفہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ کلمات کی تلقین کی ہے اور وہ کلمات مجھے محبوب علیہ الصلوٰۃ و السلام نے یاد کروائے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام نے تلقین بھی کی اور حکم بھی دیا۔

اِنْ نَزَلَ بِیْ کَرْبٌ اَوْشِدَّۃٌ

کہ اگر مجھے کوئی دکھ ہو مجھ پر کوئی مصیبت آ جائے اور حالات سخت ہو جائیں تو میں یہ کہوں۔

لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْكَرِيْمُ الْعَظِيْمُ سُبْحَانَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

یہ کلمات رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سکھائے۔

اچھے کلام کے ہر جملے سے بندے کو برکتیں ملتی ہیں۔ لیکن بعض کلمات کی بعض حالات کے ساتھ مناسبت ہے یعنی جس طرح لوہا سارا ایک طرح کا ہے۔ مگر جس

وقت اس کے دندانے بنتے ہیں تو کوئی چابی کسی تالے کیلئے کام دیتی ہے اور کوئی چابی کسی دوسرے کیلئے کام کرتی ہے۔ کیونکہ اسکی مناسبت ہوتی ہے۔ ایسے ہی خیر تو ان سب کلمات میں ہے لیکن بطور خاص احوال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا کرم برستا کیسے ہے اور محبوب علیہ السلام کا مقام یہ ہے کہ جو فرمایا کرتے تھے کہ میں اس لئے مسکرایا ہوں کہ میرا رب مسکرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو خاص تعلق ہے اسکی بنیاد پر ہے کہ فلاں بندے یہ سختی ہے تو اس پر نرمی ایسے ہوسکتی ہے اور جو کلمات کے اندر خصوصیت ہے کہ یہ کہو گے تو خدا پہلے جتنا بھی ناراض تمہارا ضی ہو جائیگا اور اور یقیناً وہ نواز دے گا

اس واسطے میرے محبوب علیہ السلام فرمانے لگے۔ اے علی! جب مصیبت آجائے تو یہ کلمات پڑھا کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ کلمات پڑھتا تھا اللہ شفا عطا فرما دیتا تھا۔

اور پھر انہوں نے یہ وظیفہ لوگوں کو سکھایا بھی ہے

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ وظیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھا اور پھر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ آگے سکھاتے تھے اور اس کو پڑھ کے باقاعدہ پھونک مارتے تھے۔

وَيُعَلِّمُهَا مُغْتَرِبَةً (اذکار، باب دعاء الکرب ص، ۱۲۱)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اس وظیفہ کی تعلیم مُغْتَرِبَةً بچی کو ضرور دیتے تھے۔ مُغْتَرِبَةً وہ لڑکی ہے جس کی شادی اجنبیوں میں کی جائے۔ اس کی شادی اپنے رشتہ داروں میں نہ ہو اس کو مغتربہ کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بالخصوص اپنے خاندان کی اس بچی کو یہ دعا

ضرور یاد کرواتے تھے کہ جس کی شادی اجنبیوں میں ہوتی تھی۔ کہ تم یہ وظیفہ پڑھتی رہا کرو اللہ تعالی کا فضل تمہارے شامل حال ہو جائے گا۔

اس لحاظ سے ہمیں بھی اپنی بہنوں کو، بچیوں کو یہ دعا ضرور یاد کروانی چاہیے یہ چیزیں ہیں جو ہمارے لئے قدم قدم پر رحمتوں کا حوالہ بننے والی ہیں

دکھوں کے بھنور سے نکلنے کے لئے وظیفہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ؟

کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھاؤں؟

اِذَا وَقَعْتَ فِيْ وَرْطَةٍ قُلْتَهَا

جب کہیں کوئی دکھوں کا بھنور ہو اور تم اس میں پھنسے ہوئے ہو اس وقت وہ کہو جو تمہیں فائدہ دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا

بلی

کیوں نہیں۔

جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ

مجھے رب تجھ پہ قربان کرے

میرے محبوب ﷺ آپ مجھے بتائیں وہ کلمات کونسے ہیں تو اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب بندہ جائیں، غموں کے سائے لمبے ہو جائیں تو

قُلْ۔ تم یہ کہو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

یہ تم ملا کے پڑھا کرو

اِنَّ اللّٰهَ يَصْرِفُ بِهَا مَاشَآءَ مِنْ اَنْوَاعِ الْبَلَاءِ

(اذکار، باب مایقولہ اذا وقع فی ھلکۃ، ص ۱۲۳)

بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دکھوں کی تمام اقسام میں سے جس کو چاہے گا دور فرما دے گا۔

مصیبتوں کی جتنی اقسام ہیں ان سب کیلئے یہ ایک علاج کافی ہے۔ تم صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی امید رکھتے ہوئے میرے کہنے کے مطابق اس ترتیب کے ساتھ انہی کلمات کو پڑھو گے تو اللہ تمہیں دکھوں، مصیبتوں سے نجات عطا فرما دے گا۔

جنگ اور حملے کے خطرہ کے وقت کی دعا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں بعض خاص حالات کے اندر بالخصوص جب جنگیں ہوتی تھیں اور بعض قوموں کے حملے کا خطرہ ہوتا تھا کہ اب مسلماں فلاں علاقے میں تھوڑے ہیں کفار کا ان پر حملے کا خطرہ ہوتا تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ تم اس وقت یہ دعا مانگا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

(الاذکار باب الدعاء عند القتال، ص ۲۱۰)

ہم ان کو ختم کرنے کیلئے یا اللہ تجھے درخواست پیش کرتے ہیں کہ تو ان کو ختم کردے اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور ان کے شر سے بچنے کے لئے تیری رحمت کے حصار میں آرہے ہیں۔

جس وقت یہ کلمات تم پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ کا فضل تمہارے شامل حال ہو جائے گا۔

ایسے ہی اگر مسلمانوں پہ ظلم وستم ہو رہا ہو اور مسلمانوں کا حاکم ان کو تباہی کی طرف دھکیل رہا ہو اور اس کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم ہوں تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جس وقت ایسی صورتحال ہو یعنی کسی بادشاہ کے مظالم بڑھ رہے ہوں یا مسلمانوں کے اندر کوئی حاکم ظالم ہو جس کی وجہ سے لوگوں کو ڈر آتا ہو، لوگوں کے لئے مسائل پیدا ہو رہے ہوں تو اس وقت عام وظیفہ یہ ہونا چاہیے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ

(الاذکار، باب مایقول اذا خاف سلطانا، ص ۱۴۴)

اے حلیم وکریم رب تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو سات آسمانوں کا رب ہے اور تو عرش عظیم کا رب ہے اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرا پڑوسی عزت پاتا ہے وہ ذلیل نہیں ہوتا "وجل ثناک" تیری ثنا کا مقام ومرتبہ بہت بڑا ہے۔

جس وقت یہ جملے بولے جاتے ہیں کتنا ہی سخت سے سخت دل حکمران کیوں نہ ہو اس کے دل میں عوام کیلئے نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے رحمت کا ایک سلسلہ عام فرما دیتا ہے۔

مغلق مصیبتوں کیلئے ایک کامیاب نسخہ اور دعا

بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں اور ایسی مصیبتیں بندے پر آتی ہیں اور جہاں یہ

لگے کہ بظاہر یہ دروازہ کھل ہی نہیں سکتا۔ وہ دروازے بھی کچھ کلمات سے یوں کھلتے ہیں جیسے پہلے کبھی بند ہوئے ہی نہیں تھے اگر بندہ ہو جس کی آنکھیں ہی نہ ہوں جس کے سننے کیلئے کان ہی نہ ہوں۔ اب اس کیلئے جہاں تاریک ہے لیکن یہاں بھی اللہ کے فضل سے ایسے رحمت کے حصول کے اسباب موجود ہیں کہ جس وقت بندہ متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جھوم کے برسنا شروع ہو جاتی ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک نابینا آدمی سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں آ گیا اور کہنے لگا۔

اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَنِيْ

اے محبوب ﷺ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے عافیت دے مطلب یہ ہے کہ میری آنکھیں بینائی والی ہوں اللہ مجھ پر فضل کر دے آپ میرے لئے دعا کریں۔ اب رسول اکرم ﷺ کے پاس دینے کیلئے اتنا کچھ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز مانگتا تھا تو آپ فرماتے تھے تجھے صرف یہی چاہیے یا اور بھی چاہیے۔

جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ آگے لوگوں کو یوں آفر نہیں کر سکتا۔ لیکن

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں

اب جس وقت اس شخص نے مانگا تو میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمانے لگے۔

اِنْ شِئْتَ اَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ

اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہارے لیے موخر کرتا ہوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر چاہتے ہو تو میں دعا کرتا ہوں۔

اگر چاہو تو اس حالت میں صبر کرو تمہارے لئے آنکھوں کی بہ نسبت یہ حالت اچھی ہے اور اگر تم چاہتے ہو تو میں دعا کرتا ہوں۔

تو اس نابینا صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آنکھوں کی ضرورت ہے آپ میرے لئے دعا کر دیں۔

ایسے ہی ایک خاتون نے سوال کیا تھا کہ یا رسول ﷺ مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے آپ میرے لیے دعا کریں تو آپ نے اسے بھی اختیار دیا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں اور تم چاہو تو اس پہ صبر کرو تمہیں جنت مل جائے گی۔ تو اس نے عرض کیا تھا کہ میں اس پر صبر کرتی ہوں اور آپ میرے لئے جنت کا اعلان فرمادیں۔ ان کا انداز اپنا تھا اور اپنا ذوق تھا۔

لیکن ان نابینا صحابی کا انداز اپنا ہے۔ اس صحابی کا کوئی ناقص فیصلہ نہیں اگر سارے جنت مانگتے جاتے تو شاید شک والے کہتے کہ جنت کا تو پتہ نہیں ملتی ہے یا نہیں ملتی ان کو اگر آنکھیں ملتی تو پھر پتہ چلتا کہ ان کی باتیں مانی جاتی ہیں۔

یہاں پر مجمع علیحدہ ہے جہاں سرکار نے فرمایا تھا کہ تم یہ جا کے کرو اور وہ غائبانہ بیٹھے ہوئے اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور دعا میں حوالہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دے رہے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ

تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جنکا نام نبی الرحمۃ ہے میں ان کو ساتھ لیکر ان کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں۔

تمہارے نبی کو ساتھ لے کے میں آیا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا لحاظ کرنا انکی وجہ سے میں مانگ رہا ہوں۔ اور پھر صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کہا کہ نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا کہ تم میری ساتھ ہو جاؤ۔

یَا مُحَمَّدُ

یہ لفظ بحثیت وصف کے بولتے ہوئے نابینا صحابی نے غائبانہ انداز میں یا محمد کہا۔ ابن ماجہ کی حدیث کے مطابق باقاعدہ یا کا کلمہ موجود ہے۔

یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ

اے محبوب ﷺ میں تمہیں ساتھ لے کے رب کی طرف جا رہا ہوں۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں یہ عرض کی کہ میں تیری بارگاہ میں تیرے محبوب کو ساتھ لے کے آیا ہوں تمہارے رب کے دربار میں میں تمہارا نام پیش کر رہا ہوں کیوں؟

فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی

تاکہ یہ جو میری حاجت ہے پوری ہو جائے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جگہ لفظ وہ دیا جو کروڑوں حاجتوں کو شامل ہو۔ اگر یہ ہوتا کہ جو میرا نابینا پن ہے یہ دور ہو جائے۔ یہ لفظ آجاتے تو پھر یہ دعا صرف نابینوں کیلئے کافی ہوتی دوسرے لوگوں کی بیماریوں اور مسائل کیلئے اس دعا کا فائدہ شاید نہ ہو سکتا۔ لیکن محبوب علیہ السلام نے لفظ ایسا جامع دیا کہ جو بھی حاجت ہو حاجت لفظ بول دو۔

وضو کرو یہ کلمات پڑھو اور دعا مانگو تو اللہ تمام حاجتیں پوری فرما دے گا۔

آخر میں فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ (ابن ماجہ، حدیث نمبر ۱۳۸۵)

اے اللہ میرے محبوب علیہ السلام کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔

یہ انداز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا کہ دعا تو رب سے مانگی جا رہی ہے لیکن سرکار کو درمیان میں وسیلہ بنایا جا رہا ہے کیونکہ سرکار کوئی اجنبی تو نہیں ہیں۔ دعا کے اندر بھی سرکار کو خطاب ہے۔ پہلے اسئلک سے اور آخر میں اللھم سے اللہ تعالی کو خطاب ہے۔ لیکن درمیان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا "یا محمد انی توجھت بک" میں آپ کے ذریعے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوں ساتھ اس سے پتہ چلا کہ جو دور بیٹھا لفظ یا پکار رہا ہے اور اس طرح محبوب علیہ السلام سے کہہ رہا ہے تو محبوب علیہ السلام کو خبر ہے کہ میرا امتی فریاد کر رہا ہے۔

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

لہذا اس انداز سے اللہ تعالی کی دی ہوئی سماعت سے جانتے بھی ہیں اور پھر سفارش بھی کرتے ہیں۔ سفارش کرنے والے کو خبر ہی نہ ہو تو سفارش ہوگی کیسے؟ اور پھر کہا یہ جا رہا ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ

اس سے پتہ چلا محبوب علیہ السلام سنتے بھی ہیں اور سفارش بھی فرماتے ہیں۔
یہ کلمات آپ نے صحابی کو دیے کہ وضو کر کے یہ کلمات پڑھ کے دعا مانگو۔ ادھر مجمع لگا ہوا تھا۔

قَالَ عُثْمَانُ فَوَ اللّٰهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَلَا طَالَ الْحَدِيْثُ بِنَا حَتّٰى دَخَلَ الرَّجُلُ كَاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضُرٌّ قَطُّ۔ (البدایہ جلد ۶، ص ۵۴۴، طبع دار المعرفہ بیروت)

حضرت عثمان بن حنیف نے کہا خدا کی قسم ابھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل سے نہیں اٹھے تھے اور نہ ہی بات لمبی ہوئی یہاں تک وہ بندہ داخل ہوا آنکھیں بالکل درست تھیں۔

اس انداز میں ان الفاظ کی تاثیر ہے مگر عقیدہ کا اس کے اندر بہت بڑا دخل ہے بندے کا عقیدہ سرکار کے بارے میں درست ہونا چاہیے۔

ایسے ہی ایک بندہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا اس کو کوئی مسئلہ تھا اور وہ حل کروانا چاہتا تھا۔ کئی دن آپکے پاس آتا رہا۔ لیکن اس کا مسئلہ حل نہ ہوا۔ اس کو کسی نے بتایا کہ تمہیں وہ وظیفہ پڑھنا چاہیے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نابینا کو بتایا تھا تو اس کا کام بن گیا تھا۔ تیرا کام تو اس کے مقابلے میں چھوٹا ہے۔

لہٰذا اس شخص نے وضو کیا یہی دعا پڑھی۔ تو وہی کام جو کافی دیر سے اٹکا ہوا تھا وہ فوراً حل ہو گیا۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رحمت کا ایک خزانہ ہے کہ جو بھی قلبی یقین کے ساتھ یہ کلمات پڑھے گا یقیناً اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں کے حصول کی نوید مل جائے گی۔

شیطان لعین کے حملے کے وقت کی دعا

ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے شیطان ہے جو ہمیں ہر جگہ گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے جال میں پھنسا کے اپنا کام کروانا چاہتا ہے اور پھر بالخصوص جس وقت بندہ نیک ہوتا ہے شیطان اس کے مقابلے کیلئے تیز ہوتا ہے۔

اگر پہلے سے ہی اسکی مٹھی میں بند ہوا سے دور سے جا کر شکار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن جو اس کے مقابلے میں اس کو ایک دو بار گرا بھی چکا ہو تو اب اس کے مقابلے کیلئے شیطان سمجھتا ہے کہ جب بھی موقع ملا تو اس کو ضرور منہ کے بل گراؤں گا۔ لہٰذا جو نماز پڑھنے آتا ہے وہ شیطان کو دھکا دے کے آتا ہے اور جو درس قرآن

میں آتا ہے جو روزہ رکھ لیتا ہے، جو حج کرتا ہے یہ بندہ شیطان پہ حملہ کر چکا ہے تو شیطان اس کے بارے میں بڑا بیدار ہے کہ جب بھی میرا بس چلے گا اس کو نہیں چھوڑوں گا اس واسطے جتنے بھی نیکی کے کام ہوتے ہیں وہاں نیکی کر لینے کے بعد شیطان کے شدید حملے کا خطرہ ہوتا ہے اس کے چیلے سارے اکٹھے ہوتے ہیں اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک بار تو یہ آیا ہے آئندہ اس کو نہیں آنے دوں گا۔

بالخصوص رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان جامع الاحادیث میں موجود ہے رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے میں فرمایا

"اِنَّ اَحَدَ کُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ" جس وقت بندہ گھر سے آیا تھا وضو کیا تھا تو قدم قدم پر گناہ جھڑتے گئے تھے، مرتبہ بلند ہوا تھا اللہ نے قدم قدم پر نیکی دی تھی مسجد میں اس نے نماز پڑھی فرشتے اس کے سر پر آسمانوں تک پَر تانے کھڑے تھے یہ نماز پڑھتا ہے فرشتے اس کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اس کے بڑے وارے نیارے ہو گئے اور شیطان کو اس کا بڑا دکھ ہوا کہ یہ کہاں آ گیا یہ تو میری مٹھی میں آتا لیکن یہ تو آزاد ہو گیا ہے یہ تو اللہ کی رحمتوں کا مستحق بن گیا ہے۔

اب اس کو غصہ ہے اس نے اپنا لشکر تیار کر لیا۔ ہمیں تو وہ نظر نہیں آتا لیکن ہم اُن کی نگاہ سے فیض پانے والے ہیں جنہیں وہ کچھ نظر آتا ہے جو ہم میں سے کسی کو نظر نہیں آتا میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمانے لگے۔

اب جس وقت بندہ نماز پڑھ کے مسجد سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک ہنگامہ مچ جاتا ہے ہمیں کوئی پتہ نہیں کہ باہر فوجیں کھڑی ہیں کوئی گرفتاری والے کھڑے ہیں۔ ہماری گرفتاری والے اور طرح کے ہوتے ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں لیکن ایک

خاص بھی گرفتاریوں والے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے۔ وہ کیا کرتے ہیں؟

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جونہی یہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہے ابھی اس نے دروازے تک جانا ہے۔

نَادَتْ جُنُوْدُ اِبْلِیْسَ

تو شیطانی لشکر آوازیں دیتے ہیں کہ نمازی کے نکلنے کا وقت آ گیا وہ نکل رہا ہے اب اٹھ بیٹھا ہے اور دروازے کے قریب آ رہا ہے۔

وَاجْتَمَعَتْ

وہ سارے دوڑتے اکٹھے ہو جاتے ہیں

کہ ایک سے شاید قابو نہ آئے۔ سارے جمع ہو جائیں تو یہ کیسے اکٹھے ہوتے ہیں آپ نے بڑی خوبصورت مثال دی ہے۔

كَمَا تَجْمَعُ النَّحْلُ عَلٰی يَعْسُوْبِهَا

جس طرح شہد کی مکھیاں ملکہ کے گرد اکٹھی ہوتی ہیں۔

ایسے ہی شیطاں کے سارے لونڈے شیطان کے پاس اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر مسجد کے باہر علیحدہ شیطان ہیں۔ جنہوں نے نمازیوں کو شک ڈالنا ہے، وسوسہ ڈالنا ہے، اگلی نماز سے لیٹ کرنا ہے یا نماز کے بارے میں کہنا کہ ٹائم ضائع ہوتا ہے، وقت خراب ہوتا ہے اور آرام کا ٹائم نہیں ملتا یہ بات اس کے ذہن میں ڈالنی ہے تا کہ یہ نماز چھوڑے وہ شیطان الگ ہیں۔

لیکن جب اس نے نماز پڑھ لی یہ اپنی جگہ سے اٹھا ادھر انہوں نے پوزیشن سنبھال لی۔ جونہی دروازے کے قریب پہنچا تو وہ جھانک کے دیکھ رہے ہیں کہ اب

باہر نکلے سہی اگر دوبارہ آیا تو پھر دیکھیں گے۔

جس وقت یہ باہر نکلتا ہے اب فوجیں جمع ہیں یہ رحمان کا بندہ اللہ کے گھر سے باہر نکل رہا ہے ادھر شیطانی لشکر دروازے پہ اس کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ میری ایک بات لے کے نکلو ایک جملے سے وہ سارے خائب وخاسر ہو جائیں گے اور تم آزادی سے ان کے درمیان سے گزر جاؤ گے۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں جب بھی نماز پڑھ کے مسجد سے نکلو اور آگے اس سے مواخذہ ہوگا کہ جب بھی کوئی اچھا کام کر کے اس جگہ سے باہر نکلو۔ تو شیطان کے گرفتار کرنے سے پہلے دعا مانگ لو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِہٖ (جامع الاحادیث للسیوطی ۲/ ۲۰۸)

اے اللہ میں شیطان اور اسکی فوج کے مقابلے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

یہ پڑھتے ہوئے جس وقت انسان باہر نکلتا ہے تو پھر کسی طرح شیطان کی طرف نہیں اور وہ نادیدہ دشمن کہ جس کو ہم ویسے مارنا بھی چاہیں تو اس کو تب ڈنڈا ماریں جب وہ نظر آئے لیکن رسول اکرم ﷺ نے ایک بہترین اسلحہ دے دیا کہ یہ اسے لگے گا جو تمہیں نظر نہیں آتا۔

تم ان کلمات طیبات کی طرف آجاؤ۔ یہ کتنا بڑا سہارا ہیں جس وقت تم یہ پڑھو گے تو یقیناً اللہ تعالی کا فضل تمہارے شامل حال ہو جائے گا اور کسی طرح کوئی مصیبت باقی نہیں رہے گی۔

قرض کی ادائیگی کیلئے وظیفہ اور دعا

آج کے ماحول میں قرض بھی ایک بہت بڑی بیماری ہے۔ قرض کے لحاظ سے

دعائیں بھی لوگ کرواتے ہیں اور انکا فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن جو وظیفہ میرے محبوب علیہ السلام نے بیان کیا ہے وہ وظیفہ ہم کیوں نہ پڑھیں اور اس کی برکات کو قرض ختم کرنے کیلئے کیوں نہ حاصل کریں۔ میرے محبوب علیہ السلام کا یہ فرمان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے علی

اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ

لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلَ جَبَلٍ دَيْنًا اَدَّى اللّٰهُ عَنْكَ

اگر تم پر پہاڑوں جتنا قرضہ بھی ہوا تو یہ کلمات پڑھو گے قرضہ ختم ہو جائے گا۔

اب صرف یقین کی بات ہے نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے نسخے ناقص نہیں ہو سکتے اصل میں بات بھی بڑی ہوتی ہے۔ پھر اس کے مطابق زبان بھی ہوتی ہے اور پھر کچھ نہ کچھ مناسبت بھی اس دربار سے موجود ہونی چاہیے۔

بہر حال اصل تو یہ وظیفہ ہے آگے پھر شرائط بھی پوری کرنی چاہیں۔

میرے محبوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اگر پہاڑوں جتنا بھی قرض ہو گا تو وہ قرض ادا کر دیا جائے گا، وہ قرض ختم ہو جائے گا وہ یہ دعا آپ نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

اے اللہ حرام کے مقابلے میں اپنا حلال میرے لئے کافی کر دے اور اپنے فضل کیساتھ اپنے غیر سے مجھے بے نیاز کر دے۔

اے اللہ میرے لئے حلال کو کافی کر دے اس سے پتہ چلا روزی پاک ہوتی جائے تو قرضے ختم ہوتے جاتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ

حرام کے مقابلے میں حلال سے تو میرے لئے کفایت کر۔

وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ

(الاذکار، باب مایقول اذا کان علیہ دین، ص ۱۲۶)

اور اپنا فضل مجھے دے کے غنی بنا دے "عمن سواک" اپنے سوا چیزوں کا محتاج نہ رکھ۔ اپنے فضل کے سوا میری محتاجی کو ختم کر دے اپنے فضل سے مجھے بے نیاز کر دے اپنے فضل سے مجھے غنی بنا دے یہ وہ کلمات ہیں اگر پہاڑوں جتنا بھی قرضہ ہو گا تو اس کی وجہ سے سارے قرض ختم جائیں گے۔

وساوس کو دفع کرنے کا علاج

ایک بہت بڑا مسئلہ جس کے بارے میں لوگ پوچھتے رہتے ہیں کہ مجھے بڑے نامناسب خیالات آتے ہیں میرے دل میں ایسی ایسی باتیں آتی ہیں کہ اگر میں وہ زبان پہ لاؤں تو کفر ہے جو لوگ اپنی ایسی حالتیں بیان کرتے ہیں ان کے بارے میں میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوزمیل نے شکایت کی کہ مجھے طرح طرح کے بڑے وساوس آتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے ایک آیت پڑھو سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے یہ پڑھا کرو

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

(پ ۲۷، سورہ الحدید، آیت ۳)

یہ آیت اس سلسلے میں نسخہ کیمیا ہے اس کے پڑھنے سے دل کے وساوس ختم ہو جائیں گے اور دل وسوسوں سے بالکل محفوظ ہو جائے گا، اور ایک ایسی تجلی بندے کے دل میں محفوظ رہے گی کہ جس کی وجہ سے اس کیلئے آسانیاں اور سہولتیں ہی سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔ (اذکار، باب مایقولہ من بلی بالوسوسۃ، ص ۱۲۸)

چند آیات کے خواص:۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی فوج کا ایک دستہ تھا مہم پہ نکلے ہوئے تھے تو ایک جگہ پہ چشمہ تھا وہاں پر انہوں نے ڈیرہ لگایا اور کچھ دیر کیلئے وہاں رہے چشمے کے قریب جو آبادی تھی ان کے لوگ آ گئے کہ ہمارا جو سردار ہے اس کو بچھو نے کاٹا ہے۔

هَلْ لَكُمْ مِنْ رَاقٍ؟

کیا تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے؟

کیا تمہیں کوئی ایسا کلام آتا ہے کہ جس کی وجہ سے ہمارا سردار صحیح ہو جائے۔

چونکہ صورتحال یہ تھی کہ وہ سارے علاج کروا چکے تھے۔

فَسَعَوْا لَهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ لَا يَنْفَعُ شَیْءٌ

انہوں نے اس سردار کے لئے بہت سی کوششیں کیں لیکن ذرہ برابر بھی اسکو فائدہ نہ ہو۔

اس طرح انہوں نے جس وقت اپنا پرابلم پیش کیا تو ایک صحابی اٹھے انہوں نے کہا ٹھیک ہے میں دم کرتا ہوں۔ وہ گئے فاتحہ پڑھی پھر اس کو دم کیا۔ انداز اس صحابی کا یہ تھا۔

يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَاُهٗ

آیت پڑھتے تھے پھر دم کرتے وقت تھوڑا سا تھوکتے بھی تھے۔

یہ انداز تحقیر ظاہر کرنے کیلئے نہیں تھا بلکہ شفا کے عطا کرنے کیلئے تھا۔ جس وقت اس انداز میں انہوں نے دم کیا تو صحابہ کرام کہتے ہیں۔

كَاَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ (الاذکار باب ما یقرء علی المعتوہ والملدوغ، ص ۱۲۹)

لگتا تھا کہ یہ بیمار نہیں تھا کسی نے رسی سے باندھا ہوا تھا اور اب وہ رسی کھول دی ہے۔

یعنی پہلے بیہوش پڑا تھا بے خبر تھا اور تڑپ رہا تھا اس طرح کی صورتحال تھی۔ لیکن اب صحابی نے دم کیا ہے۔ فاتحہ شریف پڑھی ہے۔ اُس کے بعد وہ بالکل صحیح ہو گیا۔ یوں جلد صحیح ہوا گویا کہ رسی سے کھول دیا گیا۔

پھر صحابہ کرام جس وقت رسول اکرم ﷺ کے دربار میں پہنچے تو صحابہ کرام نے اس کو بیان کیا۔ کہ ایک انسان بیمار تھا ہم نے دم کیا ہے اور پوچھنا اس لئے ضروری ہو گیا کہ انہوں نے ان کے مانگے بغیر کچھ نذرانہ دیا تھا۔ اب اُس کے جواز کا مسئلہ تھا۔ کہ وہ کھانا جائز ہے یا ناجائز ہے۔ تو اس کا حل سرکار نے بیان فرما دیا اور پھر آپ نے پوچھا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اس سے یہ کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس کو اس لئے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کو اس لئے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ تو یہ دربارِ رسالت کا اثر تھا کہ جس کی وجہ سے فاتحہ کا نام ہی راقیہ ہے یعنی دم والی صورت، جس وقت اس کو پڑھا جائے تو ہر طرح کی بیماری دور ہو سکتی ہے۔

سورۃ فاتحہ کے خواص

حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں

اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آ کر کلمہ پڑھا۔

پہلے حضرت خارجہ کے چچا کافر تھے۔ لیکن جس وقت انہوں نے کلمہ پڑھا تو فوراً ساتھ پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ کہ اب کلمہ پڑھا ہے جو کچھ قرآن اترا ہے۔ اس کو کچھ نہ کچھ یاد کریں۔

پھر جس وقت یہ کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد واپس گھر کو چلے تو کہتے ہیں میں ایک جگہ سے گذرا تو دیکھا لوگوں نے ایک بندے کو زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی زور لگا رہا ہے اتنا بھاری بھر کم ہے اُس کو سنگل سے باندھا ہوا ہے۔ اُس کے گھر والے بڑے پریشان ہیں۔ حضرت خارجہ کے چچا کہتے ہیں۔ جب میں پاس سے گزرا۔

فَقَالَ اَھْلُهٗ

تو اُس کے اھل نے کہا۔

جو سرکار کا تعارف اردگرد پھیلا ہوا تھا تو اسکی وجہ سے آپ کے ماننے والوں کو لوگ پہچان لیتے تھے۔ کیونکہ لوگ گزرتے گزرتے بھی پہچانے جاتے تھے کہ یہ دربار رسالت سے ہو کے آرہے ہیں۔

قَالَ اَھْلُهٗ

اُس بندے کے گھر والوں نے کہا جو کہ خود ابھی مسلمان نہیں تھے۔

حُدِّثْنَا اَنَّ صَاحِبَكَ ھٰذَا قَدْ جَآءَ بِخَیْرٍ

اے گذرنے والے ہمیں پتہ چلا ہے کہ تمہارے جو نبی ہیں یہ خیر لے کے آئے ہیں۔ ان کے پاس بھلائی بہت ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے پاس خیر ہے۔

"اِنَّ صَاحِبَكَ" کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ خود دین سے محروم ہیں۔ سرکار کے بارے میں کہتے ہیں کہ اے گذرنے والے ہمیں تیرے نبی کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ اُن کے پاس برکتیں اور رحمتیں بڑی ہیں۔ ہمارا یہ بندہ بیمار ہے۔ ہم نے اس کو حیوانوں کی طرح جکڑا ہوا ہے۔ اگر تیرے پاس کچھ ہے تو تو اس کو دم کرتا کہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے۔ حضرت خارجہ کے چچا کہتے ہیں۔ میں گزر رہا تھا۔ جب انہوں نے کہا۔

هَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ تُدَاوِيهِ؟

کیا تیرے پاس کچھ ہے کہ تو اس کا علاج کر دے؟

تو حضرت خارجہ کے چچا نے کہا ٹھیک ہے میں دم کرتا ہوں۔

فَرَقَيْتُهُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

یہ کہتے ہیں میں نے فاتحہ پڑھ ڈالی، جس وقت میں نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔

فَبَرَاء

فاتحہ پڑھنے کی دیر تھی اسکے سارے مرض بالکل صحیح ہو گئے۔

وہ پاگل، وہ مجنون جس کو انہوں نے رسیوں سے باندھا ہوا تھا، زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا یہ کہتے ہیں میں نے فاتحہ پڑھی تو وہ صحیح ہو گیا، تو اُس کے گھر والے اتنے خوش ہوئے کہ۔

فَأَعْطَوْنِي مِائَةَ شَاةٍ (الاذکار، باب ملقر أعلی المعتوہ، ص ۱۳۰)

انہوں نے سو بکریاں مجھے نذرانے میں پیش کر دیں۔

اس سے اندازہ لگاؤ وہ اُن کا کتنا بڑا قیمتی انسان تھا۔

اس سے یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ کوئی تعویذوں کے دھندے اور کاروبار کیلئے ایسا سلسلہ شروع کر دے۔ یعنی اس میں نفسِ جواز تھا۔ کہ جس وقت انہوں نے اپنی طرف سے نذرانہ پیش کیا تو اُس صحابی نے وہ نذرانہ قبول کر لیا۔

لیکن یہ طے کر لینا کہ اتنے پیسے لوں گا پھر میں تعویذ دوں گا۔ یا اپنا ریٹ آویزاں کر دیا۔ یا اس سلسلے میں لوگوں کو کہنا اور مانگنا یا کسی سے کہلوانا۔ یہ پھر کلمات طیبات کی بیع وشراء کا معاملہ بن جائے گا۔ جو کہ صحیح نہیں ہے۔

یہ اُن کا خلوص تھا جو انہوں نے ایسا کیا ہے۔ اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا، اس واسطے ساری صورتوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان فرامین نے واضح کر دیا ہے۔

اب اس سے یہ سمجھ آرہا ہے کہ صحابہ کرام نے خود کچھ وظیفے قرآن وسنت سے سمجھ لئے تھے حالانکہ اُن کو بتایا نہیں گیا کہ فاتحہ یہ کام بھی کرتی ہے۔ اپنے طور پر سوچا کہ جب فاتحہ ہے۔ نام ہے اسکا کھولنے والی، تو سب سے بڑا کام یہ ہے کہ رحمت کا دروازہ کھولتی ہے۔ لہٰذا جب بھی فاتحہ پڑھی ہے تو اس سے کام بن گیا ہے۔

سورۃ المؤمنون کی آخری چند آیات کے خواص

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میرے پاس ایک بیمار آدمی آ گیا تو مجھے کہا گیا کہ اس کو دم کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں نے اُس کے کان میں کچھ کہا۔ تو وہ صحیح ہو گیا۔

وہ آدمی بیمار تھا میں نے دم نہیں کیا کہ میں نے پڑھ کے پھونک ماری ہو۔ میں نے صرف اس کے نزدیک منہ کر کے کان میں کچھ کہا۔ تو وہ صحیح ہو گیا۔

جس وقت وہ صحیح ہو گیا۔ تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا۔

مَاقَرَأْتَ فِیْ اُذُنِهٖ؟

تم نے اس کے دونوں کانوں میں کیا پڑھا ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے پڑھا نبی علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے۔ تو سرکار کی بارگاہ میں ان کا مرتبہ ایسا تھا کہ ان کو گھر کا فرد بنایا ہوا تھا۔ تو سرکار کی

بارگاہ میں بیٹھے ہوئے یہ دم کر رہے تھے۔ اتنا پردے سے کیا کہ کان میں دم کر دیا۔
محبوب علیہ السلام نے فرمایا "مَا قَرَأْتَ فِيْ اُذُنِهٖ" اس کے دونوں کانوں میں تم نے کیا پڑھا۔

یہ سرکار کا اپنا انداز ہے جو فرش پر بیٹھ کے لوح محفوظ کی تحریریں پڑھتے ہیں ان سے ابن مسعود کا دل چھپا ہوا نہیں ہے۔ زبان کے کلمات بھی آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس سے حکمت کا اظہار مقصود تھا۔

آپ نے فرمایا بتاؤ تم نے کیا پڑھا۔ تو کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ سورۃ المومنون کی آخری آیات میں نے پڑھی ہیں۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ

سورۃ المومنون کا یہ آخری حصہ " اَفَحَسِبْتُمْ " سے لیکر آخر تک میں نے مکمل پڑھا ہے۔ تو میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا۔ اچھا تم نے یہ پڑھا ہے تو سن لو۔

لَوْ اَنَّ رَجُلًا مُوْقِنًا قَرَءَ بِهَا عَلٰى جَبَلٍ لَزَالَ

"اگر یقین والا بندہ یہ آیات پہاڑ پہ پڑھے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔" لیکن شرط یہ بیان کی کہ اُسے یقین اتنا ہے جتنے یقین کا یہ آیت تقاضا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ان آیات کو پڑھ کے ایک چھوٹی سی بیماری کو دور کیا۔ تمہیں یہ پتہ نہیں کہ تمہارے اس قرآن میں اتنی پاور ہے کہ جس سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹائے جا سکتے ہیں۔

یہ ایمانی چیز ہے۔ بعض اس پہ اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو زمانہ ٹیکنالوجی کا ہے اور تم پھر بھی یہ کہتے ہو کہ یہ آیت پڑھو فلاں آیت پڑھو۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ٹیکنالوجی کا عروج بھی ہے اور زمانہ بھی ہے۔مگر ٹیکنالوجی کی وہاں تک رسائی نہیں جہاں تک ایمانی حرارت کی رسائی ہے۔لہٰذا ٹیکنالوجی کیا کرے گی۔سال 2005ء میں زلزلہ آیا تھا اور پھر اس کے بحثیں چلتی رہی تھیں کہ اب ہمیں کوئی بندوبست کرنے چاہیں تاکہ زمین زلزلوں سے بچ جائے۔زمین کے اندر کچھ پلیٹیں ہیں اُن کو سیدھا کر دیا جائے، ان کو الٹا دیا جائے۔انکی ایک ترکیب بنادی جائے۔تاکہ آئندہ زلزلے نہ آئیں۔میں کہتا ہوں یہ فکر کامیاب کیسے ہو سکتی ہے رب ذوالجلال کسی کو ہلانا چاہے تو اُس کو کون روک سکتا ہے؟

جس طرح کل بیان تھا کہ ایک طبقہ کہتا ہے دیکھنا کہیں رب بھلا نہ دے" اللہ بھلانا چاہے تو روکے گا کون؟ اللہ تعالیٰ زلزلہ لانا چاہے تو روکے گا کون؟

بندہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ زمین کو ہلانا چاہے تو میں ہلنے نہ دوں، یہ اپنے بارے میں کہے کہ اللہ مجھے مارنا چاہے تو میں مروں گا نہیں۔اگر بندہ آپ مرتا ہی نہیں تو پھر یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں ایسے بندوبست کرلوں گا کہ پھر کسی طرح زلزلے نہیں آسکیں گے۔

یہ صورتحال ٹیکنالوجی کی کوتاہی میں ہے مگر محبوب علیہ السلام کے دربار میں ایسی صورتحال ہے چاہیں تو زلزلے لے آئیں چاہیں تو زلزلے روک دیں۔

ایمانی حرارت کا یہ کام ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہ جب زمین پہ زلزلہ آیا تھا تو انہوں نے زمین کو کوڑا مارا تھا اور کہا تھا اے زمین تو کانپتی ہے اور تجھ پہ عمر عدل کر رہا ہے۔اگر عمر نے عدل نہیں کیا تو کانپ اور اگر عمر نے عدل کیا تو عمر تجھے کانپنے نہیں دے گا۔تو زمین کے زلزلے ختم ہو گئے تھے۔

ادھر زلزلہ ختم ہوا ہے لیکن ادھر آپ نے فرمایا اگر پہاڑ ہو کہ جس کو ہلانا کسی کے بس میں نہیں ہے جتنی ٹیکنالوجی لے آئیں اُس کو بحیثیت پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔ لیکن آپ نے فرمایا۔

اگر میرے قرآن کے بارے میں یقین اسطرح کا کامل ہو تو اے ابن مسعود جو تم نے مریض کے کان میں پڑھا ہے اگر وہ پہاڑوں پہ پڑھا جائے تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے زائل ہو جاتے ہیں۔

جان و مال کے تحفظ کیلئے کیمیا نسخہ

آج کل لوگوں کو جان و مال کے لحاظ سے بڑے پرابلم ہیں اور اس سلسلے میں بڑی تشویش ہے۔ تو یہ نسخہ بڑا عجیب نسخہ ہے۔ جو بخاری شریف میں موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

وَكَّلَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ

رمضان شریف میں صدقہ فطر کا ڈھیر لگا ہوا تھا تو مجھے نبی علیہ السلام نے فرمادیا کہ اے ابو ھریرہ تم نے وہاں پہرہ دینا ہے۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ امدادی کارکنوں اور ورکرز کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک طرف ساتھ مصلے والے ہیں اور ایک طرف ساتھ پہرہ بھی دیں اور نمازیں بھی پڑھیں۔ دو کام کریں۔

اسلام چونکہ دنیا اور دین ہے یہ نہیں کہ مال کو دھکا دے دیں کہ اس پر کسی پہرے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف توکل کافی ہے۔ توکل سے یہ مطلب ہے۔

خنجر تیز رکھا اپنا، پھر انجام اسکی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

اب سرکار نے بھی پہریدار بٹھایا ہے۔ تو پہرے دار بیٹھ گیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر میں ہیں صدقے کے مال کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ بیٹھے ہیں۔ لیکن اتنی نگاہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کھجوروں پر نہیں جتنی سوئے ہوئے سرکار کی نگاہ ان پر ہے۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے:

تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَايَنَامُ قَلْبِيْ

میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نگرانی کر رہا تھا کہ

اَتَانِيْ اٰتٍ

آنے والا آ گیا

فَجَعَلَ يَحثُّ مِنَ الطَّعَامِ

وہ اپنے ہاتھوں سے اُٹھا اُٹھا کر کھجوریں چادر میں ڈال رہا تھا اور جلدی جلدی سے گھڑی باندھ رہا تھا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَاَخَذْتُهٗ

میں نے اس کا جا کر بازو پکڑ لیا۔

کہ میں پہرہ دے رہا ہوں اور تم چوری کرتے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آئی اور میں نے ساتھ دھمکی بھی دی۔

لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تجھے میں نبی علیہ السلام کے دربار میں پیش کروں گا۔

تمہاری یہ کیسے جرأت ہوئی کہ صدقے کا مال ہے اور تم لوٹتے ہو۔ جس وقت آپ نے اسے پکڑا وہ بھی آخر بڑا شاطر تھا کہنے لگا۔

اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَ عَلَیَّ عِيَالٌ

میں محتاج ہوں، بھوکا اور نادار ہوں بال بچے کا خرچہ بڑا ہے۔

وَلِیْ حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ

اور بڑی اشد ضرورت ہے اور سخت محتاج ہوں۔ گھر میں کچھ نہیں تھا یہاں آگیا ہوں تم مجھے چھوڑ دو پھر میں نہیں آؤں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے

"فَخَلَّيْتُ عَنْهُ" میں نے اُس کو چھوڑ دیا۔

کہ آخر میں سرکار کا ایک خادم ہوں بیچارہ مجبور ہے چلو چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے اسکو چھوڑ دیا۔

فَاَصْبَحْتُ

صبح ہوئی ابھی میں نے بتایا نہیں کہ رات کو کوئی آیا تھا یا نہیں آیا تھا۔ میرے نبی علیہ السلام نے پہلے فرمادیا۔

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ

اے ابو ہریرہ رات والے قیدی کا بتاؤ۔ اُس نے کیا کہا؟ اُس کا معاملہ کیا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اگرچہ پہرہ میں دے رہا تھا مگر رب نے جن کو

شاہد بنایا ہے ان کا پہرہ بڑا پہرہ ہے۔ یہ حاضر و ناظر نبی کا پہرہ ہے۔

پہرے بٹھا کے بھی اس کے اوپر ایک اور پہرہ ہے پھر اللہ تعالیٰ کی نظر کا پہرہ ہے

آپ نے پوچھا کہ رات والے قیدی کا معاملہ کیسا ہے؟

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً

میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بیچارہ بڑا ہی پریشان تھا اور محتاج تھا اور اس کا بال بچہ بڑا تھا اُس نے بڑی منتیں کیں "فَرَحِمْتُهُ" میں نے رحم کر دیا کہ اُس کو چھوڑ دیا اور اُس نے کہا ہے کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا۔

تو میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا۔

اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ

پہلے نمبر پر تو یہ بات ہے کہ اُس نے جو تجھے پہلے کہا کہ میرے بچے بڑے بھوکے ہیں میں بھی بڑا بھوکا ہوں تو یہ اُس نے جھوٹ بولا ہے۔ دوسرے نمبر پر جو اُس نے کہا کہ میں آؤں گا نہیں یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہے۔ میں کہتا ہوں وہ پھر لوٹ کے آئے گا۔

اب لوگ کہتے ہیں اُن کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں ہے صحابہ کہتے ہیں ان کو ہر بار کی خبر ہے۔ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ باتیں بھی بتا دیں اور ان پر فیصلہ دے دیا جو باتیں سنیں تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہیں لیکن سرکار فرمانے لگے یہ سچ نہیں جھوٹ ہے جو تم نے سنا ہے اور تم جو کہتے ہو کہ وہ آئندہ نہیں آئے گا میں کہتا ہوں وہ آئے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یقین دیکھو اور رب کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے وہی یقین آج بھی ہمیں عطا فرمایا ہے بہکنے والے بہک گئے، گرنے والے گر گئے، بھٹکنے والے بھٹک گئے اور سنی پھر بھی صراطِ مستقیم پہ جا رہے ہیں۔

میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس وقت یہ خبر دی کہ وہ دوبارہ آئے گا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "عرفت" "مجھے معرفت آگئی" "انہ سیعود" کہ وہ دوبارہ آئے گا۔ کیوں؟

لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ سَیَعُوْدُ

چونکہ یہ بات تو ہے مستقبل کی کہ وہ آئے گا یا نہیں آئے گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرا یقین ہے کہ وہ آئے گا۔ کیوں آئے گا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چونکہ میرے سرکار نے فرمایا ہے کہ وہ آئے گا۔ اب اگر مستقبل کی خبر دینا جرم ہوتا ہے یا معاذ اللہ یہ شرک ہوتا تو سرکار خبر کیوں دیتے اور مستقبل کی خبر پر سرکار کے بارے میں یہ یقین رکھنا کہ چونکہ سرکار نے خبر دے دی ہے تو یہ کام مستقبل میں ضرور ہوگا۔ اس خبر کو صحیح خبر سمجھنا اور غیب کی خبر پر عقیدہ بنا لینا یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

"عَرَفْتُ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آئے گا۔ کیوں کہ نبی علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ آئے گا۔ پتہ چلا جو سرکار مستقبل کی خبر دیتے ہیں یہ سرکار کی شان ہے اور اس کے مطابق سرکار کی شان کو ماننا یہ صحابہ کی شان ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پہرہ دے رہا تھا اور میں اس انتظار میں تھا کہ وہ ضرور آئے گا پھر آ گیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہرہ دے رہے تھے۔

وہ چور اچانک آیا اور دونوں ہاتھوں سے کھجوریں چادر میں ڈالنے لگا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر پکڑ لیا اور کہنے لگے کل بھی میں نے تجھے پکڑا اور چھوڑ دیا تھا آج پھر تو آ گیا ہے۔

تو وہ کہنے لگا نہیں نہیں...... آج بڑی مجبوری بن گئی ہے بڑے مسائل بن

گئے ہیں بہت لمبا سفر تھا میں تھک گیا ہوں کچھ کھانے کیلئے نہیں تھا تو اس واسطے میں کھجوریں لینے لگا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل میں پھر رحم آ گیا اور آپ نے پھر اس کو چھوڑ دیا۔

جب صبح ہوئی تو پھر سرکار نے ان کے بتائے بغیر پوچھا:

یَا اَبَاھُرَیْرَۃَ مَافَعَلَ اَسِیْرُکَ الْبَارِحَۃَ

اے ابو ہریرہ رات والے قیدی کا معاملہ کیا ہوا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بتانے کے مطابق وہ چور آیا تھا چوری بھی اُس نے کی تھی میں نے پکڑا بھی تھا۔ لیکن اُس نے بڑی منتیں کیں کہ میرے بڑے مسائل ہیں۔ بھوک بڑی ہے نادار ہوں تو میں نے اُس کو پھر چھوڑ دیا ہے میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس نے جھوٹ بولا ہے اور یاد رکھو کہ وہ پھر آئے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے یقین ہوا کہ وہ آج پھر آئے گا۔

اب دل میں پکا عہد کرلیا کہ آج اسے نہیں چھوڑوں گا۔ ایک بار آئے سہی۔ میں اُس کو پکڑوں گا اور سرکار کی بارگاہ میں پیش کروں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رات کا وقت ہوا تو وہ پھر آ نکلا اور اُس نے چوری شروع کردی یہ تیسری بار تھی۔ جس وقت اُس چور نے کھجوریں اُٹھانا شروع کر دیں تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور کہنے لگے آج تو تجھے بالکل نہیں چھوڑوں گا تو نے کل اور پرسوں کہا تھا کہ پھر نہیں آؤں گا تو، پھر تو کیوں آیا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ڈانٹنا شروع کر دیا تو اس نے بھی سمجھا کہ آج مسئلہ کچھ گڑبڑ ہو گیا ہے۔

یہ جو مجھے حوالہ دے رہے ہیں کہ تو نے جو کہا تھا کہ میں نہیں آؤں گا تو پھر تو کیوں آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سختی پر اُس نے سمجھا کہ انھوں نے گھربار دین پڑھنے کیلئے چھوڑا ہوا ہے۔ ان کو میں اچھا سا نسخہ بتا دیتا ہوں ایک سبق دے دیتا ہوں اور اس کے عوض رہائی کروالیتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جو صحابہ کرام میں سے تاجر تھے وہ تجارت کرتے تھے اور جو زراعت والے تھے وہ زراعت کرتے تھے وہ سارے اپنے کھیتوں میں ہوتے تھے میں بھوکے پیٹ کے ساتھ صفہ پہ بیٹھتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اتنی اتنی بھوک کاٹی ہے کہ بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہوئے ہیں پھر یہ شان ملی ہے کہ صحابہ کرام میں روایت حدیث کے لحاظ سے پہلا نمبر پایا ہے۔

ان جتنی اور کسی نے حدیثیں روایت نہیں کی مگر اس کیلئے بھوک کا چلہ کاٹنا پڑا ہے یعنی اس سے پتہ چلا ہے کہ آج کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میں پڑھ بھی جاؤں اور مجھے تکلیف بھی نہ ہو تو یہ اس کی خام خیالی ہے سرکار کی دہلیز سے پڑھنے کیلئے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھوک کاٹنی پڑی تو ہمارے مدارس کے اندر کسی وقت کسی کو ناشتہ نہ ملے یا کھانا لیٹ ہو جائے تو انھیں سمجھنا چاہیے کہ کچھ نہ کچھ حضرت ابو ہریرہ کی سنت کا کوٹہ مل گیا ہے اور پھر اس میں فضل ہوتا ہے، اس میں کرم ہوتا ہے، اس میں برکتیں شامل ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے وہ چور کہنے لگا ایک بڑا اچھا وظیفہ ہے میں تمہیں وہ بتاتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ اس کو سزا دلوا کے کیا کرنا ہے اگر یہ کہتا ہے تو میں سن لیتا ہوں۔ وہ چور کہنے لگا۔

دَعْنِیْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ

مجھے چھوڑ دو تو سہی میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں۔

يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا

ان کلمات کے صدقے اللہ تجھے فائدہ دیگا۔

اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ

جب رات کو اپنے بستر پہ سونے لگو

فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ

آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔

شروع سے لیکر آخر تک اس نے پڑھ کر سنائی۔ اسکو اس واسطے یاد رکھنا ہے کیونکہ آگے پتہ کرنا ہے کہ یہ درس قرآن دے کون رہا تھا؟

اس نے پوری آیت پڑھی اور پورا سمجھایا۔

جس وقت یہ معاملہ ختم ہوگیا تو ساتھ اس نے ایک فائدہ بیان کیا کیونکہ جتنا چابیوں کا چوروں کو پتہ ہوتا ہے اور تالوں کے انداز کا جتنا چوروں کو پتا ہوتا ہے اتنا عام لوگوں کو نہیں پتہ ہوتا۔ تو اس نے کہا یہ پڑھو گے تو اس کا فائدہ یہ ہے۔

فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ

اللہ تمہارے گھر پر پہرے دار کھڑا کردے گا۔

اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ آجائے گا جو تمہارے مال اور گھر کی حفاظت کرے گا۔ ساتھ کہنے لگا کہ ایک بڑا خطرناک چور شیطان ہے۔

فَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ

تو وہ شیطان بھی تمہارے قریب نہیں آئے گا۔

تمہارے گھر پر ایک اللہ کا فرشتہ آجائے گا۔

فَلَا یَقْرَبُکَ شَیْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ

تو فجر تک تمہارے قریب شیطان نہیں آئے گا اور مال بھی محفوظ رہے گا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَہٗ

میں نے کہا یہ وظیفہ بڑا اچھا ہے چلو تم جاؤ۔ میں نبی علیہ السلام سے جا کے بات کرلوں گا۔ تو وہ پھر رہا ہو گیا۔

پھر جس وقت صبح ہوئی تو میرے محبوب علیہ السلام نے پھر غیب کی خبر دی۔

یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُکَ الْبَارِحَۃَ

اے ابوھریرہ رات والے چور کا معاملہ کیا ہوا؟

"قُلْتُ" میں نے کہا۔

زَعَمَ اَنَّہٗ یُعَلِّمُنِیْ

اس نے کہا تھا کہ میں آپکو تھوڑا سا درس قرآن دیتا ہوں اور آپ مجھے چھوڑ دیں۔ میں اس کے درسِ قرآن کے جھانسے میں آ گیا اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے کہا میں تمہیں علم دیتا ہوں۔ میں نے سوچا علم اچھی چیز ہے چلو لے لیتے ہیں میں نے اس سے کوئی پیسہ نہیں لیا کہ پیسہ لے کر اسے چھوڑا ہو۔ آخر علم روشنی ہے۔ تو اس نے کہا تھا میں تجھے کلمات بتاتا ہوں۔ تو وہ کلمات مجھے اچھے لگے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

اس نے کہا کہ ان کلمات سے اللہ فائدہ دیتا ہے میں نے دیکھا کہ وہ اللہ کی باتیں کر رہا ہے۔ اللہ کی باتیں کرتا ہے، درس قرآن دے رہا ہے اور بندوں کو فائدہ دینے والی باتیں کر رہا ہے۔ تو اس لیے میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

سرکار نے فرمایا:

اِنَّہٗ صَدَقَکَ

پہلے دو دن تو وہ جھوٹ بولتا رہا آج اس نے سچ بولا ہے۔

یہ جو آیت الکرسی کے بارے میں بول کے گیا ہے یہ سچ ہے اس سے جان و مال کی حفاظت ملتی ہے یہ سچ ہے۔لیکن یہ سچا نہیں جو بول کے گیا ہے۔

وَھُوَ کَذُوْبٌ

لیکن وہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔

ایک ہوتا ہے کاذب اور ایک ہوتا ہے کذوب

آپ نے فرمایا کہ اس نے جو تجھے پڑھایا ہے وہ سچ ہے مگر کبھی اس بھلیکے اس سے کچھ نہ پڑھنا کیوں کہ وہ خود جھوٹا ہے۔'تو پتہ چلا کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولا جاتا ہے۔

لیکن اس سچ سے آگے اس کے پھندے میں پھنسنا یہ درست نہیں ہے۔اب محبوب علیہ السلام نے پوچھ لیا۔

وَاَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَیَالٍ؟

اے ابوھریرہ مجھے پتہ ہے کہ تین راتوں سے تیری بات کس سے ہو رہی ہے۔

اس کا ہاتھ بھی پکڑتے ہو، پھر اس کی منتیں سماجتیں بھی سنتے ہو۔وہ تم سے بولتا ہے۔

سارا منظر تمہارے سامنے ہے۔

قُلْتُ لَا

کہنے لگے میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔

اب یہ ہے شاہد کا مقام۔پہرہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ دے رہے ہیں مگر ان کو پتہ

نہیں میرے سامنے آتا کون ہے اور آتا کس گھر سے ہے، کہاں سے نکل کے آتا ہے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

ذاکَ شیطانٌ

(مشکوٰۃ شریف، باب فضائل القرآن، ص ۱۸۵، قدیمی کتب خانہ)

یہ شیطان تھا جو تین راتیں تمہارے پاس آتا رہا۔

اب میرے بھائیو!

یہاں پر ایک نہیں درجنوں مسائل کا حل موجود ہے۔ جو اصل مسئلہ ہے وہ تو حل ہے ہی کہ آیت الکرسی پڑھنے سے بندے کو شیطانوں سے نجات ملتی ہے، گھر محفوظ ہو جاتا ہے۔

لیکن موجودہ کرنٹ ایشوز کے لحاظ سے قوم کی رہنمائی اس طرف ضروری ہے۔

آج جس کے ہاتھ میں قرآن ہو تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی زمانے کا ولی ہے، یہ حق پرست ہے اور حق کا علمبردار ہے۔ یہ درس قرآن دینے والا بھی کبھی جھوٹا ہو سکتا ہے؟ سرکار فرماتے ہیں درس قرآن دے کے بھی سب سے بڑا جھوٹا ہو سکتا ہے۔ کس نے قرآن کا نسخہ بتایا تھا؟ کس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو درس قرآن دیا تھا؟

''أُعَلِّمُكَ'' میں تجھے تعلیم دیتا ہوں۔ کس کی؟ آیت الکرسی کی تعلیم دی۔

آیت الکرسی کی تعلیم دینے والا کیا صالح تھا، ولی تھا، نیک تھا، پرہیزگار تھا، نہیں چور تھا، بدمعاش تھا، ڈاکو تھا، سب سے بڑا لٹیرا تھا۔

اس واسطے محض کسی کے پاس قرآن دیکھ کر یہ نہ کہنا کہ اس کے پاس قرآن ہے تو اس کے دل میں ایمان بھی ہے۔

پاس قرآن تو ہے اس کو اسلام کا دھیان بھی ہے کہ نہیں......

لباس خضر میں یہاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر زندوں میں رہنا ہے ذرا پہچان پیدا کر

یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ نبی علیہ السلام کی حکمت بھری باتیں ہیں اور یہ قرآن کا فیصلہ ہے جو میں تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ اس نے درس قرآن دیا، اس کا اور کیا نام ہوسکتا ہے؟ قرآن کا کوئی حصہ کسی کو بتائے تو وہ درس قرآن ہوتا ہے۔ دے تو درس قرآن رہا تھا لیکن نام شیطان تھا۔

اس واسطے میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر قرآن کا خطرہ ہے۔

پوچھا گیا خطرہ اور وہ بھی قرآن کا۔ تو آپ نے فرمایا: ہاں! قرآن کا خطرہ۔

کیوں؟ آپ نے فرمایا

یَتَعَلَّمُہٗ الْمُنَافِقُوْنَ

اس کا درس منافق بھی دیں گے۔ درس قرآن منافق بھی دیں گے۔

یُجَادِلُوْنَ بِہٖ الْمُؤْمِنِیْنَ (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۱۳۵، مکتبہ حقانیہ)

خطرہ یہ ہے کہ قرآن کا درس دے کر میرے غلاموں سے جھگڑا کریں گے اور ان کو تنگ کریں گے۔

اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ سرکار کو آج کی خبر نہیں تھی۔ آجکا یہ درس قرآن اور یہ شادی حال اور آج کے تزکیہ نفس کے کورس اور اندر میں بغض نبی علیہ السلام اور منافقت۔ کون کہتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر نہ تھی؟ ہر چیز کی خبر تھی۔ اس لئے آپ نے ہمیں بتا دیا اور یہ خبر دی کہ کچھ ایسے ہونگے جو منافق ہونگے اور قرآن بھی ہاتھ میں ہوگا۔ ورنہ یہ امت کو بتانے کی ضرورت کیا تھی؟

پتہ چلا کہ ایسے حالات ہونگے مجھے امت پر قرآن کا خطرہ ہے۔ قرآن انکے ہاتھ میں ہوگا لیکن وہ "یُجَادِلُوْنَ بِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ" مومنین سے جھگڑا کریں گے۔

کن مومنوں سے؟ داتا صاحب کو بت کہیں گے، خواجہ اجمیری کے لیے صنم کا لفظ بولیں گے۔

یُجَادِلُوْنَ بِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ

اللہ نے جن کے قدموں کو صراط مستقیم بنایا ہے یہ ان کو اللہ کا دشمن بتائیں گے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

صراط مستقیم پر کس کا بورڈ لگا ہے؟ اللہ کے ولی کا۔ صراط مستقیم جو راستہ ہوتا ہے اس پہ سر نہیں ہوتا اس پہ قدم ہوتے ہیں۔ تو جہاں ولیوں کے قدم لگیں اللہ ان کو صراط مستقیم کہے اور یہ لوگ انکو صنم کہیں، بت کہیں اور آیتیں قرآن کی پڑھیں۔ تو یہ معاملہ تھا جو سرکار نے فرمایا کہ مجھے قرآن کا بھی خطرہ ہے کیونکہ اس پر پہرہ نہیں لگ سکتا کہ اس کا درس رمضان میں صرف مومنین ہی دیں۔ منافقین بھی دیں گے اور یہ میں اپنی طرف سے نامزد نہیں کرتا کہ وہ کون نہیں۔ لیکن تم قرائن دیکھ لو کہ وہ کون ہیں۔

صرف اس بنیاد پر کہ فلاں جگہ درس قرآن ہو رہا ہے تو منہ اٹھا کے کوئی جا کے بیٹھ جائے۔ یہ اس کی فراست نہیں بلکہ جہالت ہے۔ یہ بھی دیکھو کہ درس ہے تو کیا قرآن کا درس عشق کی عینک سے دیا جا رہا ہے یا بغض کی عینک سے دیا جا رہا ہے۔ اگر ساری رات اس نیت سے ورق گردانی کرتے گزر گئی کہ یہ پتہ چلے کہ وہ تو اتنا بھی نہیں دے سکتے۔ یہ ثابت ہو جائے کہ دیوار کے پیچھے کی ان کو خبر نہیں ہے۔ یہ پتہ چل جائے کہ امتی کیلئے نبی ﷺ جو بھی کرے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسے قرآن پڑھنے سے فائدہ کیا ہوگا۔

ارے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کی مشکل کشائی نہ ہوتی تو یہ قرآن ہمارے ہاتھ

میں کیسے ہوتا۔ یہ تو پہاڑ پہ نازل ہوتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ خود قرآن کہتا ہے:

تو اس سے بڑی کیا چیز تھی جو اس کو برداشت کرتی؟ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی کہ جس پر قرآن اتارا جا سکتا۔ اگر نہ اتارا جاتا تو لوح محفوظ پہ رہتا۔ تو پھر وہاں کتنے جا کے حافظ بنتے، کتنے وہاں سے قاری بن کے نیچے آتے، کتنے صوفی بنتے، کتنے مجاہد بنتے؟ ایک بھی نہ بنتا۔ کون جاتا اور پھر لوٹ کے واپس آتا۔

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جس سینے نے قرآن کو برداشت کیا ہے۔ آخر اس سینے کا احسان بھی ہم پہ موجود ہے۔ اس سینے سے بغض رکھ کر جو درس قرآن دے گا تو اس سینے سے فیض کیسے ملے گا۔

قرآن اترا ہے سرکار کے سینے پر

عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (سورۃ الشعراء، آیت ۱۹۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تمہارے دل پر یہ نازل کیا۔

قرباں جائیں اس مقدس دل پہ جس میں پاور اتنی ہے کہ جتنی پہاڑوں میں بھی نہیں۔ پختگی اتنی جتنی فولاد میں بھی نہیں اور نرمی اتنی ہے کہ جتنی گلاب میں بھی نہیں۔

اس انداز میں کہ اگر امتی کو کانٹا چبھے تو درد انکو ہوتا ہے۔

اتنی نرمی ہے کہ جب ماں بچے کو بھول جائے گی تو پھر بھی ان کی نرمی میں فرق نہیں آئے گا یہ اس انداز میں نوازنے والے ہیں۔

لہٰذا یہ پہلی اکائی ہے۔ اس کو پلے باندھنا۔ ایمان کا موسم ہے، تقوے کی بہار ہے۔ بڑے اچھے لمحات میں جہنم سے آزادی کا وقت ہے اور آخر کا یہ حصہ بھی ایک نسخہ کیمیا اور اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی حالت شک میں سن رہا ہے

خدارا ایک بار غیر جانبدار ہو کے اپنے دل کو کھول کے سامنے رکھ دے اللہ کے فضل سے اجالا ہی اجالا ہو جائے گا۔

اسواسطے انہوں نے قرآن لوگوں کو دکھا دکھا کر قرآن کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کی ہے۔ لوگوں سے فکر آخرت کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کی ہے۔ لوگوں سے جنت کی باتیں اور دوزخ سے ڈراؤ، اور عذاب کے مراحل کو آگے رکھ کے لوگوں نے اپنی چوریاں چھپانے کی کوشش کی ہے۔

مگر کون چھپ سکے گا۔ چور کی چوری کو اگر سرکار ظاہر کرنا چاہیں تو چھپ کون سکے گا؟ یہاں سے کیا ثابت ہوا۔

جس وقت شیطان کہہ رہا تھا کہ تمہارے قریب شیطان نہیں آئے گا۔ تو پتہ چلا کبھی کبھی شیطان خود اپنے آپ سے بچاؤ کے بھی سبق دیتا ہے۔

خود شیطان ہے اور کہتا ہے شیطان سے بچو۔ اپنے آپ کو جانتا ہے کہ میں شیطان ہوں۔ مگر لوگوں کے سامنے خلوص ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میرا شیطان سے کوئی تعلق نہیں ہے میرا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرا مادہ پرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرا امریکہ، انڈیا اور برطانیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حالانکہ اندر سے پورا شیطان ہے۔ تو یہ شیطان بول رہا تھا کہ یہ وظیفہ پڑھو گے تو شیطان سے بچ جاؤ گے۔ سامنے سامنے اس کے خلاف تقریریں بھی کرتے ہیں، بولتے بھی ہیں، جلسے بھی کرتے ہیں، ریلیاں بھی نکالتے ہیں، سب کچھ کرتے ہیں۔

ہمیں دور سے اس کھوج کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں سب کچھ سرکار نے ان جملوں میں عطا فرمایا ہے۔

یہ پڑھو گے تو بچ جاؤ گے۔ حالانکہ جو پڑھی جانے والی ہے وہ سچی ہے۔

لہٰذا ریلیوں میں قرآن کی آیتیں سچی ہیں اندر کے حسد اور اندر کے معاہدے، اور اندر کی خرید و فروخت اور اندر کے وہ سلسلے سارے اپنی جگہ پہ اس طرح کے ہیں۔

؎ بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں

کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

یہ بلاوجہ نظر بندیاں، دھوکے اور فراڈ یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔

یہ سب کچھ خود انہیں کا کیا دھرا ہے سامنے جو کچھ بھی کرتے رہیں اوروں کی آنکھوں میں دھول ڈال سکتے ہیں...... لیکن ...... ہمارے سامنے محبوب علیہ السلام کی دی ہوئی فراست موجود ہے۔ جس سے ہر چیز کو کھول کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ کہ کس نے کس موقعے پر ملت سے غداری کی ہے اور ملت کو فروخت کیا ہے۔

اس واسطے میں نے اس درس میں مختلف چیزوں کے لحاظ سے جو انسان کی ضرورت ہے اس کو بیان کیا ہے۔

سورۃ الواقعہ کے خواص

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

مَنْ قَرَاءَ سُوْرَۃَ الْوَاقِعَۃِ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ

جو بندہ ہر رات کو سورۃ الواقعہ پڑھے

لَمْ تُصِبْہُ فَاقَۃٌ اَبَدًا

وہ کبھی بھوکا نہیں مر سکتا۔

یہ دانشِ حجاز ہے۔ یہ میرے نبی علیہ السلام کی طرف سے ضمانت ہے۔ ایک امتی سرکار کا دیا ہوا نسخہ چھوڑ کے کسی بنک پہ انحصار کرے تو وہ امتی کس چیز کا ہے۔ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اگر چاہتے ہو کہ ہمارے گھر چولہا سرد نہ ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارے گھر میں فاقہ نہ ہو اور تم بھوکے نہ رہو تو روزانہ رات کو سورۃ الواقعہ پڑھو یہ قرآن روح کی بھی غذا ہے اور بدن کی بھی غذا ہے۔

كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ يَأْمُرُ بَنَاتَهُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے تھے کہ سورۃ واقعہ یاد کرلو اور اسے پڑھا کرو اس واسطے اپنی بچیوں کو یہ سورت بطور خاص اور سورۃ النور کا حفظ کروانا اور پھر ان کے مضمون تک انکی رسائی بہت ضروری ہے۔

یہ عام حضرات کیلئے بھی ہے اور خواتین کیلئے بھی ہے اسکو پڑھیں اور دوسروں کو پڑھائیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب نمبر
9

مسئلہ حاضر و ناظر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں حامی بیکساں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراط مستقیم کے فہم دین کورس کے پچیسویں (25) سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے

"مسئلہ حاضر وناظر"

میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ پاک میں حیات حسی وجسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور پوری کائنات آپ کے سامنے موجود ہے اور کائنات کے ذرے ذرے پر نگاہ کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ جہاں کہیں اللہ کے اذن سے اور اُسکی عطا سے ظہور پذیر ہونا چاہیں تو اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر بن سکتے ہیں۔

میں نے قرآن مجید کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۵)

O Prophet! the cmmunicater of unseen news, no doubt, we have sent you ou a present beholder and bearer of glod tiding and a warner.

اے غیب کی خبریں دینے والے نبی،

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

ہم نے آپ کو شاہد بنایا ہے۔

وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا

اور ہم نے تجھ کو بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنایا ہے۔

اس آیت کریمہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کہہ کر خود خطاب کیا ہے اور بعد میں آپ کے جن اوصاف کو بیان کیا ہے اُن میں سے پہلا وصف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "شاھد" بنایا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کا لقب بھی دیا۔ اور اس لقب کے ساتھ بھی آپ کا تذکرہ فرمایا۔

یَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (سورۃ النحل آیت نمبر ۸۹)

وہ دن کہ جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ اٹھائیں گے۔

عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

اُن پر انہیں میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے۔

وَجِئْنَابِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰؤُلَاءِ

اور آپ کو ان سب کے اوپر ہم گواہ بنائیں گے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا

(سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۱)

وہ کیسی صورتحال ہو گی جس وقت ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم آپ کو سب پر گواہ بنائیں گے۔

شاہد و شہید کا معنی

ان آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بھی کہا گیا اور شہید بھی کہا گیا۔

شاہد اور شہید دونوں کا مادہ اشتقاق ش، ھ اور دال ہے۔

عربی میں جہاں بھی یہ مادہ استعمال ہوتا ہے۔ تو حقیقت کے لحاظ سے اُس میں سے دو چیزوں کا معنی ضرور ہوتا ہے۔

1۔ ایک تو اس میں حضور یعنی حاضر ہونا ہے۔ (2) دوسرا آپس میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو صفات کے صیغے اس مادے سے مشتق کیے جاتے ہیں ان میں حاضر ہونا اور دیکھنا یہ دونوں باتیں پائی جاتیں ہیں۔

امام راغب کی نظر میں شاہد و شہود کا معنی

امام راغب اصفہانی مفردات قرآن کے اندر ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلشُّهُوْدُ وَ الشَّهَادَةُ اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ

شھود کا لفظ ہو یا شہادۃ کا لفظ ہو، اس کا معنی یہ ہوگا۔

اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ

وہاں پر حضور بھی ہو اور مشاہدہ بھی ہو۔

لفظ شاھد اور شھید دونوں جس وقت شہادت سے بنے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو شاھد ہیں اور شھید ہیں۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے وہاں پر حضور بھی پایا جائے گا۔ اور مشاہدہ بھی پایا جائے گا۔

جس بات کے وہ شاھد ہیں یا جس بات کے وہ شھید ہیں۔ اُس واقعہ کے پاس وہ حاضر بھی ہونگے اور اس کا وہ مشاہدہ بھی فرمائیں گے۔

پھر وہ مشاہدہ کی دو اقسام بیان کر دیں۔

اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ

مشاہدہ یا تو آنکھ کے لحاظ سے ہوگا یا دل کے لحاظ سے ہوگا۔

بہرحال مشاہدہ کا پایا جانا ضروری ہے۔

اس مجموعی معنی کو اگر ایک لفظ سے بیان کریں تو اس کو گواہ کہا جاتا ہے اور اگر اس کو تفصیلی حیثیت میں بیان کریں تو اس کو حاضر وناظر کہا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

اے غیب کی خبریں دینے والے ہم نے آپ کو حاضر وناضر بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے آپ کو گواہ بنایا ہے۔

لوگوں کی گواہی کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس کے گواہ ہیں اس کے بارے میں

وہاں موقع پر موجود بھی ہوں اور اس کا مشاہدہ بھی کریں۔

اگر ایک شخص کسی واقعہ کا گواہ بنتا ہے لیکن وہ وہاں پر موجود نہیں تھا۔ تو اس کو گواہ نہیں کہا جائے گا۔ اگر موجود تھا لیکن درمیان میں دیوار تھی۔ دیوار کے پیچھے کوئی واقعہ ہو گیا ہے تو پھر بھی وہ گواہی نہیں دے سکے گا۔ اس لئے کہ وہ اگرچہ قریب موجود ہے لیکن وہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ نہیں رہا تو اُس کو مشاہدہ حاصل نہیں ہے۔

اس واسطے اس کو گواہ نہیں بنایا جائے گا۔

بالکل ایک لمحہ پہلے دیوار کے پیچھے آپ دیکھ کے آئے تھے کہ زید کھڑا ہے اور ادھر آنے کے بعد اسی کی آواز آرہی تھی اور کوئی وقوعہ ہو گیا ہے تو شریعت میں آپ کی گواہی اس وقوعہ کے بارے میں معتبر نہیں ہے۔ اس واسطے کہ آواز آواز سے مل جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے واقعہ کسی اور کا ہو اور تم آواز زید کی سمجھتے رہو۔ چونکہ وہاں پر مشاہدہ نہیں ہو گا اس واسطے گواہی غیر معتبر ہو جائے گی۔

لہٰذا قابل قدر اور معتبر گواہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ جس کا گواہ ہے اُس کے بارے میں موقع پر موجود بھی ہو اور مشاہدہ بھی وہاں پر موجود ہو۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں شاھد و شھود کا معنیٰ

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے

"وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اس آیت کی تشریح میں لفظ شہید اور شاھد کے معنی پر بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اَلشُّهَدَآءُ جَمْعُ شَهِيْدٍ

آیت میں جو لفظ شھداء یا۔۔۔ یہ شہید کی جمع ہے۔

بِمَعْنَى الْحَاضِرِ اَوِ الْقَائِمِ بِالشَّهَادَةِ اَوِ النَّاصِرِ اَوِالْاِمَامِ

شاہد کے چار معنیٰ ہیں۔

1۔شہید کا پہلا معنیٰ ''الحاضر'' ہے۔

2۔شہید کا دوسرا معنیٰ ''قائم بالشھادۃ'' ہے۔شھادت قائم کرنے والا

3۔شہید کا تیسرا معنیٰ ''الناصر'' ہے۔یعنی مددگار

4۔شہید کا چوتھا معنیٰ ''الامام'' ہے۔

لفظ شھداء کے یہ چار معنی بیان کرنے کے بعد امام بیضاوی اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں۔ان چاروں میں وہ معنی کس طرح پایا جائے گا جو اصل ش، ھ، دال کے جمع ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

كَاَنَّهٗ سُمِّيَ بِهٖ لِاَنَّهٗ يَحْضُرُ النَّوَادِيَ وَ يُبْرَمُ بِمَحْضَرِهِ الْاُمُوْرُ

ان کو شہید کس واسطے کہا جاتا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ان کے سامنے محافل میں فیصلے ہوتے ہیں امام کے بیٹھے ہوئے سامنے فیصلہ ہوتا ہے۔اور تمام لوگ خواہ وہ ناصر ہے یا امام ہے۔

وہاں جس کے بارے میں وہ ناصر ہے اور جس چیز کے لحاظ سے ان کے سامنے فیصلہ کیا جارہا ہے۔تو وہاں حضور بھی پایا جاتا ہے۔اور اگر کسی کے سامنے فیصلے کیلئے کسی کو پیش کیا گیا ہے تو اس میں بھی حضور پایا جائے گا اور مشاہدہ بھی پایا جائے گا۔تو چونکہ امام و ناصر کے لحاظ سے محافل کے اندر لوگ اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں اور اپنے فیصلے کروانے کیلئے اپنے آپ کو حاضر کردیتے ہیں۔اُن کے سامنے جب کسی کا حضور ہوتا ہے تو خود ان کا بھی حضور ہوتا ہے، وہ بھی موجود ہوتے ہیں اور ساتھ مشاہدہ بھی ہوتا

ہے۔اس واسطے امام بیضاوی کہنے لگے۔

قائم بالشہادہ کو بھی شہید کہتے ہیں۔

حاضر کو بھی شہید کہتے ہیں۔

امام کو بھی شہید کہتے ہیں۔

اور ناصر کو بھی شہید کہتے ہیں۔

اسکے ساتھ ہی فرمانے لگے۔

لِاَنَّ التَّرْكِيْبَ لِلْحُضُوْرِ

اس واسطے کہ یہ حروف (ش، ہ، د) جہاں آ جائیں تو معنی حضور والا ہوگا۔

اس پوری ترکیب میں حضور والا معنی ہوتا ہے۔لہٰذا ایسا نہیں ہو سکے گا کہ شاھد یا شہید ہو مگر حضور والا معنی نہ ہو۔جس کو بھی شاہد کہیں گے یا شہید کہیں گے۔عربی لغت کے لحاظ سے اُس میں حضور والا معنی ضرور موجود ہوگا۔

اِمَّا بِالذَّاتِ اَوْ بِالتَّصَوُّرِ

یا تو بالذات حضور ہوگا۔اگر بالذات ممکن نہ ہو سکا تو پھر بالتصور حضور ہوگا۔

جس طرح شہادۃ علی الشہادۃ کی صورتحال کے اندر حضور علمی طور پر پایا جاتا ہے۔اب اسکو مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں مقتول کو شہید کہتے ہیں۔

وَمِنْهُ قِيْلَ لِلْمَقْتُوْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ شَهِيْدٌ

یہی سبب ہے کہ جو اللہ کے راستے میں مقتول ہو اس کو شہید کہا جاتا ہے۔

حالانکہ قرآن مجید میں اُسے مقتول کہا گیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (سورۃ البقرۃ:۱۵۴)

قرآن نے لفظ مقتول بولا، لیکن ہم اسے کیا کہتے ہیں، کہ وہ شہید ہے۔ اس کو شہید کیوں کہتے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟

امام بیضاوی علیہ الرحمۃ علیہ کہتے ہیں۔ اسکی دو وجہ ہیں۔

پہلی وجہ

جو اللہ کے راستے میں قتل ہوا اس کو شہید اس لئے کہا جاتا ہے کہ:

لِاَنَّہٗ حَضَرَ مَاکَانَ یَرْجُوْہُ

اُسے جس چیز کی تڑپ تھی اور امید تھی وہ اس کے پاس حاضر ہو گیا ہے۔

اُسے رب کے جلووں کی تڑپ تھی۔ وہ اللہ کے جلووں کے پاس حاضر ہو گیا۔ اس کو ثواب کی طلب تھی اور تڑپ تھی وہ ثواب کے پاس حاضر ہو گیا۔ اُس کو جنت سامنے نظر آنے لگی۔ یعنی جو کچھ اُس کا مقصود تھا وہ اُس کے پاس حاضر ہو گیا ہے۔ اس واسطے اب اُس کو مقتول نہیں کہا جاتا۔ بلکہ اُس کو شہید کہا جاتا ہے۔

لہٰذا حضور والا معنیٰ اس میں پایا گیا۔

دوسری وجہ

یا اس کو لئے شہید کہا جاتا ہے کہ

اَوِ الْمَلَائِکَۃُ حَضَرُوْہُ (تفسیر بیضاوی:۴۵)

اس کے پاس فرشتے حاضر ہو گئے ہیں۔ اس کی زیارت اور اسکی ملاقات کیلئے، اس پر گواہی دینے کیلئے کہ اس نے اپنی جان اللہ کے دربار میں پیش کر دی ہے۔ فرشتے اس کو دیکھنے آئے ہیں۔ چونکہ فرشتے اس کے پاس حاضر ہو گئے ہیں اور مشاہدہ کر رہے

ہیں اس وجہ سے حاضر بمعنی محضور بھی ہوتا ہے کہ جس کے پاس کوئی حاضر ہو گیا ہو اُس کو بھی حاضر کہا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس فرشتے حاضر ہو چکے ہیں۔

امام بیضاوی علیہ الرحمۃ کی اس وضاحت سے پتہ چلا کہ حاضر کا جو مطلب ہے اور شہید کا جو مطلب ہے اس کے لحاظ سے جہاں بھی لفظ شہید کا استعمال ہوگا وہاں ترکیب دلالت کرے گی کہ وہاں پر حضور بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔ جو اللہ کے راستے میں مقتول ہوا اُس کو شہید کہا جاتا ہے۔ اُس کے دو سبب ہیں یا تو یہ حاضر ہے اُس کے پاس جو اسے چاہیے تھا۔ یا اس کے پاس فرشتے حاضر ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہا جاتا ہے۔

جس انداز کا شاھد اسی انداز کا مشاہدہ

حاضر و ناظر کا لفظ جس وقت ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بولتے ہیں تو آپ پر اس لفظ کا اطلاق ہم اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان شاھد اور شہید کے لحاظ سے کرتے ہیں۔

کیونکہ جہاں شاھد و شہید ہوگا وہاں پر حضور بھی ہوگا اور مشاہدہ بھی ہوگا۔

جس انداز کا وہ شاہد یا شہید ہے۔ اُسی انداز کا مشاہدہ بھی ہوگا۔

مثلاً ایک شخص ایک گھر کے اندر واقعہ کا گواہ ہے تو اُس کا مطالعہ گھر تک ہوگا وہاں حضور ضروری ہے اور وہاں مشاہدہ ضروری ہے۔

ایک شخص محلے کے معاملے کا گواہ ہے تو وہاں اس کا حضور بھی ضروری ہے۔ وہاں مشاہدہ بھی ضروری ہے۔

ایک شخص شہر کے کسی معاملے کا گواہ ہے تو اُس کا وہاں حضور بھی ضروری ہے۔ اور مشاہدہ بھی ضروری ہے۔

میرے محبوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف کائنات کے لئے مطلقاً شاہد بنا کے بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا کائنات آپ علیہ السلام کے سامنے یوں ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی پہ رائی کا دانہ ہوتا ہے۔ آپ اُس کا مشاہدہ بھی فرما رہے ہیں اور اُس کے پاس موجود بھی ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جب یہ فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے شاھد بنایا۔ تو اللہ ایک بڑے وصف کو اجاگر کرنا چاہتا ہے۔

عمومی لحاظ سے تو شاہد ہر بندہ ہے۔ کوئی بندہ ایسا نہیں جو شاہد نہ ہو۔ ہر بندہ کسی نہ کسی بات کا شاہد ہے۔ کتنا ہی گیا گذرا کیوں نہ ہو وہ جہاں بیٹھا ہے۔ ساتھ بیٹھے ہوئے کا شاھد ہے۔ جسے دیکھ رہا ہے اُس کا شاھد ہے۔ گلی میں جا رہا ہے شاھد ہے۔ کسی نہ کسی چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے ہر وقت شاہد ہے۔

یہ کونسی شان تھی جس کو رب نے اجاگر کرنا تھا؟ ربّ ذوالجلال کا قرآن بول رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو صدر مقام پر بطور وصف کے بیان کیا ہے تو اس شاہد کے معنیٰ کو محدود نہ سمجھو۔ اُس شان کے مطابق سمجھو جس شان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

اگر چھوٹی چھوٹی باتوں کا معاملہ ہوتا تو شاید کوئی بڑی بات نہیں تھیں۔ لیکن رب ذوالجلال نے ان کو ذرے ذرے کا گواہ بنایا ہے۔

لہٰذا یہ وصف بہت بڑی شان دے کے عطا فرمایا ہے۔

ہم نے آپ کو شاھد بنایا، شہید بنایا۔ صرف اس امت کیلئے نہیں بلکہ پہلی امتوں

کے لئے بھی۔ جمیع امم کیلئے گواہ بنا دیا گیا۔ اور ان کے فیصلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر قیامت کے دن ہونے والے ہیں۔ اس وقت میں اسکی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ اس کا جس وقت ہم اطلاق کرتے ہیں تو پہلے معنی کے لحاظ سے جو امام بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ حاضر وہ ہے جو کسی کے پاس خود حاضر ہو۔

حاضر و ناظر

اب حاضر بمعنی موجود ہو گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو کائنات میں موجود ہیں اور اس کو دیکھ رہے ہیں۔ لوگ جو اس میں شق نکالنا چاہتے ہیں کہ حاضر تو چھوٹا بڑے کے دربار میں ہوتا ہے اور تم پیغمبر کو حاضر کہتے ہو۔ معاذ اللہ اس میں توہین ہے۔

ان لوگوں کو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اس کو فاعل کے معنی میں لیتے ہیں تو اس وقت ہی بمعنی موجود ہو گا۔ عربی زبان کا جو اصل اطلاق ہے اُس میں کسی طرح بھی یہ موجود نہیں ہے کہ جہاں حضور ہو وہاں یہ ضروری ہے کہ چھوٹا ہی بڑے کے پاس حاضر ہو۔ حاضر غائب کے مقابلے میں ہے۔ یعنی جو موجود نہیں وہ غائب ہے۔ اور جو موجود ہے وہ حاضر ہے۔ آگے اس کی شان دیکھیں گے۔ اگر چھوٹا ہے تو چھوٹے ہونے کے لحاظ سے ہو گا۔ اور اگر سب سے بڑا ہے تو محضور اُن کے مرتبے کے مطابق ہو گا۔

لہٰذا یہ پہلا معنی حاضر کا فاعل کے لحاظ سے بمعنی "موجود" ہے۔

اگر دوسرا معنی لیں تو پھر حاضر بمعنی محضور ہو گا۔

جس طرح کہ وہ بندہ جو اللہ کے رستے میں شہید ہوا تھا۔ فرشتے اس کے پاس آئے مگر شہید اس کا نام پڑ گیا۔ آئے تو اس کو فرشتے دیکھنے کیلئے تھے۔ مگر شہید اسے کہا

گیا۔اس کو محضور کہا گیا۔کہ اس کے پاس کوئی حاضر ہوا لیکن شہید اس کو کہا گیا۔ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے لحاظ سے جو حاضر کہتے ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ آپ محضور ہیں۔آپ کی خدمت میں کائنات کا ذرہ ذرہ حاضری دینے والا ہے۔وہ حاضر ہیں اور آپ اس کے ناظر ہیں۔

آپ پر اس وصف کا اس طرح اطلاق کیا جارہا ہے کہ جیسے وہ مقتول فی سبیل اللہ ہے۔حضور تو فرشتوں کے لحاظ سے تھا مگر شہید اس کو کہا جاتا ہے۔ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ حاضر تو بولا جائے گا۔لیکن مطلب یہ ہوگا کہ محضور ہیں وہ جن کے پاس کوئی اپنے آپ کو حاضر خدمت کر رہا ہے۔

حاضر و ناظر کی اقسام

حاضر و ناظر کا یہ مفہوم جو اپنے دامن میں بڑی وسعتوں کو سمیٹے ہوئے ہے اس کو ہم دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا معنی، اللہ نے اپنا گواہ بنایا۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ۔ (سورۃ الاحزاب ۴۵)

اے نبی ہم نے تجھے گواہ بنایا ہے، حاضر و ناظر بنایا ہے۔

اللہ نے کس کا گواہ بنایا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں کیا۔پھر یہ قانون ہے۔

اَلْمُطْلَقُ يَجْرِيْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ

جہاں مطلق لفظ ہو تو ہم اس کو مقید نہیں کر سکتے۔وہ علی الاطلاق ہوگا۔محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کو مطلقاً گواہ بنایا، کس کس فرد کا گواہ بنایا، اس کو بیان نہیں کیا۔

''شاھدًا'' ہم نے تجھے گواہ بنایا ہے۔

امام سُلمی کہتے ہیں۔ پہلا معنی یہ ہوگا۔

اللہ فرما رہا ہے۔

شَاهِدًا لَنَا (تفسیر سلمی: ۲/۱۴۹)

ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔

ہم نے تجھے اپنے دربار کا حاضر و ناظر بنایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب لوگ تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں گے اور دنیا کو یہ تڑپ ہے کہ پتہ چلے رب کیسا ہے۔ رب کی ذات کیسی ہے۔ رب کی صفات کیسی ہیں رب کا جمال کیسا ہے۔ رب کا اختیار کیسا اور اسکی قدرت کیسی ہے۔ رب کا علم کتنا ہے۔

اے میرے محبوب ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ یعنی جس نے میری رحمت دیکھنی ہو وہ تجھے دیکھے، جس نے میری قدرت دیکھنی ہو وہ تمہارے پاس جائے، جس نے میرا علم دیکھنا ہو وہ تم سے پوچھے، ہم نے تجھے اپنی ذات کا بھی گواہ بنایا ہے اور اپنی صفات کا بھی گواہ بنایا ہے۔

''شاھدًا لنا'' ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ ہر بندہ چاہتا ہے کہ میں رب سے ملوں، رب کو دیکھوں، اُس کے پاس جاؤں۔ مگر کہاں سفر کرے، کس جانب جائے، کہاں بیٹھے اور کہاں جا کے رب کو ڈھونڈے۔ کسی ایک جہت میں رب کو کیسے تلاش کرے گا۔ اگر کوئی مغرب کی طرف جا رہا ہے تو کیا شمال کی طرف رب نہیں ہے۔ اگر کوئی اوپر کی طرف جا رہا ہے تو کیا اس زمین پر رب کائنات کے جلوے نہیں ہیں۔

بحر و بر میں خشک و تر میں ہیں تیرے جلوے عیاں
ہر جگہ رہتا ہے لیکن پھر بھی ہے تو لامکاں

ہر شخص خدا کو پانا چاہتا تھا، اُس کو ڈھونڈھنا چاہتا تھا۔ مگر مشکل بڑی تھی کہ کس طرف جائیں۔ پھر اگر جائیں تو دیکھیں کیسے؟ شکل ہو تو دیکھ سکیں۔

شکل کیا ہوتی ہے۔

شکل کی تعریف:

هُوَ الْهَيْأَةُ الْحَاصِلَةُ مِنْ اِحَاطَةِ الْحَدِّ الْوَاحِدِ اَوِ الْحَدَّيْنِ اَوْ اَكْثَرَ بِالْجِسْمِ التَّعْلِيْمِيِّ۔ (دستور العلماء ۲/۲۲۱)

وہ ہیئت ہے جو شے کو ایک حد کے احاطہ کے سبب سے یا کئی حدود کے احاطہ کے سبب سے حاصل ہوتی ہے۔ جسم تعلیمی کیساتھ

جب خط بنیں تو شکل بنتی ہے اور جب خط مل جائیں تو شے لمیٹڈ ہوتی ہے۔ اور خدا لمیٹڈ اور محدود نہیں ہوتا۔ لہٰذا دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔ پھر دیکھنے کیلئے رائی اور مرئی کا آمنے سامنے ہونا ضروری ہے۔ یہ ساری چیزیں لوگوں کے لئے الجھن تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے محبوب ہم نے تجھے سب سے بڑے مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ جس نے میری گواہی لینی ہو۔ میں نے تجھے گواہ بنا دیا ہے۔ مجھے کوئی دیکھ نہیں سکتا تو نہ دیکھے اس لئے کہ اُس میں مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ لوگوں کا کام تمہارے پاس آنا ہے اور تمہارا کام انہیں میرے تک پہنچانا ہے۔

شاھد کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تجھے اپنا حاضر و ناظر بنایا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دربار کے حاضر ہیں اور ساتھ ناظر بھی ہیں۔

''جنھیں دیکھ کر رب مسکرائے'' والے موضوع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ والی

حدیث ہے کہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ایک دن میں سرکار کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اور محبوب علیہ السلام نے جس وقت دعا مانگی اور میری طرف دیکھ کے مسکرائے تو میں نے پوچھا باتیں رب سے کرتے ہو اور مسکراتے میری طرف دیکھ کر ہو تو آپ نے فرمایا۔

ضَحِکْتُ بِضِحْكِ رَبِّیْ (کنز العمال: حدیث نمبر: ۳۹۶۴)

میں اس لئے ہنسا ہوں کہ میرا رب مسکرایا ہے۔

لہٰذا آپ فرش پہ چلتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے جلووں سے محظوظ ہونے والے ہیں اور ناظر ہیں۔

اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ جس نے بھی یہ دیکھنا ہو کہ میری رحمت کتنی ہے، میرا فضل کتنا ہے۔ جس نے یہ دیکھنا ہو کہ میری طرف سے انعامات کتنے ہیں جس نے یہ دیکھنا ہو کہ میرے اختیارات کتنے ہیں، میری قدرت کتنی ہے، میری قوت کتنی ہے۔ محبوب وہ تمہارے پاس آئے جب وہ تمہاری رحمت دیکھے گا اُسے میری رحمت کا نظارہ ملے گا۔ جو تمہارا علم دیکھے گا اُسے میرے علم کی طرف اشارہ ملے گا۔ جس وقت وہ تمہارے پاس بیٹھ کر تمہارا جمال دیکھے گا۔

اَنَا مِرْاٰۃُ جَمَالِ الْحَقِ

تمہارے چمکتے چہرے سے اُس کو میرا جلوہ نظر آئے گا تو یہ سب سے بڑے گواہ کا کردار پورا ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ پہلا معنی ہے کہ ہم نے آپ کو گواہ بنایا ہے۔

اگر کوئی شخص اس کو پوری طرح سمجھ لے تو اُس کی ہمارے ساتھ کوئی الجھن نہیں

رہے گی۔ راہ حق سے اُس کو کسی طرح کی کوئی ناراضگی نہیں رہے گی۔

اس واسطے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات کے گواہ ہیں تو مطلب یہ ہوا۔ ربّ ذوالجلال نے ساری کائنات کو آپ کا دروازہ دکھایا کہ ان کے بغیر تم مجھے نہیں پاسکو گے۔ ان کے پاس جاؤ تو پھر تم میرے پاس آؤ گے۔

اس سے پتہ چلا کہ اس دربار میں جانا غیر کی طرف جانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے دِکھایا ہی یہ دربار ہے کہ ادھر جاؤ یہ تمہارے لئے گواہ ہیں، یہ برھان ہیں، یہ دلیل ہیں اور یہ میرا پتہ ہے۔

لہٰذا اب ادھر متوجہ ہونا اللہ کے حکم کے مطابق ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ ماننا توسُّل نہیں تو اور کیا ہے۔ گواہ کیا کرے گا۔ تمہیں پہنچائے گا۔ اپنا کردار ادا کرے گا۔ خالق و مخلوق کے درمیان اسی کردار کو مخلوق کے لحاظ سے وسیلہ اور توسل کہا جاتا ہے۔ ربّ ذوالجلال نے ساری انسانیت کے لئے اپنے محبوب کو گواہ بنایا ہے کہ تم اُن کو میرا پتہ دو، جو نہیں پہنچ سکتے، اُن کو تم میرے تک پہنچاؤ، تو جو میرے تک یہ کردار ادا کرے اُسے ہی وسیلہ کہا جاتا ہے۔

یہاں سے یہ بھی پتہ چلا کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کتنا ہے۔ اُس کو ترازو پہ تولا نہیں جا سکتا۔ اس واسطے کہ

جو شہر کا گواہ ہو اُسے شہر کا مطالعہ ہوتا ہے۔ جو محلے کا گواہ ہو اُسے محلے کا پتہ ہے اور جو عرش معلّٰی کا گواہ ہو اُسے عرش معلّٰی کا پتہ ہے۔ اس واسطے فرمایا۔

شَاهِدًا لَّنَا

ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ جس کی نگاہ عرش تک پھیلی ہوئی ہو اس سے فرش

کی چیزیں کیسے چھپ سکیں گی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔

وَاَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا (بخاری شریف: ۷)

جتنا مجھے رب کا پتہ ہے اتنا کسی کو نہیں ہے۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔

یہ تو ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس چیز کے بارے میں گواہی دینی ہے گواہ کو اسکا پتہ ہی نہ ہو تو پھر معاذ اللہ گواہی کا حق پورا نہیں ہو سکے گا۔ گواہی کا پورا فائدہ نہیں ہو سکے گا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات اور اپنی قدرت کے مناظر اپنے محبوب کو دکھائے ہیں تا کہ کوئی ایسا نہ رہے جو قیامت کے دن یہ بہانہ کرے یا اللہ تیرے گواہ کے پاس گیا تو تھا مگر اُس نے مجھے تیرا پورا تعارف نہیں کروایا۔ رب ذوالجلال نے گواہ کو سب کچھ دکھادیا تا کہ جو بھی آئے گواہ اُس کی طبیعت کو مطمئن کرتا جائے۔

جسکو خالق کی ذات کا سب سے زیادہ پتہ ہو اور مخلوق اُس سے چھپی ہوئی ہو تو یہ خالق کے علم کی توہین ہے۔ مخلوق کا علم تو خالق کے علم کی تمہید میں آجاتا ہے۔ لہٰذا جس وقت وہ علم تمہید میں آچکا ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ سب کے آپ گواہ ہیں۔

اگر کوئی بدعت طبع حاضر و ناظر نہیں بھی بولتا، گواہ ہی بولے پھر بھی بھاگ نہیں سکے گا، پھر بھی ہمارے دائرہ علم کے اندر اُس کو جکڑ دیا جائے گا۔ کہ جب محبوب علیہ السلام کو رب ذوالجلال نے گواہ بنایا ہے تو کسی ایسے کو گواہ نہیں بنایا جاتا جو لوگوں کو متوجہ نہ کر سکے اور قائل نہ کر سکے۔ خالق کائنات کا آپ کو گواہ بنانا اس بات کا اعلان تھا کہ لوگو! ہم نے ان کو ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا ہے۔

جتنا بڑا دعویٰ ہو اتنی بڑی دلیل ہوتی ہے۔ رب ذوالجلال کی توحید سے بڑا کوئی

دعویٰ نہیں اور ماہ مدینہ سے بڑا کوئی گواہ نہیں۔لہٰذا آپ کی ذات کو ہر عیب سے پاک ماننا یہ توحید کیلئے ضروری ہے۔اللہ کی توحید کے اثبات اور پوری طرح یقین سے اُس کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو توحید کے گواہ ہیں اُن میں کوئی عیب نہ ہو،کوئی کمی نہ ہو،کوئی نقصان نہ ہو۔

لہٰذا یہ ایک آیت اور اس ایک آیت کا ایک لفظ میرے اس ناقص مطالعہ کے مطابق میں شرح صدر سے اعلان کرتا ہوں جس کو جس مسئلے کا ہمارے ساتھ فکری محاذ پر شک ہو تو ہم انشاء اللہ اس ایک لفظ سے ہر مسئلے کا حل اُس کے سامنے پیش کر دیں گے۔

خواہ وہ توسل ہو،خواہ وہ علم غیب ہو،خواہ وہ شفاعت کا عقیدہ ہو،خواہ وہ مشکل کشائی ہو،خواہ وہ حاجت روائی ہو اور خواہ وہ نورانیت ہو،یہ ساری باتیں اسی ایک لفظ سے ملیں گی۔

ارے! شاہد وہ کیسے بن سکے گا جس کو اللہ کے دربار میں جاتے ہوئے نور کے جلوؤں سے جل جانے کا خطرہ ہو۔وہ شاہد نہیں بن سکے گا اور جو ربّ ذوالجلال کے دربار میں بغیر خوف کے چلا جائے اور جلے نہ،صحیح سلامت واپس آئے تو ماننا پڑے گا یہ وہ نور ہے جو اللہ نے سارے انوار سے کامل پیدا فرمایا ہے۔ورنہ جبریل علیہ السلام جاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔

اگر میں سدرہ سے ایک پورا بھی آگے گیا تو میں جل کے راکھ ہو جاؤں گا۔

مگر سرکار گھبرائے نہیں آگے گئے ہیں اور عرش تک پہنچے ہیں،یہ آپ کے وجود کا تقاضا تھا کہ جسے گواہ بنانا ہے اگر وہ ہی جل کے راکھ ہو جائے تو لوگوں کو گواہی کون دے گا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُس نور سے پیدا کیا کہ جبرئیل کو تو خود جلنے کا خطرہ ہے لیکن

اس نور کے سر پر کپڑے کا عمامہ بھی سلامت تھا۔

یہ بات بڑی تفصیل طلب ہے لیکن وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔

شاھد کا پہلا معنیٰ یہ ہے کہ " شَاهِدًا لَنَا " ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔

امام سلمی نے اپنی تفسیر سلمی کی جلد نمبر 2 اور صفحہ نمبر ۱۴۹ پر ابن عطا کے قول کے ساتھ یہ تشریح کی ہے۔امام سلمی کہتے ہیں۔

شَرَّفْنَاكَ بِرِسَالَتِنَا

محبوب ہم نے تجھے اپنی رسالت سے مشرف کیا۔

وَتُخْبِرُ عَنَّا خَبَرَ صِدْقٍ

اور تم بندوں کو ہمارے بارے میں جو بتاتے ہو سچ بتاتے ہو۔

چونکہ تم گواہ ہو اس لیے ہمارے بارے میں جو آپ کا تعارف ہے، وہ حتمی تعارف ہے۔

فَيَهْدِي بِكَ قُلُوبًا عُمْيًا

اور اللہ تعالیٰ تمہارے صدقے اندھے دلوں کو ہدایت دیتا ہے۔

چونکہ تم گواہ ہو اس لیے تمہاری وجہ سے جن جن لوگوں کو گواہی طلب ہوگی تو اُن کو ہدایت ملے گی۔

يَشْهَدُونَكَ وَيَشْهَدُونَنَا فِيكَ

اور لوگ مجھے نہیں دیکھ پاتے، دیکھتے تجھے ہیں لیکن تجھ میں مجھے دیکھتے ہیں۔

یعنی میرے جلوؤں کو دیکھتے ہیں۔ اللہ نے کسی میں سرایت نہیں کیا، کسی میں حلول نہیں کیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ اللہ ہے۔ ہمارا حلولیوں والا عقیدہ نہیں ہے۔

لیکن میں اس بات کو بیان کر رہا ہوں جو سرکار نے فرمایا ہے۔

اَنَا مِرْاٰةُ جَمَالِ الْحَقِّ

میں اللہ کے حسن کا آئینہ ہوں۔

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰی الْحَقَّ

جس نے مجھے دیکھا اُس نے میرے رب کے جلووں کو دیکھا۔

یَشْهَدُوْنَكَ

لوگ مشاہدہ تمہارا کرتے ہیں۔

وَ یَشْهَدُوْنَنَا فِیْكَ

اور تمہارے اندر ہمارے جلووں کا نظارہ کرتے ہیں۔

یہ گواہ کا کام ہے کہ لوگ اُس تک پہنچیں اور وہ آگے پہنچائے۔

وَلَا یَشْهَدُكَ اِلَّا مَنْ اَثَّرَ فِیْهِ بَرَكَةُ نَظْرِكَ

یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ تجھے آ کے دیکھے، اور پھر دیکھ سکے۔

دیکھنے لگے تو تجھے دیکھ لے؟ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"تَرَاهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ"۔ (سورۃ الاعراف:۱۹۸)

کچھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتے ہیں، مگر تجھے تک نہیں سکتے۔

آخر اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں اور جو بھی آئے آ کے دیکھ لے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہاں دکھانے کیلئے یہ شرط قرار دے دی گئی۔ ٹھیک کافر ہو دیکھے سہی مگر دل میں بغض نہ ہو، حسد نہ ہو۔ اگر وہ دیکھے گا تو اُسے سرکار نظر آئیں گے اور پھر واپس نہیں جا سکے گا۔ کون دیکھے گا؟ فرمایا۔

وہی دیکھے گا جس میں تمہاری نظر اثر کرے گی۔

جس کو تم اپنی نظر سے نواز دو گے۔ اُسے تم نظر آ جاؤ گے اس انداز میں فرمایا۔

فَمَشْهَدُكَ

وہ آپ کو دیکھے گا۔

ویشھد نامنك

اور پھر آپ سے ہمیں دیکھے گا۔

یہ گواہ کا کام ہے۔ اب تم یہ دیکھو کہ آپ دلیل ہیں۔ تو دلیل کیا ہے۔

دلیل کی تعریف:۔

كَوْنُ الشَّيْءِ بِحَيْثُ يَلْزَمُ مِنَ الْعِلْمِ بِهِ الْعِلْمُ بِشَيْءٍ آخَرَ

شی کا اس طرح ہونا کہ اس شی کے علم سے دوسری شی کا علم آ جائے، اُس کو دلیل کہتے ہیں۔
وہ کسی کی دلیل ہو یا عنوان ہو یا وہ کسی کا ایڈریس ہو، اُس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جسکی وہ دلیل ہے، جسکا وہ عنوان ہے اور جس کا وہ پتہ ہے وہ لوگوں کو وہاں تک پہنچائے باقی عام چیزوں کی دلیلیں ہیں اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کائنات کی دلیل ہیں۔
لہٰذا جو بھی آتا ہے آپ اُسکی رب ذوالجلال کی طرف راہنمائی فرمانے والے ہیں۔ وہ رہنمائی کیسی فرماتے ہیں۔

اگر حضرت عبداللہ بن سلام دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔

لَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ

(مشکوۃ المصابیح ص:۱۶۸، بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ)

جس وقت میں نے آپ کا چہرہ دیکھا تو مجھے معرفت آگئی کہ ایسا چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

نبی علیہ السلام جب ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچے تو عبداللہ بن سلام جو کہ یہودی تھے کہتے ہیں کہ میں صرف آپ کو دیکھنے کیلئے آیا تھا لیکن جب میں نے اللہ کے گواہ کا چہرہ دیکھا تو مجھے پتہ چلا کہ اتنا نورانی چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ یہ نور انکے سچے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابورافع کا فرمان ہے۔

میں قریش کا سندیسہ لے کر آیا تھا، میرا مقصد واپس جانا تھا، لیکن:

لَمَّا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اُلْقِیَ فِیْ قَلْبِیَ الْاِسْلَام

(ابوداؤد شریف: ۲/۲۳)

جب میں نے پہلی بار چہرہ پاک دیکھا تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا۔

یہ ابھی لفظ شاھد کے پہلے معنی کی تشریح ہمارے سامنے ہے۔ اب دیکھو اور سوچو کہ جس رب کے قرآن کے ایک لفظ میں اتنے جہان آباد ہوں اُس پورے قرآن کے مضامین کا عالم کیا ہوگا۔

دوسرا معنیٰ۔ اللہ نے مخلوق پر گواہ بنایا

دونوں معنی بیک وقت مراد ہونگے، ایسا نہیں کہ ایک معنی حقیقی ہو اور دوسرا مجازی ہو۔ کچھ لوگ ایک پر رک جاتے ہیں دوسرا مراد نہیں لیتے۔ یہ دونوں اطلاق کے لحاظ سے افراد ہیں۔ اور دونوں مراد ہونگے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے تجھے مخلوق کا گواہ بنایا۔ اس پر باقاعدہ آیت موجود ہے۔

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورۃ البقرۃ: ۱۴۳)

اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تم پر گواہ ہو جائیں۔

اسکا دوسرا معنی بھی عظیم ہے۔

مطلب یہ بنے گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق پر گواہ بنا دیا گیا ہے۔

اب اس میں جو دینی پہلو ہے وہ پیش نظر ہے۔ کوئی شخص کہے کہ مخلوق پر گواہ ہونا یہ کمال کیا ہے، یہ شان کیا ہے؟ انسان کسی شہر کو دیکھنے والا ہو، شہر کو جاننے والا ہو، اُس شہر کے کمروں کو جانتا ہو، کمرے کے اندر صندوق پڑا ہو اُس کو جانتا ہو، صندوق میں بند چیز کو جانتا ہو، اس کا دین کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کا دین کے ساتھ تعلق یہ ہے۔ جب کل رب ذوالجلال فیصلے فرمائے گا تو معاملات کے فیصلے گواہوں پر ہونگے۔ یہ معاملات دین کے لحاظ سے گواہی پر موقوف ہیں۔ تو پتہ چلا! اس لحاظ سے کائنات کا مطالعہ اور مشاہدہ بھی دین کا حصہ ہے۔

لہٰذا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب قیامت میں حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے دربار میں پہنچیں گے اور یہ کہہ رہے ہونگے میں نے تو تبلیغ کی ہے لیکن امت کہے گی کہ یہ ہمارے پاس آئے ہی نہیں۔ یہ تو بولے ہی نہیں۔ وہ کہیں گے میں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی ہے لیکن امت نہیں مانے گی۔ اللہ فرمائے گا گواہ پیش کرو تو اُس وقت میری گواہی سے کام پورا ہو جائے گا۔

اس امت میں حضرت صدیق اکبر جیسے لوگ بھی ایسی گواہیاں دے جائیں گے۔ سرکار کی گواہی پر گواہی دے رہے ہونگے۔ اس واسطے ان معاملات کو جاننا۔ ان

کو کوئی خبر دینی نہ کہے یہ بھی ایک دین کا حصہ ہے اور محبوب علیہ السلام کو ربّ ذو الجلال نے شہادت کا یہ منصب بھی عطا فرمایا ہے۔

حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک شہید کا معنی

یہاں بالخصوص اس آیت کی شرح میں حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی کا تفسیر عزیزی میں جو قول ہے۔ وہ بطور خاص اس کی وضاحت کیلئے پیش کر دیتا ہوں۔

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورۃ البقرۃ:۱۴۳)

اسکی تفسیر میں کہتے ہیں:

باشد رسول شما بر شما گواہ

ہونگے تمہارے رسول تم پر گواہ

زیرا کہ او مطلع است بہ نور نبوت بہ رتبہ ہر متدین بدین خود

کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تم پر گواہ بنایا یا کس چیز کا گواہ؟ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بندے کے ظاہر باطن کا علم عطا فرمایا ہے کہ اُس کے دل میں دین کس درجے کا ہے، اُس کا تقوی کس درجے کا ہے۔

اُس کی پرہیز گاری کس درجے کی ہے۔

کیا جبرئیل آئے تو آپ کو اس کا پتہ چلتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں۔ نہیں۔

بہ نور نبوت

یہ نبوت کا فیض ہے۔ جس سے سرکار کو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ لوگو!

ہم نے تم پر اپنے پیغمبر کو گواہ بنایا ہے اور وہ بتاتے ہیں کہ ہر بندے کی حقیقتِ ایمان کیا ہے، وہ کافر ہے یا مومن ہے۔ مومن ہے تو کتنا مومن ہے۔ ایمان اندر کی حقیقت ہے اور دین باہر کا رنگ ہے۔ وہ سجدے کرتا ہے تو کتنے کرتا ہے۔ اُس کے ہاتھ خیرات کرتے ہیں تو کتنی کرتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کہہ رہے ہیں کہ

میرے محبوب علیہ السلام ربّ ذوالجلال کے دیئے ہوئے نورِ نبوت سے ہر بندے کا قیامت تک ظاہر بھی جاننے والے ہیں اور باطن بھی جاننے والے ہیں۔

پھر ہو سکتا تھا کوئی یہ کہتا کہ شاید چند شعبہ جات کا پتہ ہو اور چند شعبہ جات کا پتہ نہ ہو۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نہیں۔

می شناسد گناهان شمارا و درجات ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا

وہ تمہارے اعمال نیک و بد کو بھی جانتے ہیں، وہ تمہارے گناہوں کو بھی جانتے ہیں تمہاری نیکیوں کو بھی جانتے ہیں۔

کیا جو اُس وقت موجود تھے انہیں ہی جانتے ہیں، یا جو قیامت تک آنے والے تھے سب کو جانتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حاضران آن زمانه خود مثل صحابه وازواج واهل بیت یا غائبان ازمان خود مثل اویس ومهدی (تفسیر عزیزی ۶۳۶)

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جو لوگ تھے جس طرح صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اھل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اُن کو بھی جانتے ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں اُن کو بھی جانتے ہیں۔

اُن میں باقاعدہ نام لیا جس طرح حضرت اویس رضی اللہ عنہ ہیں اور

جس طرح حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا آنا ہے۔ ان سب کا اللہ نے آپ کو شہید بنایا ہے، گواہ بنایا ہے۔

تو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ یہ سرکار کا نور نبوت ہے۔ جو مجلس میں بیٹھے تھے اُن کو بھی جان رہے تھے اور جو اُن کی پشتوں میں تھے اُن کو بھی جان رہے تھے اور قیامت تک جنہوں نے آنا تھا ان کو بھی جان رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور نبوت کے ساتھ جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ اُس کے ذریعے سے وہ ہر چیز کا علم رکھنے والے تھے۔

اس مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا روم نے کہا تھا۔

در نظر بودش مقامات العباد

زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

اُن کی نگاہ میں لوگوں کے مقامات تھے کہ کس کا کیا مقام ہے۔ بود کا مطلب یہ ہے کہ بات بعد میں ہوئی آپ کو پتہ پہلے تھا۔

در نظر بودش مقامات العباد

پہلے سے وہ بندوں کے مقامات کو جاننے والے تھے کہ کس کا درجہ کتنا ہے۔ کس کی حیثیت کیا ہے مولانا روم کہتے ہیں اسی وجہ سے اُن کو شاھد کہا ہے۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مقامات کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔

اب حدیث شریف سے اختصار کے ساتھ چند حوالہ جات اس ابتدائی گفتگو کے بارے میں پیش کرتا ہوں کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کا انداز سب سے جدا ہے۔ لہٰذا وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ آپ کو ناظر کہا جائے۔ اور یہ بات بھی ضمناً میں عرض کردوں۔

مقامات حریری کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو ناظر نہیں کہا جا سکتا۔ اس واسطے کہ ناظر اُسے کہتے ہیں جو ایک خاص انداز سے دیکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔

نَظَرَ وَلَمْ یَرَہٗ

اُس نے دیکھا مگر اُس کو نظر نہ آیا۔

تو پتہ کیا چلا کہ دیکھنے میں نظر کا جو معنی ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ناظر کو کبھی تو چیز نظر آتی ہے اور کبھی نظر نہیں آتی۔

آپ جس وقت عید کا چاند دیکھیں گے تو کچھ دیکھنے والوں کو نظر آئے گا۔ اور کچھ دیکھنے والوں کو نظر نہیں آئے گا۔ تو پتہ چلا کبھی ناظر کو چیز نظر آتی ہے اور کبھی نظر نہیں آتی۔ لیکن خالق وہ ہے کہ جس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔

لوگ ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ "ناظر" اللہ کا نام ہے۔ یہ اللہ کا نام کہاں سے آیا ہے۔

قرآن میں ہے، تورات میں ہے یا زبور میں ہے، انجیل میں ہے؟ یہ صحف میں ہے یا یہ بخاری شریف میں ہے؟ رب ذوالجلال کے اسماء توقیفی ہیں اور حاضر و ناظر اللہ کے ناموں سے کوئی نام نہیں ہے۔

لیکن بڑی مشکل سے "اس لفظ کو اگر استعمال کریں" اس کو صحیح ماننا پڑے گا۔ پھر اسکی تاویل کرنا پڑے گی۔ ناظر بمعنی موجود لینا پڑے گا۔ ورنہ رب ذوالجلال کیلئے اس کا استعمال تو ہے ہی ناجائز۔ جبکہ محبوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا سے، اپنی مرضی سے، اللہ کی اپوزیشن کے طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے طور پر اللہ نے یہ شان دی ہے کہ ذرہ ذرہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔

احادیث کے چند حوالہ جات

حدیث نمبر 1

بخاری شریف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۵۹ پر یہ حدیث شریف میں موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی جماعت کرا رہے تھے کہ آخری صف میں کسی نے غلطی کی۔ جب سرکار نے سلام پھیرا تو اُس بندے کو نام لے کے بلایا اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنَا

یعنی کیا تمہیں یہ عقیدہ دیا گیا ہے کہ جب میں آگے دیکھوں تو میں صرف آگے ہی دیکھتا ہوں، مجھے پیچھے نظر نہیں آتا، اے صحابہ کرام

فَوَ اللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ

خدا کی قسم ہے میں آگے دیکھوں تو پھر بھی تمہارے خشوع اور تمہارے رکوع میرے سامنے ہوتے ہیں۔ تمہارا خشوع مجھ سے چھپا نہیں ہوتا، تمہارا رکوع چھپا نہیں ہوتا۔

قسم کے ساتھ آپ نے فرمایا۔ قسم کے بغیر کہیں تو پھر بھی آپ کا جملہ چٹانوں پر نقش ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے قسم اُٹھا کر کہا۔

وَاللّٰهِ

مجھے خدا کی قسم ہے، تمہارا رکوع بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے اور تمہارا خشوع بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ خشوع دل کی حالت ہے۔ رکوع ظاہری حالت ہے۔ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت کراتے ہوئے آگے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن

آپ نے فرمایا میرے کسی امتی کا یہ عقیدہ نہیں ہونا چاہیے کہ میری جدھر آنکھیں ہوں مجھے ادھر ہی نظر آتا ہے۔

فرمایا: آنکھیں میری آگے ہوتی ہیں لیکن ایسے وقت بھی تم مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتے میں تمہارا رکوع بھی دیکھتا ہوں اور خشوع بھی دیکھتا ہوں۔

ساتھ ہی آپ نے یہ لفظ بول دیئے۔

اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ

میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

یہاں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناظر ہونے کی جو حیثیت ہے۔ اُس کو واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ جو لوگ حاضر و ناظر کے مسئلے کو اپنی عقل کے چھوٹے سے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں انہیں اگر کوئی ترازو لانا ہے تو پھر وہ بھی غیر محدود لانا پڑے گا۔ جو کہ میسر نہیں آئے گا۔ اب کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان نماز میں ہے جس کا چہرہ آگے ہے، آنکھیں آگے ہیں اور جو دیکھنے کا حسی معاملہ ہے وہ رائی مرئی کا مقابلہ ضروری ہے۔ پھر چیز نظر آتی ہے ورنہ نظر ہی کچھ نہیں آتا۔ پھر یہاں بالخصوص نماز کے اندر اللہ کے جمال میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کوئی ہمارے جیسی نماز تو نہیں ہے۔ یہ تو وہ نماز ہے کہ

داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے

کہ سرکار عرش سے واپس تب آئے تھے۔ جب یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ اے محبوب نماز پنجگانہ میں تجھے عرش والا دیدار عطا کرتے رہیں گے۔ (کشف المحجوب، ص: ۴۳۱، مطبع نوائے وقت پرنٹر)

اتنا گہرا مطالعہ کہ اللہ کی ذات کے جلوے سامنے ہوں اور پھر یہ نگاہوں میں سب کچھ موجود ہے۔ تو ماننا پڑے گا اس طرح دیکھنے کا انداز بھی کائنات میں اور کہیں نہیں ہے۔

حدیث نمبر 2۔

اس بات کو پوری طرح سمجھنے کیلئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی سامنے رکھیے جو بخاری شریف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۱۷۹ پر موجود ہے۔

وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ اْلآنَ

میرا جو حوض کوثر ہے میں اُس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ انظر مضارع کا صیغہ ہے۔ اب میرا حوض میری آنکھوں کے سامنے ہے، میں اب اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ بیٹھے زمین پر ہیں اور حوض کوثر جنت کا حوض ہے۔ سات آسمانوں کے پار کی مخلوق کے بارے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اُٹھا کر کہا۔

وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ

خدا کی قسم اب دیکھ رہا ہوں، مشاہدہ میرا جاری ہے۔ آپ نے یہ بول کے واضح کیا کہ تم آپ کی آنکھ کو یوں ہی نہ سمجھو بلکہ یوں سمجھو جیسے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کہا۔

؎ کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

یہ انداز اُن کے دیکھنے کا ہے۔ دیکھتے اس انداز میں ہیں کہ

؎ سر عرش پہ ہے تیری گذر دل فرش پہ ہے تیری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب میں دیکھ رہا ہوں۔ میرا حوض میرے سامنے ہے۔ میں اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اگر آپ کی آنکھوں کو اپنی آنکھوں جیسا سمجھا ہوتا تو صحابہ کہتے کہ ہمیں تو نظر نہیں آرہا۔ آپ کو کیسے نظر آرہا ہے۔

نہیں نہیں! انہیں سرکار نے سمجھایا ہوا تھا کہ

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ

(جامع ترمذی ۲/ ۵۷، مسند امام احمد: ۵/ ۱۷۳)

میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا اور میں وہ بھی سن لیتا ہوں جو تمہیں سنائی نہیں دیتا۔

حدیث نمبر 3:

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ

جب تک میں تمہارے سامنے ہوں خیر ہی خیر ہوں۔

تُحَدِّثُوْنَ وَیُحَدَّثُ لَکُمْ

تم مجھ سے بات کرتے ہو اور میں تمہارے سامنے مسائل بیان کرتا ہوں۔

تم بولتے ہو تو تم سے بولا جاتا ہے تم باتیں کرتے ہو تو تمہاری باتوں کا جواب دیا جاتا ہے۔

وَوَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ

جب میں اپنی قبر شریف میں چلا جاؤں گا پھر بھی میرا فائدہ باقی رہے گا۔

وہ کیسا امتی ہو سکتا ہے جو فائدے کا علی الاطلاق انکار کر رہا ہو کہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتے، کوئی نفع نہیں دے سکتے، یہ نہیں کر سکتے یا وہ نہیں کر سکتے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

میرے نفعے دائمی ہیں، سدا بہار ہیں۔ جب تک زمین کے اوپر ہوں پھر بھی نفع

ہی نفع ہے اور جب زمین کے اندر رہوں گا تو پھر بھی نفع ہی نفع ہوگا۔ تمہارے لئے میں خیر ہوں۔ اس خیر کو خود بیان کیا کہ جب تک سامنے ہوں خیر ہوں سب کو پتہ ہے کہ جب دل پریشان ہوگا تو سرکار کا چہرہ دیکھیں گے سارے غم دور ہو جائیں گے۔

رونے والوں کو ہنسنے کی بہاریں مل جائیں گی سرکار کی زیارت سے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے اور عرش کے فیصلوں کی اطلاع چلتی رہے گی۔ کائنات کے سربستہ راز کھلتے جائیں گے۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اس کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

یہ ساری صورتحال سب کے سامنے ہے۔ خیر کا سلسلہ تھا لیکن فرمایا جب میں اپنے روضۂ پاک میں ہوں گا تو پھر بھی تمہارے لیے خیر ہی خیر ہوں۔

اسکی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ

خیر یہ ہے کہ تمہارے اعمال کی حاضری لگے گی۔ میں تمہارے اعمال دیکھوں گا۔ مجھ پر پیش کیے جائیں گے۔

اب یہ پیش کرنے کا جو انداز ہے یہ اہتمام کیلئے ہے۔ جس طرح فرشتے سبحان اللہ کو ایک پلیٹ میں رکھ کے اللہ کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو ویسے سنائی نہیں دی۔ مطلب یہ ہے کہ کلمہ بڑا عزت والا ہے۔ ایسے ہی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا ایک اہتمام ہے۔ فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ اعمال سامنے رکھو اور یہ محبوب علیہ السلام کے دیکھنے کا انداز ہے۔

فرمایا: قیامت تک مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوتے رہیں گے۔ میرے بعد والے میرے غلامو! مجھے یاد رکھنا کبھی بھی ایسے نمازیں نہ پڑھنا کہ تمہاری نمازوں کو میں چیک نہیں کر رہا اور کبھی بھی روزے یوں نہ رکھنا کہ تمہارے روزے میرے پاس پیش نہیں ہو رہے۔

اللہ کیلئے جو تمہارے اندر خلوص ہے وہ تو ہونا چاہیے۔ لیکن میں تمہارا وارث ہوں۔ میں نے رب کے دربار میں تمہارے لئے نمائندگی کرنی ہے۔ میرا بھی لحاظ رکھو۔ مجھے شرمندگی نہ دلانا، یوں کام کرو کہ میں بھی خوش ہو جاؤں اور میرا رب بھی خوش ہوتا رہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ تو کیا ہوگا، فرمایا۔

فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ

پھر میں جو تمہارا اچھا کام دیکھوں گا تو میں اس پر اللہ کی تعریف کروں گا۔

اللہ کا شکر کروں گا، اُسکی حمد کروں گا کہ میرے وصال کر جانے کے بعد بھی اس امت میں خیر کا سلسلہ موجود ہے۔ پھر فرمایا۔

فَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ (کنز العمال: ۳۱۹۰۳)

اگر کہیں مجھے تمہاری غلطی نظر آئے گی۔ شر نظر آئے گا۔ تو میں تمہارے لئے فائدہ ہوں۔ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے گناہوں کی معافی کیلئے اللہ سے استغفار کروں گا۔

اتنے شفیق، اتنے رحیم، اتنے کریم ہیں کہ آپ نے فرمایا میرا فائدہ بھول نہ جانا اور پھر یہ کتنی عظمت ہے ان لوگوں کی کہ جو سرکار کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں۔

کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

بعد از وصال بھی میرے فائدے برقرار رہیں گے۔ وہ فائدہ یہ ہے کہ جب تم سے غلطی ہو جائے گی۔ مجھے پتہ چل جائے گا تو اللہ تعالیٰ سے تمہارے بارے میں سفارش کر دوں گا۔

لہٰذا یہ دیکھنے کا انداز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آج بھی برقرار ہے اور جو یوں دیکھتے ہوں اُن کو ہی ناظر کہا جاتا ہے۔

حدیث نمبر 4

بالخصوص طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے اور مواہب اللدنیہ میں بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا

اللہ نے میرے لئے دنیا کو اُٹھایا، دنیا میرے سامنے کر دی۔

فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا

میں اُس کو دیکھتا ہوں۔

وَاِلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

صرف آج کی دنیا کو ہی نہیں بلکہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ میں سب کو دیکھ رہا ہوں۔ کس طرح

کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ (مواہب اللدنیہ: ۳/۵۵۹)

جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

پوری کائنات، پوری دنیا محبوب علیہ السلام کے سامنے حاضر ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ناظر ہیں۔ اس حدیث میں "اَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا" یہ جو جملہ ہے یہ

بڑا قابل غور ہے۔ یہ نہیں فرمایا کیونکہ پہلے رفع کا لفظ ماضی کا تھا کہ اللہ نے اٹھایا تو لفظ آنا چاہیے تھا" نَظَرْتُ اِلَیْهَا " میں نے دیکھا۔ لیکن " نظرت "نہیں فرمایا۔ صرف " اَنْظُرُ" بھی نہیں فرمایا بلکہ " اَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا " فرمایا۔

یہ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ ہیں اور میرے استاد محترم استاذ العرب والعجم شیخ المدرسین بلکہ ملک المدرسین حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اس میں خبر جملہ فعلیہ ہے۔

ایسا جملہ اسمیہ جس کے اندر خبر جملہ فعلیہ ہو تو وہ دوام اور تجدد پر دلالت کرتا ہے لہٰذا محبوب علیہ السلام یہ بیان کر رہے ہیں۔

اَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا

قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ ہر لمحہ میری نظر اُس پر پڑ رہی ہے۔

" نظرت " نہیں فرمایا! اللہ نے اٹھایا میں نے دیکھا معاملہ ختم ہو گیا......نہیں نہیں...... اَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا ، یہ دوام و تجدد ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسلسل اپنی توجہ فرما رہے ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس منصب پر موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

یہ ہمارا انداز ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ کہیں آنے جانے کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی ٹکٹ کی ضرورت ہے۔ نہ کرایٔے کی ضرورت ہے لوگوں نے جو اعتراض بنا رکھے ہیں کہ وہ آئیں گے کیسے اور جائیں گے کیسے؟ ان سارے معاملات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پوری کائنات یوں حاضر ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی ہوتی ہے۔

یہ حاضر ہیں اور سرکار اس پر نظر فرما رہے ہیں۔

باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی طور پر جو خوش نصیبوں کیلئے نظر کرم فرماتے ہیں. اُس کا امکان موجود ہے۔ لیکن یہ دائمی طور پر اللہ تعالیٰ نے یوں حجابات اُٹھا رکھے ہیں اور اگر حکمت کا تقاضا ہو تو اُس کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت کے دائرے کے مطابق ہوتا ہے اور اس کی کوئی مخالفت نہیں ہوتی۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو قرآن وسنت نے ہمیں نبی علیہ السلام کے بارے میں عطا فرمایا ہے۔

تَشَھُّد اور عقیدہ حاضر و ناظر

جو ہم نماز میں تشہد پڑھتے ہیں وہ تشہد ابن مسعود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تشہد ہاتھ میں پکڑ کر یوں پڑھایا جیسے قرآن کی صورت پڑھائی جاتی ہے۔ بخاری شریف میں اسکا ذکر ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کہتے ہیں مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ (بخاری شریف: ۱/ ۱۱۵)

یہ تشہد کے الفاظ ہیں یہ ہم نے گھڑے نہیں ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور صحیح بخاری شریف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۱۱۵ پر یہ الفاظ موجود ہیں اب اس تشہد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے ہوئے

" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ " کا لفظ بولا گیا۔

سلام ہو تجھ پر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب قیامت تک لوگوں نے نماز پڑھنی ہے اور جب یہ حکم دیا جا رہا تھا تو نبی علیہ السلام کو پتہ تھا کہ صرف مدینہ شریف والے ہی نہیں مکہ شریف والے اب بھی یہ پڑھیں گے اور دوسرے شہروں والے جہاں جہاں اسلام پہنچ رہا ہے، یمن والے، حجاز والے، روم والے اور شام والے، اُن تک یہ پیغام پہنچ چکا ہے۔ وہ نماز پڑھیں گے اور پھر بعد میں قیامت تک کے لوگ یہ پڑھیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

سلام ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں ہوں اور برکتیں ہوں۔

اس میں لفظ "علیک" میں جو لفظ ک ہے اس میں اس عقیدے کو شامل کر دیا گیا کہ نمازی جب بھی نماز پڑھے گا تو عملاً اس بات کی گواہی دے گا کہ میں محبوب علیہ السلام کو حاضر و ناظر ماننے والا ہوں۔

یہاں پر میں نے امت کے ائمہ کے چند ملفوظات اکٹھے کیے ہیں۔ اور ان کا ہر ہر لفظ خوشبو سے بھرا ہوا ہے۔ اتنی اُس میں لذت ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدے سے نماز پڑھتا ہے تو خدا کی قسم کائنات میں کسی مقام پر اتنی لذت نہیں آتی جتنی نماز میں دو مقامات پر آتی ہے۔

پہلا مقام:۔

ایک وہ مقام ہے کہ جس وقت نمازی کہتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

اگر کوئی بندہ پورے حضورِ قلب کے ساتھ کھڑا ہے تو خدا کی قسم ہے اس میں وہ

لذت ہے جو دنیا کے کسی فعل میں اور دنیا کی کسی پینے کی چیز میں، کسی کھانے کی چیز میں اور کسی لذیز چیز میں وہ لذت نہیں ہے جتنی لذت ان جملوں میں ہے۔

اور ایمان بالغیب کا پورا پیکر بن کر یوں بول رہا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھ کے بول رہا ہے تو اُس وقت حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔

دوسرا مقام۔ رسول اکرم ﷺ کو "ک" کے ساتھ خطاب کرنے کا سبب کیا ہے؟

دوسرا لمحہ اور مقام یہ ہے کہ جس وقت نمازی حالت تشہد میں یہ کہتا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

صدیوں بعد بھی آج منظر تازہ ہوتا ہے، سلام ہو تجھ پر اے نبی اس میں کاف خطاب کا سبب کیا ہے۔

"ک" سے خطاب کی تین وجوہات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات کی جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 401 پر اسکی وضاحت کی ہے کہ "ک" سے خطاب کی تین وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ:

وجہ خطاب بآنحضرت بجہت ابقائے این کلام است بر انچہ دراصل بود

خطاب کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اصل کلام تھا ویسے ہی اُس کو باقی رکھا جائے۔ جس طرح آغاز میں تھا ویسے ہی اس کو رہنے دیا جائے۔

یہ آغاز میں کیسے تھا؟ آپ فرماتے ہیں۔

در شب معراج از جانب پروردگار تعالیٰ وتقدّس بر آنحضرت خطاب بسلام آمد

یہ جملہ اصل میں " (السلام علیك ایھا النبی)" معراج کی رات رب نے اپنے محبوب سے فرمایا تھا اس لیے تو اس کو یوں ہی باقی رکھا گیا۔ کیوں؟

پس آنحضرت درحین تعلیم امت نیز ھمان لفظ اصل گذاشت تا ایشان را متذکر آن حال گرد۔

سرکار نے یہ جملہ اُسی طرح رکھا کیونکہ میرے غلام خود تو عرش پر جا کر معراج نہیں کریں گے مگر میری معراج کو تو یاد کرتے رہیں۔

متذکر آن حال گرد د

جب بھی نماز میں ہونگے تو انہیں میرے خیال سے معراج کا خیال آئے گا۔

کہ معراج میں اللہ تعالٰی نے میرے ساتھ یوں گفتگو کی اور مجھے اس petren میں سلام کہا تو سرکار نے فرمایا یہی باقی رکھیں گے تا کہ امتی کو بھی وہ سلام کہنے کا شرف مل جائے۔

اب دیکھو ہمارا کتنا بھلا ہو گیا۔ قیامت تک ہم تڑپتے رہتے کہ کاش ہمیں وہ انداز ملے جیسے رب اپنے محبوب کو سلام کرتا ہے۔ اگر پتہ نہ چلتا تو کتنا خسارہ ہو جاتا۔

سرکار نے فرمایا غلاموں میں تمہیں سہارا دیتا ہوں وہ مقام کہ

"غنچے ماأوحی کے جو چٹکے دنٰی کے باغ میں
بلبل سدرہ تو اُس کی بو سے بھی محرم نہیں"

جہاں کے معاملات کی خبر طائر سدرہ نشین جبرئیل کو بھی نہیں تھی آپ نے فرمایا کہ ایک بات تو میں اپنی امت کو بتا رہا ہوں۔ اُن میں سے ایک بات یہ ہے کہ جس وقت میں عرش پہ گیا تھا تو میرے رب نے مجھے یہ سلام کہا تھا میرے غلامو! میں نے تمہیں نماز معراج کا تحفہ دیا ہے، تم یہ سلام مجھے اسی انداز میں کیا کرو۔

دوسری وجہ:۔

نیز ...... آں ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابداں است

" **عــلیك** " کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محبوب علیہ السلام تو ہر وقت مومنوں کی آنکھ کے سامنے ہوتے ہیں۔

:نصب العین مومناں

میرا محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہمیشہ عاشقوں کے سامنے ہوتا ہے اور مومنوں کے نصب العین ہیں۔

وقرۃ العین عابداں است

اور عبادت کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

لہذا:

در جمیع احوال و اوقات خصوصا در حالت عبادت

ہر وقت ہی تمام احوال میں اور تمام اوقات میں یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔اگر کوئی زندہ ضمیر انسان ہے تو سرکار اُس کے نصب العین ہیں۔

خصوصًا در حالت عبادت

بالخصوص حالت عبادت میں تو یہ کیفیت بڑھ جاتی ہے۔

آں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است

نماز میں تو سارے پردے ہی اُٹھ جاتے ہیں۔

اس واسطے یہاں پر غلاموں کو " علیک " ضرور کہنا چاہیے۔

ویسے بھی یہ جائز ہے لیکن بالخصوص نماز میں پابندی کروائی گئی کہ جس میں اللہ نے سب سے زیادہ قرب اپنے بندے کو دیا ہے۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات سے بڑھ کر اللہ کے قریب ہیں تو جو دو قریبوں میں سے ایک کے قریب ہو تو وہ دوسرے کے بھی ضرور قریب ہوتا ہے۔ اب بندہ نماز پڑھ کے اللہ کے قریب ہوا ہے تو سرکار کا قرب بھی ضرور مل جائے گا۔

آپس میں دو قریب چیزوں میں کسی کے جو قریب ہوتا ہے وہ دوسرے کا قریبی ضرور بن جاتا ہے، لہٰذا جب اس بات کو مانتے ہو کہ نماز کے اندر بندے کو اللہ کا قرب میسر ہے تو پھر سرکار کا قرب بھی میسر ہو گیا ہے۔ اس واسطے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ربیعہ نے کہا کہ

أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ

میں جنت میں آپ کا قرب چاہتا ہوں اور جنت میں آپ کی سنگت چاہتا ہوں۔

اس پر سرکار علیہ السلام نے فرمایا:

أَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (مشکوٰۃ شریف: ۸۴)

اگر جنت میں میری سنگت چاہتے ہو تو پھر سجدے زیادہ سے زیادہ کیا کرو۔

سجدے میں اللہ کا قرب بھی ہے اور میرا قرب بھی ہے۔

نماز کے اندر علیک کو اس لئے برقرار رکھا گیا کہ یہ ایک خصوصی حالت ہے۔

اس سے بندے کو قرب حاصل ہے اور جن کو دیکھے، جن کے قریب ہو، جن کے سامنے ہو، انہیں پھر غائب سے نہیں، آمنے سامنے سلام کہنا چاہیے۔

اس واسطے نمازی کہتا ہے " السلام علیک ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته "

تیسری وجہ:۔

وبعضے از عرفا گفته اند

بعض عارفوں کا یہ قول ہے، صوفیاء کا قول ہے۔ جن کے دل کا آئینہ بڑا صاف ہے۔

که این خطاب بجهت سریان حقیقت محمدیه صلی الله علیه وسلم است در زرائر موجو دات و افراد ممکنات۔

یہ خطاب اس لئے ہے کہ کائنات کی بقا سرکار کے دم قدم سے ہے۔ ممکنات میں سرکار کے جلوے سرایت کر چکے ہیں۔ اور پورے موجودات کے ذرے ذرے میں اُن کے مرتبہ و مقام کے مطابق سرکار کی جلوہ گری اُن جگہوں کے شایان شان ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ وہاں محبوب علیہ السلام کی جلوہ گری ضروری ہوتی ہے۔

پس آنحضرت در ذات مصلّیان موجود حاضر است

تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذوات کے اندر موجود ہیں اور حاضر ہیں

پس مصلّی باید

تو نمازی کو چاہیے۔

که ازیں معنی آگاه باشد

وہ یہ معنی پڑھ کے پھر نماز پڑھا کرے کہ میں سرکار کے دربار میں ہوں۔ اور آپ کے دربار میں " السلام علیك " کہنے والا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ دل تو غافل ہو اور زبان سے سلام کہہ رہا ہو، ہوسکتا ہے کہ سرکار ناراض ہو جائیں کہ سلام تو مجھے کرتا ہے لیکن دھیان میری طرف کرتا ہی نہیں، سلام کا جواب لینا ہے جبکہ یہ میری طرف دھیان کر ہی نہیں رہا۔

لہذا جواب کے وصول کے لئے دھیان بھی کرنا چاہیے کہ میں جدھر سلام کر رہا ہوں۔ وہ خود سنتے بھی ہیں اور جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

شیخ عبدالحق فرمانے لگے۔

ازیں شھود غافل نہ بود

اس شہود سے نمازی کو غافل نہیں ہونا چاہیے۔

تابانوار قرب واسرار معرفت متنور وفائض گرد (اشعۃ اللمعات: ۱/۴۰۱)

تا کہ نمازی کو پتہ چلے کہ محبوب علیہ السلام کے انوار برستے کیسے ہیں اور یہ بھی اُن کے انوار کے ساتھ منور ہو جائے۔

یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدہ ہے۔ جس کو محقق علی الاطلاق کہا جاتا ہے۔ پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کائنات کی دائمی حقیقت ہے۔

اب یہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی بریلی شریف کے فارغ التحصیل نہیں ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے ان کو یہ پڑھا دیا ہو۔ چونکہ یہ پوری امت کا عقیدہ ہے۔ اور یہی صفہ سے لیکر بدر و حنین اور بعد کے سارے مراکز میں خوشبو ہے۔

یہ خوشبو حقیقت میں وہاں سے چل کے آ رہی ہے اور فاضل بریلوی نے اُسی حقیقت کو اجاگر کر دیا ہے۔

السلام علیک کہتے وقت نماز کی کیفیت امام غزالی کی نظر میں

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ (جلد 1 صفحہ 199)

قولك السلام عليك

جب تو "السلام علیک" کہے تو کیا کر؟

أَحْضِرْ شَخْصَهُ الْكَرِيْمَ فِيْ قَلْبِكَ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت کو اپنے دل میں بسا لے۔

وليصدق أملك في انه يبلغه ويردّ عليك (المرقاۃ:۲/۳۳۲)

اور تمہاری امید اس بات میں کامل ہونی چاہیے کہ جو میں بول رہا ہوں سرکار اُس کو سنیں گے بھی اور جواب بھی ارشاد فرمائیں گے۔

حالت تشہد میں بندے کی حالت امام رازی کی نظر میں

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 281 پر فرماتے ہیں کہ جب بندہ تشہد میں ہوتا ہے تو اس وقت حالت کیا ہوتی ہے۔

ثُمَّ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ

جب نمازی حالت تشہد میں ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے۔

يَصْعَدُ نُوْرُ رُوْحِكَ وَ يَنْزِلُ نُوْرُ رُوْحِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تمہاری روح کا نور اوپر اٹھتا ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا نور نیچے اترتا ہے۔ ادھر سے عروج ہے کہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ سرکار دستگیری فرمانا چاہتے ہیں۔ اگر سرکار اوپر رہیں تو نچلی روح بیچاری کیسے پہنچ سکے گی اس لیے وہ کرم فرماتے ہیں یہ مقام مقام تشہد ہے۔ ادھر سے نمازی کی روح اُٹھتی ہے۔ اوپر کی طرف اور ادھر سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک نیچے آتی ہے۔ تو کیا ہوتا ہے۔

فَيَتَلَاقَى الرُّوْحَانِ

دونوں روحوں کی ملاقات ہو جاتی ہے۔

دونوں روحیں مل جاتی ہیں۔ ایک امتی کی روح اور ایک پیغمبر کی روح کی آپس میں ملاقات ہو جاتی ہے۔

فَيَحْصُلُ هُنَاكَ الرَّوْحُ وَالرَّاحَةُ وَالرَّيْحَانُ

جب ملاقات ہوتی ہے تو خوشبو بھی ہوتی ہے۔ رحمت بھی ہوتی ہے اور راحت بھی ہوتی ہے۔

جس وقت نمازی تشہد میں پہنچا، ادھر سے اُس کی روح کا نور اُٹھا سرکار کی روح کا نور نیچے آیا دونوں ارواح کی آپس میں ملاقات ہو گی۔

فَلَا بُدَّ لِرُوْحِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَحْمِيْدٍ وَتَحِيَّةٍ

جو روح اتنی صدیوں کے بعد بھی دستگیری کر رہی ہو تو پھر اُس کی تعریف ضرور کرنی چاہیے، اُس کی توصیف کرنی چاہیے اور وہاں کوئی تحفہ بھیجنا چاہیے۔

امام رازی نے اسرار نماز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

یہ وجہ ہے کہ جس کی بنیاد پر امتی نماز میں کہتا ہے۔

السلام علیك ایها النبی

سلام ہو تجھ پہ اے نبی۔ آپ نے مجھ پہ کتنی بندہ نوازی کی ہے کہ آج بھی آپ نے میری روح کو دلاسا عطا فرمایا ہے۔

یہ انداز صلحاء امت کا ہے۔ اس انداز میں کتنی حکمتیں ہیں اور کتنی برکتیں ہیں۔

وہ لوگ جو آج منکرین کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کا جو Grand Father ہے اُن کے ہاں بھی ایسی باتیں ملتی ہیں۔

ابن قیمؒ کے نزدیک "السلام علیک ایہا النبی" کہنے کی وجہ

بدائع الفوائد کے اندر ابن قیم نے اس بات کی وضاحت کی ہے اور با قاعدہ اُس نے ہیڈنگ دی ہے کہ

جو صلاۃ پڑھی جاتی ہے وہ تو غائبانہ صیغے سے ہے اور سلام مخاطب کے صیغے سے ہے۔

" اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْكَ " نہیں کہا جاتا بلکہ " اللھم صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" کہا جاتا ہے۔ یہ غائب کے حکم میں ہے۔ لیکن سلام دیتے وقت یہ نہیں کہا جاتا" اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِيِّ " بلکہ کہا جاتا ہے۔ " السلام علیك ایها النبی "

اس پر ابن قیم نے با قاعدہ بڑی لمبی بحث کی کہ اس کا سبب کیا ہے۔

کہنے لگے وجہ یہ ہے کہ چونکہ درود بھیجتے وقت شروع میں " اللھم " آ گیا ہے اور اس کے بعد " صلّ " ہے تو وہ خطاب کا ہے۔ اب عربی زبان کا تقاضا ہے کہ جو اگلے صیغے ہیں اُن میں خطاب اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے ہونا چاہیے، کسی اور ذات کیلئے یہاں خطاب نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا" اللّٰھم صل علیك " کہنے سے معنی یہ بنے گا کہ اللہ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ اس واسطے وہاں پر گرامر کی مجبوری کی وجہ سے خطاب ممکن نہیں رہا۔

لیکن جو " السلام علیك ایها النبی " ہے یہاں پھر وہ کہتے ہیں جب تک خطاب نہیں ہوگا، لذت پوری نہیں ہوگی۔

سلام بطور خطاب کہنے میں انوکھی حکمت

ابن قیم نے اس مقام پر اس بات کو پورے وثوق کے ساتھ بیان کیا۔

أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْهِ فَأُتِيَ بِلَفْظِ الْحَاضِرِ الْمُخَاطَبِ تَنْزِيلًا لَهُ مَنْزِلَةَ الْمُوَاجِهِ لِحِكْمَةٍ بَدِيعَةٍ جِدًّا

یہاں پر جو سلام بطور خطاب کیا جاتا ہے تو اس میں بڑی انوکھی حکمت ہے۔

وَهِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَانَ أَحَبَّ إِلَى الْمُؤْمِنِ مِنْ نَفْسِهِ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْهِ

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بندے کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

اور مومن وہ ہوتا ہے جسے سرکار جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔ تو پہلی وجہ ابن قیم نے یہ بیان کی کہ سرکار ہر بندے کو اسکی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

فَأَوْلَى بِهِ مِنْهَا وَأَقْرَبُ

وہ جان سے زیادہ محبوب بھی ہیں اور زیادہ قریبی بھی ہیں۔

اس معنی پر بھی کچھ لوگ پھڈا ڈالتے ہیں۔

"اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ" کہ یہاں اولی بمعنی اقرب نہیں ہوسکتا۔

ابن قیم تو اقرب پر ساری بنیاد بنا رہا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کی جان سے پیارے بھی ہیں اور مومن کیلئے جان سے قریب بھی ہیں۔

ابن قیم کہتے ہیں جو اتنا قریب ہوا سے پھر دور سمجھ کے سلام نہیں دینا چاہیے۔ تو جو قریب ہو اس کے لئے "ک" استعمال کیا جاتا ہے۔

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ"

جس سے تم ملاقات کرتے ہو تو اس سے السلام علیک کہتے ہو۔ بندہ تمہارے سامنے ہو اور تم اسے کہتے رہو" السلام علیہ" تو یہ مطلب [illegible]

سامنے ہے تو سامنے کہو "السلام علیکم"

ابن قیم کہتے ہیں کہ ہر مومن یہ مانتا ہے کہ وہ مجھے جان سے محبوب بھی ہیں اور میرے لئے جان سے قریب بھی ہیں تو جو جان سے قریب ہوں اُن کو سلام غائبانہ نہیں حاضرانہ پیش کیا جاتا ہے۔

وَ كَانَتْ حَقِيْقَتُهُ الذِّهْنِيَّةُ وَ مِثَالُهُ الْعِلْمِيُّ مَوْجُوْدًا فِيْ قَلْبِهٖ

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ذھنیہ اور وجود علمی مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

بِحَيْثُ لَا يَغِيْبُ عَنْهُ اِلَّا شَخْصُهٗ

بظاہر وہ غائب ہے لیکن حقیقت میں دل میں موجود ہیں۔

ابن قیم شعر پیش کر کے کہنے لگا۔

مِثَالُكَ فِيْ عَيْنِيْ وَذِكْرُكَ فِيْ فَمِيْ

وَ مَثْوَاكَ فِيْ قَلْبِيْ فَاَيْنَ تَغِيْبُ

تمہاری تصویر تو میری آنکھوں میں ہے۔ یہ کسی نے اپنے محبوب کیلئے کہا جبکہ یہ سب سے بڑے محبوب کیلئے کہنا چاہیے۔

مِثَالُكَ فِيْ عَيْنِيْ

تمہارا منظر تو میری آنکھوں میں ہے اور تمہارا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تمہارا ٹھکانہ میرے دل میں ہے تو میں تجھے غیب کہوں تو کیسے کہوں۔

فَاَيْنَ تَغِيْبُ

پھر تو غیب کیسے ہے تو غیب نہیں،...... اے محبوب تو حاضر ہے۔ تمہارا جلوہ میری نگاہ میں، تمہارا ذکر میری زبان پر، اور میرا سینہ تمہارا مدینہ ہے پھر تم غیب کیسے ہو جو

غیب نہ ہوں اُن کو " السلام علیك ایھا النبی " کہا جاتا ہے۔

اس کو بیان کرتے ہوئے ابن قیم نے کہا

مَنْ كَانَ بِهٰذَا الْحَالِ فَهُوَ الْحَاضِرُ حَقًّا

جو ایسا ہو وہ حاضر ہوتا ہے۔

منکرین یہاں جو ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم سرکار کو حاضر کہہ کے آپ کی توہین کرتے ہو تو ہم ان کو آئینہ دکھانا چاہتے ہیں کہ " حاضر " ابن قیم نے بھی اس انداز میں کہا ہے۔

فھو الحاضر حقاً

حقیقی حاضر یہ ہیں۔

وَ غَيْرُهٗ وَاِنْ كَانَ حَاضِرًا لِلْعِيَانِ فَهُوَ غَائِبٌ عَنِ الْجِنَانِ

کہنے لگا کہ باقی جو سامنے نظر آ رہے ہیں یہ تو غائب ہیں۔

سرکار کے سوا باقی جو بندے نظر آ رہے ہیں۔ ابن قیم کہتے ہیں یہ حقیقت میں غائب ہیں حاضر نہیں ہیں۔ سرکار حقیقت میں بندے کے سامنے موجود ہیں اور حاضر ہیں۔ لہٰذا

فَكَانَ خِطَابُهٗ خِطَابَ الْمُوَاجَهَةِ

اس وجہ سے پھر آپ سے خطاب مواجھہ کا ہونا چاہیے یعنی علیک بولنا چاہیے

وَالْحُضُوْرُ بِالسَّلَامِ عَلَيْهِ

اور حاضر ہونے کے انداز کا سلام دینا چاہیے۔

اَوْلٰى مِنْ سَلَامِ الْغَيْبَةِ (بدائع الفوائد ص 287)

لہٰذا " علیہ " کے مقابلے میں " علیک " کہنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ جب

پھر ایسے رسول کو بطور خاص حالت تشہد میں علیک کہتے ہوئے اپنی طرف سے سلام کا تحفہ پیش کرنا چاہیے۔

غائب سے خطاب کی طرف عدول کرنے میں حکمت

حضرت امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں اپنا ایک انداز پیش کرتے ہیں وہ انداز بھی بڑا خوبصورت ہے۔ یہ سارے کے سارے امام ہیں۔

امام بدرالدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری کی جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 585 پر یہ حدیث شریف ہے۔ آپ سوال کرتے ہیں۔

مَا الْحِكْمَةُ فِي الْعُدُوْلِ عَنِ الْغَيْبَةِ إِلَى الْخِطَابِ

اس میں حکمت کیا ہے کہ یہاں پہلے سلسلہ غائب کا تھا لیکن آگے اس کو خطاب میں بدل دیا گیا۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ

پہلے اللہ کے لئے ذکر ہوا تو غائب سے ہوا۔ چونکہ جو نام ہوتے ہیں یہ غائب کا معنی دیتے ہیں۔ " التحیات لك "نہیں کہا۔ کہ ساری قولی بدنی عبادتیں تیرے لئے ہیں بلکہ کہا گیا "التحیات للہ " تمام تحیات اللہ کیلئے ہیں۔

اس اسلوب کا تقاضا تھا کہ آگے یہ ہوتا" والسلام علی رسولہ "

کہ سلام ہو اللہ کے رسول پر لیکن پہلے جو انداز تھا اُس کو تبدیل کر دیا گیا۔

وہ غائب والا انداز چھوڑ کے خطاب والا بنایا گیا۔

قیامت تک کے جتنے سربستہ راز تھے وہ سرکار کے سامنے حاضر تھے اور پھر میں کہوں گا۔

تیری نظر خار زار شب میں گلاب تحریر کر چکی تھی
اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی تھی
میرے ذہن کے فلک پر جو سوال چمکے تو میں نے دیکھا
تیرے زمانے کی خاک اُن کے جواب تحریر کر چکی تھی

آج یہ بھولے پھرتے ہیں کہ حاضر ہیں تو کیسے ہیں، ناظر ہیں تو کیسے ہیں؟

سرکار نے بطور خاص امت کو جو صیغہ دیا۔ حالانکہ پیچھے انداز غائبانہ آرہا تھا۔ اُس کا تقاضا تھا علیہ ہوتا پھر بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن مسئلہ یہ بھی تو سامنے تھا کہ جب امتی پڑھیں گے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ جن کو "علیک" کہتے ہو تو تم کہاں سے کہتے ہو۔ سرکار نے فرمایا ہم وہ انداز دیں گے اگرچہ مقام علیہ کا تھا۔ مگر ہم علیک بنا کے امت کی مشکل کو حل کر دیں گے۔

امام عینی کے نزدیک غائب سے حاضر کی طرف عدول کرنے کی وجہ

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا آخر وجہ کیا ہے کہ غائب سے حاضر کی طرف انداز بدل گیا۔ انہوں نے بھی بڑا عمدہ جواب دیا۔

یہ ساری ہمارے ائمہ کی تحقیقات ہیں جو میں نے آپ نے سامنے بیان کی ہیں۔ ان کو جب تم سن رہے ہو تو یقیناً تمہارا دل گواہی دیتا ہے کہ اگرچہ ہم اس پائے کے محقق تو نہیں ہیں۔ مگر ہمارا ایمان ایسا ہی ہے جیسا یہ بیان کر رہے ہیں۔

حضرت امام عینی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں۔

اِنَّ الْمُصَلِّيْنَ لَمَّا اسْتَفْتَحُوْا بَابَ الْمَلَكُوْتِ بِالتَّحِيَّاتِ

نمازیوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کر کے جب ملکوت کے دروازے کھلوا لئے۔

''التحیات للہ'' کہا تو ملکوت کے دروازے کھل گئے۔

اُذِنَ لَهُمْ بِالدُّخُوْلِ

اللہ کی طرف سے ان کو اجازت دے دی گی کہ اب تم داخل ہو جاؤ، کہاں؟

فِيْ حَرِيْمِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

اُس حی و قیوم کے دربار میں ''کہ جس پہ کبھی موت نہیں آتی'' داخل ہو جاؤ۔

فَقَرَّتْ اَعْيُنُهُمْ بِالْمُنَاجَاتِ

تو نمازیوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں کہ کتنے وارے نیارے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلا کے اپنے دربار میں بٹھا لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دربار کا دروازہ کھلا، نمازی اللہ تعالیٰ کے دربار میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے مناجات اور سرگوشی کرنے لگا۔ جب سرگوشی کر رہا تھا۔

فَنُبِّهُوْا عَلٰى اَنَّ ذَالِكَ بِوَاسِطَةِ النَّبِيِّ الرَّحْمَةِ

پھر نماز کو بتایا گیا کہ یہ جو کچھ تجھے ملا ہے اور جن کے صدقے سے ملا ہے انہیں بھی تو دیکھو۔

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کے ہمیں انمول کر دیا

کون ہمارے لئے دروازے کھولتا، اور کون اپنی طرف سے ابرِ کرم برساتا۔

نُبِّهُوْا

نمازیوں کو متوجہ کیا گیا کہ جس کے وسیلے سے تمہیں یہ ملا ہے۔ اُن کے بارے میں بھی تو سوچو۔ نبی رحمت کی متابعت کی وجہ سے تمہیں یہ مرتبہ ملا ہے۔

لہٰذا فوراً ایک جذبہ پیدا ہوا کہ اُن کو ہم بھول رہے ہیں جنہوں نے نماز دی تھی

اور جنہوں نے حاضری کا طریقہ دیا تھا۔ جن کے صدقے رب نے ہمیں اپنے دربار میں قبول کرلیا ہے۔

فَإِذَا الْتَفَتُوا

جس وقت اچانک نمازی کی نظر اٹھی۔

فَإِذَا الْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ

تو نظر آیا کہ اللہ کے دربار میں سرکار بیٹھے ہیں۔

اَلْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ

پہلے حبیب سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور دوسرے حبیب سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ تو بخاری نے التفا کیا۔ کہ یہ ایک ایمان بالغیب کا معاملہ ہے۔ یہ اُس کو کیفیت رکھنی چاہیے۔

جب اس نے توجہ کی تو اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا دربار ہے۔ وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ جب سرکار نظر آئے۔

فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ قَائِلِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ۴/ ۵۸۵)

نمازیوں نے سرکار کو جب رب کے دربار میں دیکھا تو اب دل نے کہا کہ سرکار کو غائبانہ نہیں سامنے بالمشافہ کہیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

اے محبوب تجھ پر رب کی سلامتی ہو۔

اب یہ کوئی مشرکین کا عقیدہ تھا؟ بدعتیوں کا عقیدہ تھا؟

جن کی خدمات حدیث پر دنیا ناز کرتی ہے اور وہ اسلام کے وسیع ذخیرہ کے محافظ، اور اسلامی اقدار پر پہرہ دینے والے امت کے عظیم علماء کی لسٹ جو سینکڑوں نہیں ہزاروں تک پہنچنے والی ہے۔ انہوں نے دین ہمیں محفوظ کر کے دیا ہے۔ ہم اس پر قائم ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے نہیں گھڑا یہ شروع سے جو صراط مستقیم کا سلسلہ آ رہا ہے اُسی پر ہم موجود ہیں۔

اب دیکھئے امام عینی فرمانے لگے کہ یہ کتنا سنہری موقع ہے۔ بندے کو متوجہ کیا گیا کہ جن کے صدقے تجھے عزت ملی ہے۔ اُن کی طرف توجہ کرو۔ فوراً نگاہ اُٹھی تو اللہ کے دربار میں رسول اکرم ﷺ موجود تھے۔ یہ مقام تشہد یہ پہنچا ہوا تھا۔ فوراً جس وقت دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ

اے اللہ کے محبوب تجھ پر سلام پیش کرتا ہوں۔

اعتراض:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں ہم "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کہتے تھے۔

فَلَمَّا قُبِضَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

تو جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ تو پھر ہم نے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کہنا چھوڑ دیا اور "علی النبی" شروع کر دیا۔

اس بات کو وہ لوگ اُٹھا کے آج پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

دیکھو تم علیک کی اتنی بحث کر رہے ہو۔ وہاں تو "السلام علی النبی"، بھی آیا ہے۔

ابن مسعود نے خود کہہ دیا کہ آپ کی ظاہری حیات میں السلام علی النبی کہنا شروع کر دیا ہے۔

جواب:

اسکے جواب کی تفصیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ یہ فرق عقل کے لحاظ سے کسی طرح درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا تو نہیں تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ کے اندر صرف مدینہ شریف کی مسجد نبوی میں ہی لوگ نماز پڑھتے تھے۔ اُس وقت بھی عالم میں جہاں تک اسلام پہنچا تھا نماز پڑھی جاتی تھی۔ مکہ شریف والے پڑھتے تھے، طائف والے پڑھتے تھے، یہ سارے مدینہ شریف سے دور نمازیں پڑھتے تھے اور غائب کی حالت میں پڑھتے تھے۔

جو اس وقت پڑھتے ہوئے سرکار کو موجود سمجھ کے کہتے ہیں۔ السلام علیک ایھا النبی تو اُن کو سلام دینا بیان کر رہا تھا کہ جب یہ روضہ پاک میں ہوں گے پھر بھی علیک ہی کہا جائے گا۔

ملا علی قاری اور ابن حجر کی طرف سے اسکی وضاحت

اس مقام پر بڑی تفصیل سے امام ملا علی قاری نے مرقات میں بیان کیا ہے۔ اور ابن حجر نے فتح الباری کے اندر اسکی وضاحت کر دی ہے۔ کہ اصل صورتحال کیا ہے۔

جو حدیث میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پیش کی جس میں۔

" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ " موجود ہے۔

اسکے بعد دوسری روایت کہ جس میں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم نے " السلام علی النبی " کہنا شروع کر دیا" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ " علیک چھوڑ دیا

یہ اصل میں ابوعوانہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اور جو اس مضمون کی روایت بخاری شریف میں ہے۔ اُس میں السلام علی النبی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں یہ ہے۔

فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ

وہاں جو راوی کا جملہ ہے وہ صرف اتنا ہے کہ قلنا السلام، ہم نے سلام کہا۔

اُس کے بعد یعنی علی النبی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے۔

یہ اُن سے کسی روایت کرنے والے نے یعنی تفسیر کا لفظ شامل کرتے ہوئے آگے اُسی کو بڑھایا ہے۔

ابن حجر اور ملا علی قاری نے اس کی وضاحت کی کہ جو روایت بخاری میں ہے۔

اُس میں "قُلْنَا السَّلَامُ" ہے جب سرکار کا وصال ہو گیا تو پھر بھی ہم نے سلام کہا۔ مطلب کیا ہے۔ "استمررنا" لوگوں نے سلام کہنا نہیں چھوڑا پھر بھی اُسی انداز میں کہتے رہے۔

یہ اُس کا مطلب ہے کہ پھر بھی ہم نے سلام کہا۔

یہ مطلب نہیں تھا کہ سرکار سامنے تھے تو السلام علیک ایھا النبی کہتے تھے اور سرکار چلے گئے تو ہم نے چھوڑ دیا۔

ابن مسعود کہتے ہیں ہم نے چھوڑا نہیں ہے۔ جو سلام پہلے تھا وہ پھر بھی جاری رہا۔ لہٰذا اُس میں یہ لفظ نہیں ہیں کہ ہم نے یہ "ک" ترک کر دیا۔ علیک کہنا چھوڑ دیا اور علی النبی ہم نے بولنا شروع کیا۔

جو روایت بخاری میں ہے اُس میں صرف اتنا ہے کہ جس وقت سرکار کا وصال ہو گیا۔ قلنا السلام، پھر بھی ہماری طرف سے اُسی انداز میں سلام جاری رہا۔

لہٰذا اس سے یہ سمجھ نہیں آتی کہ ہم نے علیک سے اعراض کر لیا، علیک کو چھوڑ دیا۔ بلکہ صرف السلام کا ذکر کیا کہ سلام جاری رہا۔

اس واسطے ابن حجر کہنے لگے کہ ابو عوانہ کی جو روایت ہے اُس میں احتمال آ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کا یہ مطلب ہو کہ ہم نے ک کو چھوڑا اور ہو سکتا ہے اُس کا یہ مطلب ہو قلنا السلام پھر بھی ہم نے سلام نہیں چھوڑا۔ پھر بھی ہم سلام کہتے رہے۔

لہٰذا جہاں احتمال ہے اُسے چھوڑ کے وہ ماننی چاہیے جس میں کوئی احتمال نہیں ہے اور وہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے جس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مطلقاً تعلیم دی۔

ہم نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں۔

لہٰذا یہ بھی کسی کیلئے گنجائش نہیں ہے کہ صحیح بخاری کو چھوڑ کے ابو عوانہ کے پیچھے چلے جائیں۔ جو راوی کا اپنا قول اُس میں درج کیا گیا اُس کو دلیل بنالیں، نہیں نہیں ......

پوری امت اس لذت پر موجود رہی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آج بھی جس وقت ہم ندا کرتے ہیں تو سرکار سنتے ہیں۔ اس لیے آپ کو علیک سے خطاب کیا جاتا ہے۔

اگر چہ علیہ کہنے کا بھی اسلام میں جواز موجود ہے لیکن یہ مقام چونکہ مقام خاص ہے اور سرکار کی طرف سے صیغہ مختص کر دیا گیا تو اسی طرح امتی کو نماز پڑھتے ہوئے اپنے نبی پر سلام بھیجنا چاہیے۔ تو جو یوں سلام بھیجے گا وہ اپنے ایمان کا اعلان کرے گا کہ میرے محبوب ناظر ہیں، میں اُن کے دربار میں حاضر ہوں۔

(وقت چھلانگیں مارتا ہوا آگے جا رہا ہے اور موضوع ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا میں آخر میں ایک حدیث بیان کر کے اجازت چاہتا ہوں)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انکو رخصت کرنے کے لیے ...

چلے۔ سرکار علیہ السلام انکو وصیت کر رہے تھے۔

فَلَمَّا فَرَغَ

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسٰى أَنْ لَّا تَلْقَانِيْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا

اے معاذ اب اس سال کے بعد تیری میرے ساتھ ملاقات نہیں ہو سکے گی۔

وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِيْ هٰذَا وَقَبْرِيْ

تو میری مسجد اور میرے مزار سے گزرے گا۔

فَبَكٰى مُعَاذُ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی پر زار و قطار رونے لگے۔

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے معاذ! پریشان نہ ہو:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا

(مشکوۃ شریف: ۴۴۵)

لوگوں میں سے جس کے دل کو بھی تقویٰ نصیب ہے وہ مجھ سے دور نہیں! وہ جہاں بھی ہو میرے قریب ہے۔

رب کائنات کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اس سبق کو یاد کر کے دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

باب نمبر
10

اے غریب الوطن
اسلام کے ہم وطنو!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِعَشْرَةٍ يُعْتِقُ فِيْهَا مِنَ النَّارِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى

حَبِيْبِهِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا

وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ

يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ (پ۱۳ سورۃ الرعد ۱۷)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِیْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مَنْ أَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اے غریب الوطن اسلام کے ہم وطنو!

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ (پ ۱۳ سورۃ الرعد ۱۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ واعظم شانُہٗ واتم برھانُہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرور کائنات، زینتِ بزمِ کائنات احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثانِ منبر ومحراب اربابِ فکر ودانش نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے صراط مستقیم کے اجالوں میں ادارہ صراط مستقیم کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے انتیسویں (29) اور اختتامی سیشن میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

اس وقت بھی میرج ہال میں اہل حق کا ... حضرات وخواتین ... مشتا

فقید المثال اجتماع اور بذریعہ انٹرنیٹ پوری دنیا پر براہِ راست اس اجتماع میں شرکت کرنے والے تمام حضرات وخواتین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ہم نے ایک سفر شروع کیا تھا۔اللہ کے فضل سے آج ہم منزل کے قریب پہنچ آئے ہیں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ یکم رمضان کا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ساتھ فہم دین کا سورج بھی طلوع ہو رہا تھا ماہ رمضان المبارک کی سعادتوں برکتوں اور رحمتوں کے جلوس میں امت مسلمہ کا کاروان جب تقویٰ و پرہیز گاری کی وادی کی طرف اپنے سفر کو نئے انداز میں شروع کر رہا تھا۔جب سورج کی کرنیں آفاق کو روشن کرنے کا پیغام لیکے ظہور پذیر ہو رہی تھیں۔ادھر دلوں کی دھرتی میں اجالوں کیلئے فہم دین اور عقیدتوں کے کارواں بھٹی میرج ہال کی طرف چل رہے تھے۔آج منزل کے قرب میں آکر ہمیں بہت سی کیفیات اور بہت سی اہم اور پرنور یادوں کا منظر سامنے نظر آ رہا ہے۔

یہ رب ذوالجلال کا فضل ہے اور اُس کی دی ہوئی توفیق ہے اور ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔کہ اُس نے ہمیں پیدا کیا،اُس نے ہمیں ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔اُس نے ہمیں دھندلکوں اور ظلمتوں کے دور میں اپنی بندگی کیلئے اور اپنے محبوب علیہ السلام کی غلامی کیلئے چن لیا۔اُس نے ہمیں رمضان المبارک کا شرف اور قرآن مجید کی حفاظت کا منصب عطا فرمایا۔ہم جتنا بھی شکر کریں کم ہے۔اتنے دنوں تک مسلسل اور بڑے نظم وضبط کے ساتھ علم وحکمت کی یہ بزم بجتی رہی،معرفت اور حقیقت کے چاند طلوع ہوتے رہے۔دلوں کی کھیتیاں سیراب ہوتی رہیں۔ماہ مدینہ ﷺ کا ابرِ کرم چھم چھم برستا رہا۔نگاہیں راہِ طیبہ میں لگیں رہیں۔نغمہ جبریل کے سوز وساز سے کان معطر رہے۔یہ کچھ کم کرم تو نہیں ہے،یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ہم اپنے عجز

کو اور اپنی تنگ دامنی کو اور اپنے ہیچ مدانی کو سامنے رکھتے ہوئے ماہ مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ کی غلامی پر فخر کرتے ہوئے۔ رب ذوالجلال کے دربار میں بار بار شکر گزار ہیں کہ اُس نے ہمیں اپنے دین کے اس اہم کام کی ہمت دی اور اُسی کی ہمت سے آج قافلے منزل تک آن پہنچے ہیں۔

یقیناً ایک چھوٹے سے سفر کی بھی کچھ یادداشتیں ہوتی ہیں۔ اُس میں بھی چلتے ہوئے دائیں بائیں کچھ وادیاں نظر آتی ہیں۔ جو ہمیشہ گوشہ خیالات کے اندر محفوظ ہوتے ہیں۔

ہمارا یہ اُنتیس روز کا سفر جوز مین کے مختلف خطوں کا نہیں تھا بلکہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں کا تھا۔ یہ سفر جس میں ہم نے کبھی مکہ شریف کی حسین وادیوں میں نبی علیہ السلام کے میلاد شریف کے منظر کو چشم تصور سے دیکھا اور کبھی پھولوں جیسے بچپن اور شبنمی کیفیات کی روش کا نظارہ کیا اور کبھی محبوب علیہ السلام کے عہد شباب اور پھر اعلان نبوت کا وہ نعرہ برحق کہ جب آپ حرا سے اترے اور قوم کو جنت میں لے جانے کا عزم کیا اور کمر باندھ لی۔

ہمارے ہمہ جہت موضوعات میں ہمارے سامنے وہ یادیں ہیں کہ کبھی جبرائیل علیہ السلام پہلا پیغام لیکر حرا میں اترتے ہیں تو کبھی "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" (پ ۶ المائدہ ۳) کی صدائیں آتی ہیں، کبھی یہ قافلے حجاز مقدس میں بیت اللہ کے گرد کفار کی صعوبتوں کے باوجود اپنا فرض پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی رات کے اندھیرے میں ہجرت کا قصد کیے ہوئے مدینہ شریف کو دائمی تجلیوں سے نوازنے کیلئے چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی ہمیں وہ نور کا اور رحمت کا کارواں مدینہ شریف سے بدر کی طرف نکلتا دکھائی دیتا ہے، کبھی احد، کبھی خندق، کبھی حنین، کبھی بیعت

رضوان اور کبھی فتح مکہ کا وہ خوشی کا منظر کہ جس وقت فاتحانہ طور پر ہمارے محبوب علیہ السلام مکہ شریف میں داخل ہو رہے تھے۔

ہم نے اس کورس کے درمیان جس قدر بھی فکری سیر کی ہے اور نظری جہاں کو اپنے خیالات کے اندر محفوظ کیا ہے کہیں عقائد، کہیں معاملات، کہیں عبادات اور کہیں نظریات، کہیں کاروباری مسائل کا حل، کہیں عقائد کے مختلف ابواب کا تذکرہ، کہیں شان رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق، کہیں مفاہیم اسم باری تعالیٰ کی لذتیں اور کہیں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں اور کہیں تقلید سے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ اور کہیں بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم رہنمائی کا منظر...... ہمارا پورے کا پورا کارواں اور ہمارا یہ درس اول سے لیکر آخر تک دین کے ایک خلاصہ اور خوشبو کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج وہ ساری چیزیں سمٹ کر اکٹھی ہو کے موضوعات کے گلدستہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ یقیناً جو شروع سے شریک محفل رہے اُن کے سمجھنے کا انداز کچھ اور ہوگا اور جو بعد میں وقفے وقفے سے شامل ہوتے رہے اُن کو بھی عظمت ملتی رہی اور جو پہلی بار آئے یقیناً انہیں بھی حصہ ملے گا۔ مگر یہ وقت بڑی عجیب چیز ہے اور زمانے کا ہمارے خلاف فیصلہ بڑا عجیب ہے، ہم جس وقت کہتے ہیں کہ ٹائم نہیں تھا تو زمانہ کہتا ہے۔

گر تو نہیں تھا شریک محفل قصور تیرا ہے یا کہ میرا
میرا طریقہ نہیں کہ رکھوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

لیکن پھر بھی جو ہمارے دوستوں کی کاوشیں ہیں کہ سی ڈیز اور کتب کی شکل میں یہ سوغات بانٹی جائے۔

بہر حال اس کا فائدہ ان شاء اللہ آگے پہنچے گا۔

تو آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

اے غریب الوطن اسلام کے ہم وطنو!

غریب الوطن وہ ہوتا ہے جو پردیسی ہو، جس کا اپنا دیس نہ ہو اور پھر اُس کے ہم وطن وہ ہوتے ہیں جو پردیسی کو اپنے گھر رکھیں۔ جو پردیسی کو وطن دیں، جو پردیسی کے ہم وطن بن جائیں، جو پردیسی کو پردیسی نہ رہنے دیں اور پردیسی کو پردیسی ہونے کا احساس بھی نہ ہونے دیں۔

آج کا موضوع پورے ماحول کے لحاظ سے ایک جامع موضوع ہے اور جامع عنوان ہے اس کو ہم نے اس لئے نہیں سنناکہ ایک اختتامی پروگرام ہے اور اُس میں شرکت ہوگئی ہے اور یہ شرکت کافی ہے بلکہ ہم نے اس لحاظ سے سننا ہے کہ یہ ہمارا لائحہ عمل ہے اس میں پس منظر بھی ہے اور ہمارے مستقبل کے لحاظ سے اس کے اندر مسائل کا حل بھی موجود ہے۔

اس واسطے دل کے کانوں سے پوری طرح محتاط ہو کر اور پوری طرح اپنے ایمان کی لذتوں کو حاضر کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا تصور اور رسول اکرم ﷺ کی پاک بارگاہ کا تصور لئے ہوئے بیٹھنا ہے کانوں سے سننا ہے اور دھیان راہِ مدینہ کی طرف رکھنا ہے۔

یقیناً آج وہ سارے بھائی اور بہنیں مبارکباد کے مستحق ہیں جن کے قدم اس رستے پہ اُٹھے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اُن کے قدم پیپلز کالونی اور گوجرانوالہ کے اطراف واکناف، قرب وجوار کی اس زمین پر ہیں۔ میرے محبوب علیہ السلام کا یہ فرمان ہے۔

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ

(مشکوۃ شریف کتاب العلم ص ۳۲)

وہ قدم جو علم کے حصول کیلئے زمین پہ اٹھتے ہیں حقیقت میں یہ جنت کی طرف اُٹھ رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے صدقے جنت کا سفر آسان فرما دیتا ہے۔ اس واسطے ہر مرد وزن کیلئے ہدیہ تبریک ہے جنہوں نے اس سفر میں شرکت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سعادت عطا فرمائی ہے۔

بالخصوص رمضان المبارک کے چاند کے طلوع کے ساتھ ہمارے خدا کی طرف سے انعامات کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور ہر دن اس میں ترقی ہوتی گئی ہر دن عروج آتا گیا۔ پہلے رحمت پھر مغفرت اور پھر جہنم سے آزادی اور ابھی عید کا دن یوم تقسیم انعامات آرہا ہے۔ جس کو یوم الجوائز بھی کہا جاتا ہے۔ تو یہ ایک سلسلہ ہے کہ آج ہم اُس وقت میں داخل ہو چکے ہیں، جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلی رحمتوں کا وقت ہے اور جہنمیوں کو جہنم سے آزاد کیا جارہا ہے۔ ایسے میں اس پروگرام کے اندر شرکت ہمارے لئے مزید معنیٰ خیز ہے اور اس میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیئے ہوئے سوز کے مطابق ہمیں اپنی توجہ اس لحاظ سے بھی مرکوز کرنی چاہیے کہ جب شیطان نے رب ذوالجلال سے یہ کہا تھا کہ میں ہمیشہ تیرے بندوں کو اغوا کروں گا، انہیں گمراہ کروں گا اور ''مَادَامَتْ اَرْوَاحُھُمْ فِیْ اَجْسَادِھِمْ'' جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی میں ان کو نہیں چھوڑوں گا، انکو گمراہ کروں گا اور ان کو بھٹکاؤں گا۔

جس وقت شیطان نے یہ کہا تو رب ذوالجلال نے اس کے جواب میں یہ کہا تھا۔

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ

مجھے میری عزت کی قسم اور میرے بلند مرتبے کی قسم

لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَھُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ (مشکوۃ شریف باب الاستغفار ۲۰۴)

جب تک وہ مجھ سے معافی مانگیں گے تو میں ان کو ہمیشہ معاف فرماتا رہوں گا۔

تو ہمیشہ ان کو بھٹکانے کی کوشش کرے گا اور جہنمی بنانے کی کوشش کرے گا۔
جب تک ان میں جان رہے گی تو ان کو بھٹکائے گا۔ سن لے آخری سانس تک جب بھی یہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے۔ میں ان کو معاف فرما دوں گا۔

لہٰذا رب ذوالجلال کی طرف سے رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔ بخشش کی ہوائیں چل رہی ہیں اور مغفرت کا دور دورہ ہے اس واسطے ہمارا یہ پروگرام ان تمام مناسبتوں اور برکتوں کے لحاظ سے بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے۔

میں نے قرآن مجید کی جو آیہ کریمہ تلاوت کی ہے۔
آغاز میں اس کا ترجمہ سماعت کر لیجیے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِهَا

اللہ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا تو وادیاں اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں۔

فَاحۡتَمَلَ السَّیۡلُ زَبَدًا رَّابِیًا

پس سیلاب نے اپنے اوپر ایک جھاگ کو اُٹھایا ہے جو بلند اور اُٹھا ہوا نظر آتا ہے۔
اس کے علاوہ جس پر لوگ آگ ملاتے ہیں اور زیور بناتے ہیں اسی طرح ایک ایک جھاگ موجود ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے لیکن وہ جھاگ جلد ہی ختم ہو جائے گا، مٹ جائے گا لیکن وہ چیز جو لوگوں کو فائدہ دیتی ہے۔ وہ زمین میں باقی رہے گی ایسے ہی اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے۔

آج جس وقت ہم اپنے حالات کو دیکھتے ہیں اور مصائب میں گھری ہوئی امت کو دیکھتے ہیں اور ہر طرف سے یزیدیوں کے برستے تیروں کے اندر حسینی کارواں کو

دیکھتے ہیں۔ تو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان سامنے آتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ بَدَأَ غَرِیْبًا

میرا دین جب شروع ہوا تھا تو غریب تھا۔ غریب کا مطلب ہے پردیسی، اجنبی تھا یعنی اس کے ماننے والوں کو لوگ اجنبی سمجھتے تھے۔ ان کے ماننے والوں کے پاس لوگ بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کو ادنیٰ قرار دیتے تھے اور ان کو اپنے سے ہلکا سمجھتے تھے۔ پھر اسلام کو سطوت ملی، عظمت ملی، عروج ملا، وقار آگیا۔ پھر کیا ہوگا۔

وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ

پھر وہ دن آجائے گا، حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ میرا دین پھر اجنبی ہو جائے گا۔ غریب الوطن ہوگا، پردیسی ہوگا، اس کا کوئی گھر نہیں رہے گا، اس کا کوئی دیس نہیں ہوگا، اس کی کوئی سرزمین نہیں ہوگی۔ اسکا کوئی وطن نہیں ہوگا۔ ایسی صورتحال کے بعد کچھ لوگ ایسے ہونگے جو میرے پردیسی دین کو اپنا گھر دیں گے، اپنا دل دیں گے، اپنا دماغ دیں گے، اپنا بدن دیں گے، اپنا شہر دیں گے، اپنے پاس رکھیں گے۔ اسلام کے ساتھ ایسا ربط قائم کرلیں گے کہ اسلام کو پردیسی ہونا محسوس نہ ہو، اسلام کو اپنی روح کے اندر جگہ دے دیں گے۔ تو آپ نے فرمایا۔

فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ

اُس وقت جو میرے دین کا ساتھی بن جائے گا۔ ہم وطن بن جائے گا۔ محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں میں آج اُس کو اپنی طرف سے مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کو خوشخبری سناتا ہوں، اُس وقت غریب الوطن اسلام کا جو ہم وطن بنے گا سرکار فرماتے

ہیں میں اُن کو جنت کی بشارت دیتا ہوں میں اپنی طرف سے اُن کو نوید سناتا ہوں اور وہ ہوں گے جو غریب الوطن اسلام کے ہم وطن کہلائیں گے۔

میرے نبی علیہ السلام فرمانے لگے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ۔

ترمذی۔ابوب الایمان ۔باب ماجاء اِنّ الاسلام بَدَاَ غَرِیبًا ۲/۹۱ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۔مشکوۃ شریف ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

یہ وہ لوگ ہیں جو اس قدر راہ حق پر چلنے والے ہوں گے۔اس قدر اسوۂ حسنہ پر پابند ہوں گے اور اُس وقت سنت مطہرہ کا جھنڈا لیکر نکلنے والے ہونگے۔ وہ صرف خود ہی سنت پر عمل نہیں کریں گے، وہ صرف خود ہی دین پر کار بند نہیں ہونگے بلکہ جہاں جہاں بھی لوگوں نے سنت کو بگاڑا ہوا ہوگا، جہاں جہاں بھی لوگوں نے فساد پھیلایا ہوگا، اور جہاں جہاں بھی لوگ دین کے خلاف حملے کر رہے ہونگے۔آپ نے فرمایا میں اُن کو جنت کی بشارت دے رہا ہوں جو اُس غریب الوطن اسلام کے ساتھ ملکر دین کو نئی زندگی عطا فرمادیں گے۔

آج جس وقت ہم اپنے حالات و واقعات کو دیکھتے ہیں اور پھر ادھر فاران کی چوٹیوں سے ہمیں ایک نغمہ سنائی دیتا ہے۔ پہلے بھی اسلام غریب تھا، اجنبی تھا، پردیسی تھا۔آج بھی اُسی طرح ہوگیا ہے۔ہمیں وہ وقت دیکھ کہ پھر آج سوچنا ہے کہ اُس وقت اسلام کیسے دیس میں آیا تھا۔ پردیسی کو دیس کیسے ملا تھا، پھر وہ گھر گھر میں کیسے آگیا، پھر اُس کو عظمت کیسے ملی اور اُس کو وقار کیسے ملا تھا۔

ایک بار چشمِ تصور اُن حالات کی طرف کیجئے جب میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کا پیغام سناتے ہوئے یہ اعلان کردیا لوگو! خدا ایک ہے اور میں اُس کا نبی ہوں۔

میں آپ سے گزارش کرتا ہوں ذرا اپنی نگاہیں بند کر کے وہ منظر تو دیکھئے جب حراء سے میرے پیغمبر ﷺ نیچے تشریف لا رہے تھے اور جس وقت بنجر زمینوں کے اندر یقین کی تخم ریزی کیلئے آپ نے اعلان حق کر دیا تھا، جب آپ نے سلگتے ہوئے ماحول کے اندر بہاروں کو آباد کرنے کیلئے اپنے ہاتھ میں حق کا پرچم لیکر تمام ظلمتوں کا سینہ چیرنے کیلئے نور اور ایمان کی بہاروں کے چراغ روشن کر دیے تھے۔ تصور تو کیجئے اور پھر ناز وفخر کیجئے اس عظمت پر کہ اتنا پرانا سلسلہ تھا آج اس کی تجلی ہمارے سینوں میں موجود ہے۔

دورِ غربت

جب یہ دین چلا تھا، جب چشمہ پھوٹا تھا، جب سینے ابھی سیراب ہونے لگے تھے، جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گلشن ابھی سیراب ہوا تھا ابھی عمر فاروق کانٹوں کی نظر تھے تصور تو کیجئے جس وقت یہ کارواں چلا تھا۔ حالات کیسے تھے، کتنے تیر مارنے والے تھے، کتنے چراغ بجھانے والے تھے، کتنے رستوں میں کانٹے بچھانے والے تھے اور کتنے صحابہ پر تشدد کرنے والے اور اُن کو باندھ باندھ کے مارنے والے تھے۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا اُس وقت غریب الوطن اسلام کا جو انداز تھا اس کے ماننے والوں نے ہمت نہیں ہاری آگے بڑھے ہیں۔ جس قدر بھی مصائب نے منہ کھول کے اُن کو کھانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے جواب میں یہی نعرہ لگایا ہے۔

برہم ہوں بجلیاں یا ہوائیں خلاف ہوں
کچھ بھی ہو اہتمام گلستان کریں گے ہم

اُس وقت انداز کتنا عجیب تھا۔ خود اللہ تعالیٰ نے اُس کی منظر کشی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ

(پ ۳۰ المطففین ۲۹)

وہ لوگ جو مجرم تھے وہ مسلمانوں کو دیکھ کے ٹھٹھا کرتے تھے، مذاق کرتے تھے، استہزاء کرتے تھے۔

یہ کون تھا؟ ابو جہل، عتبہ، شیبہ تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ

حضرت بلال کو دیکھ کر ٹھٹھا کرتے تھے۔ حضرت عمار کو دیکھ کر یہ مذاق کرتے تھے۔ صحابہ کی طرف دیکھ کر مختلف قسم کی آوازیں کستے تھے۔

وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ (پ ۳۰ المطففین)

اور جب اُن صحابہ کے پاس سے گذرتے تھے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ معاذ اللہ تذلیل کیلئے مختلف انداز انہوں نے اپنا رکھے تھے۔

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ (پ ۳۰ المطففین ۳۱)

اور جب وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ کے جاتے تھے تو بڑا خوشی کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے۔

دیکھو آج ہم نے کس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی توہین کی، آج کس طرح ہم نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی توہین کی۔ آج کس طرح ہم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی توہین کی، آج کس طرح ہم نے صہیب و عمار کی توہین کی، اس طرح معاذ اللہ ان عظیم

شخصیات کا مذاق اڑا کر گھر جا کے جشن مناتے تھے۔ دیکھو، یہ معاذ اللہ ادنیٰ لوگ ہیں۔ ہم اعلیٰ لوگ ہیں۔

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ (پ۳۰ المطففین ۳۲)

اور صحابہ کرام کو دیکھ کے کہتے تھے کہ یہ گمراہ لوگ ہیں۔

یہ اُن کا انداز تھا۔ تم تصور کرو آج ہمارے لئے ایسی صورتحال تو نہیں ہے لیکن اُس سخت صورتحال کے اندر بھی صحابہ کرام کے اعصاب کمزور نہیں ہوئے۔ کہ اب اپنے معاشرے میں طعنے ملتے ہیں۔ ہم پیغمبر کو چھوڑ دیں نہیں نہیں...... ہر شخص کا انداز اتنا قوی تھا۔ کہ

شراب عشق احمد میں کچھ ایسی کیف و مستی ہے
کہ جان دیکر بھی اک دو بوند مل جائے تو سستی ہے

یہ سلسلہ چلتا رہا۔ البدایۃ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اسلام کے حق میں سب سے پہلی تقریر کی تھی وہ کعبہ کی فضاء میں پہلا خطبہ تھا۔ آج ہمیں تقریر کرتے وقت کتنی آزادی ہے اور کس قدر ہمارے لئے سہولتیں ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُس سلگتے ہوئے ماحول کے اندر یہ کہا کہ اے لوگو! خدا ایک ہے اور یہ میرے محبوب اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا۔ اتنا تشدد ہوا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اتنا مارا گیا کہ:

مَا يُعْرَفُ وَجْهُهُ عَنْ أَنْفِهِ (البدایۃ والنھایۃ۔ فصل، اول من اسلم من متقدمی الاسلام والصحابۃ وغیرھم ۳/ ۳۵ طبع دار المعرفہ بیروت)

یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ ناک کہاں ہے اور رخسار کہاں ہیں۔ اس قدر چہرہ مبارک سوج

گیا تھا۔ تشدد برداشت کیا۔ وہ زمانہ کہ جس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا تو چچا نے اُن کو پکڑ لیا۔ باندھا اور کھجور کی چٹائیوں میں باندھ کے پھر دھونی دی اور اس طرح ٹارچر کیا اور حضرت عثمان اپنے محبوب علیہ السلام کی عظمت کے ترانے گاتے رہے۔

وہ زمانہ کہ جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ دور سے محبتوں کے چراغ جلا کے آئے تھے۔ کہ میں جاؤں اور کلمہ پڑھوں جب مکہ شریف میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے پوچھا۔

أَيْنَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں میں کلمہ پڑھنا چاہتا ہوں، تو قریش مکہ نے پکڑ لیا اتنا مارا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیہوش ہو گئے۔ یہ ایمان قبول کرنے والے حضرات جو دور دراز سے آتے ہیں اُن کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔

حضرت خباب سے عاص بن وائل نے زرہ بنوائی، جب آپ نے مزدوری مانگی تو عاص بن وائل کہنے لگا اُس وقت تک نہیں دوں گا۔

حَتّٰى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری شریف، باب ھل یؤاجر الرجل نفسہ من مشرک فی ارض الحرب، ۱/۳۰۴ طبع۔ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہاں تک کہ تو اس نبی کو چھوڑ نہ دے۔

اگر تو ان کو چھوڑے گا تو پھر مزدوری دوں گا۔ وہ کیسے سخت حالات تھے۔ ایک مزدور کو مزدوری اس لئے نہیں دی جا رہی کہ یہ ماہِ مدینہ کا نام لیتا ہے، یہ اُن کی محبت میں تڑپتا ہے اقتصادی طور پر اور معاشی طور پر اتنے سخت حالات تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھتے ہیں تو عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر ڈال لی۔ تصور تو کرو۔ اس سے بڑا بھی کائنات میں کوئی تشدد ہو سکتا ہے۔ وہ محبوب

جن کے قدموں کو چومنے کیلئے عرش تڑپ رہا ہو۔ اُن کے گلے کے اندر یوں چادر ڈال دی جائے اور کھینچا جائے اس وقت بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور عقبہ بن ابی معیط کو سبق سکھاتے ہوئے اپنے محبوب علیہ السلام کی عظمت کا نعرہ لگایا۔

(بخاری شریف، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذ اخلیلا، ۱/۵۱۹، طبع، قدیمی کتب خانہ)

وہ سارے حالات ہماری چشم تصور کے سامنے ہیں کہ جب ابوجہل اور اس طرح کے کمینے لوگ ان حق پرستوں پر بڑے بڑے مصائب کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ ایسے میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے کوئی ایسا نہیں تھا۔ جس نے قدم پیچھے ہٹایا ہو مسلسل استقامت کے ساتھ آگے بڑھے ہیں اور اس انداز میں آگے بڑھتے چلے گئے کہ بالآخر رب ذوالجلال نے اسی سفر پر عظمتوں کے ثمرات مرتب کر دیئے اور وہ اسلام جس کو اجنبی سمجھا جاتا تھا۔ وہ اُن لوگوں کے گھروں میں داخل ہو گیا۔

یہ ابوجہل جس نے میرے محبوب علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ میں انکو نہیں رہنے دوں گا۔ اللہ نے اُس کے گھر میں بھی اسلام داخل کیا۔ اس کا بیٹا عکرمہ کلمہ پڑھ رہا تھا تو سرکار کی عظمتوں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ابوجہل تو کہاں سے روکے گا یہ تو تیرے گھر میں بھی داخل ہو گیا ہے۔

یہی عقبہ بن ابی معیط جس نے نبی علیہ السلام کی گردن میں معاذ اللہ پھندا ڈالا تھا۔ اس کی بیٹی اُم کلثوم نے سرکار کی غلامی کا نعرہ لگا دیا تھا۔ جو لوگ اس اسلام کو روک رہے تھے تو یہ رک کیسے سکتا تھا۔ محبوب علیہ السلام کی استقامت پر بالآخر وہ وقت آنے لگا کہ یہ اجنبیت ختم ہو گئی اور اسلام اجنبی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو گیا۔

اسلامی مزاج اور نبوی رعب

اس بارے میں پہلا سید عالم ﷺ کے مزاج کا بڑا دخل ہے اور سارا اعزاز آپ کا ہے اور ساتھ ساتھ صحابہ کو بھی عظمت ملی کہ وہ ساتھ شامل ہو گئے اور انہوں نے محبوب علیہ السلام کے ساتھ غلامی کا حق ادا کر دیا۔ وگرنہ میرے نبی علیہ السلام تنہا چاہتے تو پوری کائنات کو مٹھی میں بند کر کے چوٹی پر "لا الہ الا اللہ" کا جھنڈا لہرا دیتے۔ ان صحابہ کرام کو جو ساتھ لیا ہے تو محبوب علیہ السلام ان کو بھی رب ذوالجلال سے عظمتوں کے تاج دلوانا چاہتے تھے۔ ورنہ سرکار خود ارشاد فرماتے ہیں۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَۃَ شَہْرٍ

(بخاری شریف کتاب التیمم ۱/۴۸، طبع، قدیمی کتب خانہ کراچی)

میرے رب نے میری رعب سے مدد کی ہے اور پھر اتنا رعب ہے کہ ایک مہینہ کی مسافت دور بیٹھے ہوئے دشمن بھی ڈرتے ہیں اور وہ مجھ سے یوں ڈرتے ہیں جیسے منٹ سے پہلے اُن کو میرا اسلحہ لگ جائے گا۔ جیسے میری تلوار کے نیچے ہوں۔ یہ اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو رعب دیا ہے۔

اور پھر اس میں ہمارے لئے باقاعدہ سبق ہے۔ آج ہم جس وقت کہتے ہیں کہ اسلام دین بھی ہے اور دولت بھی ...... یہ دین بھی ہے اور دنیا بھی۔ یہ نظریہ بھی ہے اور حکومت بھی۔ یہ نظام کائنات ہے۔ یہ ایسا دین نہیں کہ جس کا تعلق صرف مسجد کے ساتھ ہو۔ اسکا تعلق دوکان سے بھی ہے، بازار سے بھی ہے، تھانے سے بھی ہے، کچہری سے بھی ہے، یہ جوانوں کی جوانیوں پر بھی حکومت کرتا ہے۔ نیل کے پانیوں پر

بھی حکومت کرتا ہے یہ ایک جامع دین ہے اور اس میں ہمارے نبی علیہ السلام کی طرف سے ایسا سبق ہے کہ جتنا کوئی ڈکیٹیٹر ہو کوئی آمر ہو اور جس انداز میں کوئی اسلام کا رستہ روکنے والا ہو اُس کے ساتھ ٹکرانا اور لوگوں کو دنیاوی معاملات کے اندر اُٹھا کے کھڑا کر دینا۔ میرے محبوب علیہ السلام کی سنت اولین ہے۔

سیرت ابن ہشام میں موجود ہے کہ، اراشی نامی آدمی ابوجہل سے سودا کر بیٹھا تو ابوجہل نے پیسے دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بڑا ظالم تھا۔ اُس کے سامنے کوئی بولتا نہیں تھا۔ ابوجہل کو سید الوادی کہا جاتا تھا۔ اُس کے سامنے کوئی اونچی آواز سے بول نہیں سکتا تھا۔ اب اراشی مکہ شریف آ گیا۔ مختلف سرداروں سے ملکر کہا کہ ابوجہل سے مجھے پیسے دلوادو۔ تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ میں ساتھ چلتا ہوں۔ بالآخر جب وہ حرم شریف کے پاس آیا تو ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش کے چوہدری بھی وہاں بیٹھے تھے اراشی پھر آ کے اُن سرداروں سے کہتا ہے میری مدد کرو میں اجنبی ہوں، پردیسی ہوں، تمہارا سردار میرے پیسے نہیں دے رہا۔ تو ایسی صورتحال میں جو وہاں قریش بیٹھے تھے انہوں نے بطور مذاق سرکار ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہ تمہیں پیسے لے کر دیں گے۔

اُن کا مطلب یہ تھا کہ ان کا تو آپس میں آگ پانی والا معاملہ ہے تو ان کا خیال تھا کہ یہ اجنبی ان کو ساتھ لے جائے اور ہمیں کچھ ہنسنے کا موقع مل جائے کہ کیسے ابوجہل معاذ اللہ ان کی توہین کرتا ہے۔ انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ وہ شخصیت ہے کہ جس کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلتا اور جن کے رعب سے پتھر بھی موم ہو جاتے ہیں اور جن کے سوز سے دریاؤں کے اندر ایسے انکشافات ہوتے ہیں کہ قیامت تک جنکے آگے حجابات نہیں آ سکتے۔

میرے محبوب علیہ السلام کے پاس جا کے جب اراشی نے کہا کہ میرا یہ معاملہ ہے، اب دیکھنا اسلام کا سماج کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے اسلام کا سوسائٹی کے ساتھ کیا ربط ہے اور کس طرح لوگوں کے مسائل کو حل کرنے والی سیاست اسلام نے اپنے پہلے سبق میں رکھی ہے۔ میرے محبوب علیہ السلام سے جب اس نے جا کے یہ کہا کہ معاملہ یہ ہے کہ کوئی بندہ اس کے سامنے بولتا بھی نہیں ہے اور وہ ابوجہل میرے پیسے نہیں دیتا۔ اب میرے محبوب علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اے باہر سے آنے والے میں صرف کلمہ پڑھاتا ہوں۔ مجھ سے نماز کا مسئلہ پوچھ لو۔ روزے کی بات پوچھو، مجھ سے احکام کے بارے میں پوچھو، اگر تمہارا پیسہ کہیں پھنس گیا ہے تو میں کیسے نکال سکتا ہوں۔ یا میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

ہرگز ایسا نہیں۔ اُس نے ایک لمحے کہا دوسرے لمحے سرکار ﷺ تیار ہو گئے۔

سید عالم ﷺ کے ہاں اجنبی یہ مقام پاتے ہوں تو اُن کے ہاں غلاموں کا مقام کتنا بڑا ہوگا اور ان کے مسائل کے حل کرنے کا انداز کیا ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ اراشی کو ساتھ لے کے ابوجہل کی طرف روانہ ہوئے۔ اب ایک ظالم کے سامنے جانا اور ایک محلے کے بدمعاش کے سامنے کھڑا ہونا کہ جس نے کمزور لوگوں کی ناک میں دم کر رکھا ہو۔ جو لوگ غاصب اور لٹیرے ہوں ان سے مظلوموں کی جاگیریں واپس دلوانے اور اُنکے مسائل کا حل کرنے کیلئے اُنکے ساتھ کھڑا ہونا۔ یہ بھی سنت نبوی ﷺ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کا حصہ ہے۔

اب عرب کی وادی کا وہ ابوجہل جس کے سامنے کوئی بولتا نہیں تھا۔ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک اجنبی کے ساتھ چلے گئے اور وہاں جا کر آپ نے جس انداز سے بات

کی ہے اُس نے قیامت تک اس پالیسی کو واضح کیا کہ اسلام کیسے بلندیاں دینے آیا ہے اور اسلام کیسے نوازنے آیا ہے اور اسلام کیسے مسائل کو حل کرنے کیلئے آیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ ابوجہل کے گھر پہنچے اور جس وقت زور سے دستک دی اور دروازے کو کھٹکھٹایا تو وہ بڑا متعجب ہوا کہ میرا دروازہ آج تک کسی نے ایسا نہیں کھٹکھٹایا جیسے آج آواز آئی ہے اُس کے مختلف انداز تھے اور آداب تھے۔ تو اس انداز میں جس وقت آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے تو محبوب علیہ السلام کے دروازہ کھٹکھٹانے پر وہ اندر سے آیا اور بڑا پریشان تھا۔

چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ جونہی وہ آتا گیا تو میرے محبوب علیہ السلام نے فوراً اُس سے بات کی۔

آپ کا انداز یہ تھا جس وقت اس نے اندر سے پوچھا کہ "مَنْ ھٰذَا" دروازے پر کون ہے؟ جس کو میرے آداب کا پتہ نہیں۔ اتنی زور سے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ تو میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا۔

اَنَا مُحَمَّدٌ فَاخْرُجْ اِلَیَّ

میں محمد ﷺ ہوں جلدی میرے دربار میں حاضر ہو جا۔

فَخَرَجَ اِلَیْهِ وَمَا فِیْ وَجْهِهٖ مِنْ رَائِحَةٍ

جس وقت وہ باہر نکلا پتہ چلتا تھا کہ یہ جسم ہے اس میں جان نہیں ہے۔ یوں رنگ اڑا ہوا تھا۔ قریش نے ساتھ اپنا مبصر بھی بھیجا تھا کہ تم دیکھو تماشا کیا لگتا ہے۔ معاذ اللہ یہ جائیں گے وہ بڑا اکھڑ مزاج ہے وہ آگے سے پڑ جائے گا۔ معاملہ بڑا عجیب ہو جائے گا۔ لیکن جس وقت انہوں نے دیکھا تو صورتحال کیا تھی۔ کہ اُس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا

ہے۔ابو جہل جس وقت باہر نکلا تو میرے محبوب علیہ السلام نے ابو جہل کے آتے ہی فرمایا۔

اَعْطِ هٰذَا الرَّجُلَ حَقَّهٗ

(سیرۃ ابن ہشام، ابو جہل وَ الاراشی "۲/۱۳۳، طبع دار الفکر، بیروت)

اس بندے کا حق دو۔

اب ابو جہل وعدہ کرتا کہ کچھ دیتا ہوں کچھ بعد میں دوں گا یا کوئی بات بھی آگے کیسے کرتا۔اُس کی مجال نہیں تھی۔اس طرح سہم گیا، اتنا ڈر گیا۔کہنے لگا مجھے صرف ایک بار گھر میں داخل ہونے دو میں دوبارہ باہر نکلتا ہوں۔گھر واپس گیا سارے پیسے لیکر لوٹ آیا اور اراشی کو دے دیے اور ساتھ ندامت کا بھی اظہار کیا اور بدحواس ہو گیا۔

جس وقت اراشی پھر کعبہ کے پاس گیا۔دوسرے سردار انتظار کر رہے تھے کہ پتہ چلتا ہے کیا ہوا ہے؟ اُس نے کہا ایسا بڑا حوصلہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔جتنا بڑا حوصلہ اس انسان کا ہے۔

میرے ساتھ یہ گیا ہے اور میرا کام بن گیا ہے۔قریش کو انتظار تھا کہ یہ آ کے کوئی چغلی کرے گا۔یہ کہے گا کہ وہ بول ہی نہیں سکے تھے۔لیکن معاملہ بالکل برعکس نکلا۔اُن کو شک ہوا شاید یہ صحیح نہیں بول رہا۔اپنے مبصر کو بلایا۔تم بتاؤ کیا ہوا۔اُس نے کہا وہ کچھ ہوا جو کبھی نہیں ہوا۔ہم جس کے سامنے سہمے رہتے ہیں۔وہ ان کے سامنے گیدڑوں کی طرح پیش ہوا ہے۔جب باہر آیا لگتا تھا اس میں جان ہی نہیں ہے۔اتنے میں ابو جہل بھی آ گیا۔سرداروں نے کہا تمہیں کیا ہوا۔ہمارے سامنے بڑے اکڑتے ہو اور ہمیں بولنے نہیں دیتے۔آج تم نے اس انداز میں یہ ذلت برداشت کیوں کی ہے۔تو کہنے لگا: اصل میں بات یہ ہے کہ جب انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا تو

میرے کانوں میں آواز پڑی ڈر تو میں اُسی وقت گیا تھا۔ لیکن جب میں باہر آیا۔ تو میں نے دیکھا ان کے سر کے اُوپر ساتھ ایک بڑا اونٹ ہے۔ اگر میں تھوڑی سی دیر کرتا تو اس اونٹ کا ایک ہی لقمہ بنتا۔ مجھے ڈر آرہا تھا۔ تو میں نے اس میں عافیت سمجھی ہے کہ پیسے دوں اور اپنی جان بچالوں۔

یہ صورتحال جس وقت بدل رہی تھی کہ رسول اکرم ﷺ اپنی اس حکمت عملی سے، اپنی جرأت سے، اپنی استقامت سے اور اپنے بلند حوصلے کے ساتھ اپنے کارواں کو لے کے آگے چلے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ غریب الوطن اسلام کو وطن عطا فرما دیا۔

عروج کا زمانہ اور اسلام کا تعارف

اس طرح سلسلہ جس وقت آگے پہنچا تو انداز بڑا عظیم تھا۔ اب عروج کا زمانہ ہے۔ بدر میں کفار کو ضربیں لگیں پھر خندق میں ان کو جس وقت شکست ہوئی اب ان کے حوصلے پست ہو گئے اور صلح حدیبیہ میں صلح پر مجبور ہوئے اور پھر ابھی مدت ختم نہیں ہوئی تھی وہ سمجھتے تھے کہ...... بڑھائی جائے۔ ابوسفیان ابھی کافر تھے رابطہ کیا کہ مزید مدت بڑھادی جائے۔ مگر نبی علیہ السلام نے فرمایا مدت نہیں اب ہماری تلواریں تمہارے لئے ہونگی۔

پھر فتح مکہ ہے اور پھر حسی اور معنوی عروج کا زمانہ ہے۔ ہر طرف یہ انداز ہے کہ لوگ جن کو پہلے کوئی گھروں میں عبادت کرنے نہیں دیتا تھا۔ اب انہوں نے منکروں کے گھروں کے اندر اپنے عبادت کے سوز کو داخل کر دیا۔ جس وقت اُن کی آواز پر بظاہر محلے والے لبیک نہیں کہتے تھے۔ اب دور دراز تک کائنات کا ہر ذرہ اُن کی آواز پہ

لبیک کہتا جا رہا ہے اور اب ذوالجلال نے ان کی قربانیوں کو ایک عروج عطا فرمایا ہے۔

ایک حسین منظر وہ بھی ہے جس وقت کسریٰ کی فوج چالیس ہزار کی تعداد میں نکلی اور ادھر سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مقابلے میں ہیں۔ جس وقت فوجیں آمنے سامنے ہو گئیں تو کسریٰ کے گورنر نے کہا تم اپنا تعارف کراؤ۔ تو حضرت مغیرہؓ نے کہا سنو! یہ ہمارا تعارف ہے۔

نَحْنُ اُنَاسٌ مِّنَ الْعَرَبِ كُنَّا فِيْ شِفَاءٍ شَدِيْدٍ وَبَلَاءٍ شَدِيْدٍ

ہم عرب کے لوگ ہیں۔ ہم پرلے درجے کے بدبخت تھے اور مصیبتوں نے ہمیں گھیر رکھا تھا۔

نَمُصُّ الْجِلْدَ

ہم چمڑے چوسنے والے تھے اور اس سے ہم گزارہ کرتے تھے۔

النَّوٰى مِنَ الْجُوْعِ نَلْبَسُ الْوَبَرَ وَالشَّعْرَ

اور بھوک کی وجہ سے ہم گٹھلیاں چوستے تھے۔ یہ ہماری صورتحال تھی اور ہم جانوروں کے بال اون اکٹھے کر کے اپنے بدن ڈھانپتے تھے۔

وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ وَالْحَجَرَ

اور ہم درختوں کو اور پتھروں کو سجدہ کرتے تھے۔

مگر ایک ہی آواز اٹھی۔

فبينما نحن كذالك

ہم اتنے گرے ہوئے لوگ تھے ہم ذلت ورسوائی کے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے۔ تو سہانی گھڑی میں ایک چاند طلوع ہوا۔ جس نے ہم ذروں کو بھی آفتاب بنا دیا۔

اے کسریٰ کے حواری سن لے۔ اُس وقت ہم کچھ اور تھے۔ اب ہم کچھ اور ہیں۔

یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے جوان کو انقلاب ملا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اُن آتش پرستوں کے سامنے اور کفار کے سامنے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہنے لگے۔

اِذْبَعَثَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِیْنَ اِلَیْنَا نَبِیًّا مِنْ اَنْفُسِنَا

تو جس وقت زمین و آسمان کے رب نے ہماری طرف ایک نبی بھیجا۔ جو ہمارے اندر سے ہیں اور ہمارے ہی قبیلہ سے وہ پیدا ہوئے۔

مگر ہیں ایسے کہ اُن جیسا کائنات میں کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہماری طرف بھیجا۔

نَعْرِفُ اَبَاہٗ وَاُمَّہٗ (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب، ۱/ ۴۴۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ہم اُن کے والد کو بھی جانتے ہیں اور اُن کی والدہ کو بھی جانتے ہیں۔

یعنی وہ آوٹ سائیڈر نہیں تھے بلکہ ہمارے ماحول کے تھے۔ ہم اُن کو جانتے تھے۔ وہ جس وقت آئے ہیں تو انہوں نے ہمیں جو انداز دیا ہے اُس انداز نے ہمیں پوری کائنات میں بلندیاں عطا فرما دی ہیں۔

اب دیکھنا اُس اسلام کا انداز کہ جس کے ماننے والوں کو کبھی رسیوں سے باندھ کر دھواں دیا جاتا تھا اس اسلام کا انداز کہ جس کے ماننے والوں کو زمین پہ لٹا کے سینے

پہ پتھر رکھ دیے جاتے تھے۔ اب کیا انداز ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کسریٰ کے گورنر اور کمانڈر کے سامنے فارس کے آتش خانوں کے اندر ایمان کی روح پھونکنے کیلئے جو تقریر کر رہے تھے۔ اُس کے لفظ بڑے عجیب ہیں۔ کہنے لگے۔

اَمَرَنَا نَبِیُّنَا اَنْ نُّقَاتِلَکُمْ

ہمارے نبی علیہ السلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تم سے لڑیں گے۔ ہم تمہیں ماریں گے، ہم تمہاری گردنیں توڑیں گے کب تک؟

حَتّٰی تَعْبُدُوْا اللّٰہَ

جب تک تم ہمارے رب کو سجدہ نہیں کرتے۔

ہم تمہیں تلواروں سے سیدھا کریں گے۔ ہم تم سے جہاد کریں گے۔ یا تو تم اللہ کی عبادت کر دیا۔

اَوْ تُؤَدُّوا الْجِزْیَۃَ (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب، ۱/ ۴۴۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس طرح جھکتے ہوئے تم جزیہ دو، اور اپنی ذلت کو تسلیم کرو۔ ہم پھر تمہیں چھوڑیں گے۔ حکومت ہماری ہوگی، راج ہمارا ہوگا، سلطنت ہماری ہوگی اور پھر تم ایک ذمی کے طور پر اُس میں رہ سکو گے اور پھر تمہیں اپنی ذلیل حالت کے اندر آ کے جزیہ دینا پڑے گا۔ یہ دو ہی صورتیں ہیں اس کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ اب یہ انداز جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا ہے وہ اسلام جو مکہ شریف سے راتوں رات نکلا تھا۔ مدینہ شریف میں اس نے حکومت بنائی تھی اور پھر اُس نے غزوات سے اپنا لوہا منوایا تھا۔ آج نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر دنیا سے چلے بھی گئے ہیں مگر سرکار کی جو نظر ہے وہ صحابہ کرام

کے ساتھ ہے۔اس انداز میں حوصلے بلند ہیں۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر چہ تم چالیس ہزار ہو اور ہم تھوڑے سے ہیں۔مگر تمہیں چھوڑیں گے نہیں۔اس واسطے کہ ہمارے نبی علیہ السلام نے جو ہمیں رستہ دکھایا ہے۔اس رستے میں ہر طرف اُجالے ہی اُجالے ہیں۔

عروج کا یہ فلسفہ جو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا ہے۔اس کے اندر انہوں نے فرمایا کہ دو ہی صورتیں ہیں تیسری کوئی صورت نہیں۔یا ہم تم سے لڑ کے شہید ہو جائیں گے یا باقی رہ جائیں گے۔اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم بھاگیں۔ہم کوئی کمپرومائز کریں؟ نہیں نہیں...... یہ دونوں ہی ہمارے لئے بڑے عظیم راستے ہیں۔ کہنے لگے ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ضمانت دی ہے۔

مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ اِلَی الْجَنَّةِ

جو ہم میں سے شہید ہو گا وہ جنتی ضرور ہو گا۔

ہمارے سامنے گارنٹی ہے۔ یہ ہوتا ہے قیادت پر اعتماد اور یہ ہے امت کا ماننے کا طریقہ کہ وہ ایسے کچی لسی والا عقیدہ نہ رکھیں۔کہ پیغمبر کہیں تم شہادت دو میں جنت دوں گا۔تو آگے سے وہ کہے کہ تم کیسے جنت دے سکو گے۔آپ کی مٹھی میں کوئی جنت ہے آپ تو کچھ دے نہیں سکتے۔اگر یہ دین سمجھنے کا طریقہ ہوتا تو کبھی بھی اسلام کا انقلاب نہ آتا۔ صحابہ نے کافروں کی گردنیں اس لئے توڑی ہیں۔کہنے لگے ہمارے ساتھ سرکار نے طے کرلیا ہے کہ تم جیتے رہو گے پھر غازی ہو اور اگر تم شہید ہو جاؤ گے تو جنت تمہاری ہے۔

ماننے کا انداز یہ ہے کہ صحابہ نے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات کی ہے رب سے بات نہیں کی اور سرکار کی بات پر انہوں نے آگے دیکھنا شروع کر دیا ہے اور کہا ہے

اے کسریٰ والو! سن لو ہمارے دو ہی اصول ہیں اور دو فیصلے ہیں۔ یا ہم شہید ہو جائیں گے یا ہم بچ جائیں گے۔ اگر شہید ہو گئے تو ہمارا نقصان نہیں۔

تجھے وہ شاخ سے توڑیں زہے نصیب تیرے
کہ تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تیرے

ہر بندہ شہادت نہیں پا سکتا۔ ہم شہید ہو گئے تو جنتی ہیں اور اگر ہم باقی رہ گئے تو کیا ہو گا؟ یہ آخری جملہ سب سے بڑا مضمون ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم بچ گئے تو مسجد میں بند ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ ہم بچ گئے تو ہم کسی چلے میں رہیں گے۔ ہم بچ گئے تو صرف وظیفہ کریں گے، نہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اُن کافروں کے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیا کہا؟ فرمایا

بَقِيَ مِنَّا مَلَكَ رِقَابَكُمْ

جو ہم میں سے بچ گیا وہ گھر نہیں بیٹھے گا۔ وہ تمہاری گردن پہ سوار ہو کے رہے گا۔ جو ہم میں سے شہید ہوا وہ جنتی ہے اور جو ہم میں سے بچ گیا وہ تمہاری گردنوں کا مالک ہے۔

لہٰذا تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہیں چھوڑ جائیں گے اور ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ ہم اپنا کام پورا کر لیں گے اب یہ اسلام کے عروج کا وہ زمانہ ہے کہ جس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سائے سے ادھر شیطان بھی کانپتا ہے۔ ادھر قیصریٰ و کسریٰ کی حکومتیں بھی کانپ رہی ہیں۔ اس واسطے کہ انہوں نے رب کے ساتھ وفا کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو زمانے میں عروج عطا فرما دیا ہے۔

عہد غربت کی واپسی

یہ صورتحال جس وقت آگے بڑھی ہے۔ پھر عہد غربت کی واپسی شروع ہوگئی۔ اجنبیت کا زمانہ پھر واپس آنے لگا اور میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے مُطْلِعُ فرمادیا اور اسکا یہ مطلب تھا کہ تم روکنا تاکہ غربت نہ آئے۔اجنبیت نہ آئے۔

سرکار ﷺ کا فرمان ہے۔

یَذْھَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ

یہ صالحین جن کو میں نے تیار کیا ہے۔زمانہ جھک جاتا ہے لیکن یہ نہیں جھکتے۔یہ بولیں تو پتھر پگھل جاتے ہیں۔یہ تلوار چلائیں تو فولاد موم ہوجاتے ہیں۔جن لوگوں کو میں نے تیار کیا ہے یہ آہستہ آہستہ دنیا سے اُٹھ جائیں گے۔آہستہ آہستہ پھر ان کو دیکھنے والے اُٹھتے چلے جائیں گے اس طرح نیک لوگ چلے جائیں گے پھر کیا ہوگا؟

تَبْقٰی حُفَالَۃٌ کَحُفَالَۃِ الشَّعِیْرِ اَوِ التَّمْرِ

پیچھے چھان رہ جائے گا۔جس طرح جَو کا چھان ہوتا ہے یا کھجوروں کا چھان۔

لَا یُبَالِیْھِمُ اللّٰہُ بَالَۃً (بخاری شریف، باب ذھاب الصالحین ۴/۶۴۳۴ طبع دار الفکر بیروت، مشکوۃ شریف، باب تغیر الناس، ص ۴۵۸، قدیمی کتب خانہ)

اللہ تعالیٰ اُن کا کوئی لحاظ ہی نہیں کرے گا۔

کیوں؟ ایک وقت وہ ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا ہے۔ جب فوجیں آمنے سامنے ہونگی تو کہا جائے گا کہ کوئی ایسا ہے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو دیکھا ہو۔

"فَیُفْتَحُ لَھُمْ"

اس ایک کی برکت سے سب کو فتح مل جائے گی۔

پتہ چلا اس ایک کا اللہ نے لحاظ رکھا ہوا ہے اوروں کا اتنا لحاظ نہیں کہ جتنا اس ایک کا ہے۔ پھر کبھی جنگ ہوگی تو کہا جائے گا۔

"هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے سرکار ﷺ کی صحبت نہ پائی ہو لیکن سرکار ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو دیکھا ہو۔

"يُقَالُ نَعَمْ" کہا جائے گا ہاں ہے۔

"فَيُفْتَحُ لَهُمْ" اُس ایک کی برکت سے فتح ہو جائے گی۔

(بخاری شریف، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ ۱/ ۵۱۵، قدیمی کتب خانہ)

پھر اُس کو دیکھنے والے کی برکت سے بعد میں فتح ہو جائے گی۔ کیونکہ ان لوگوں کا رب کے دربار میں لحاظ بڑا ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے یہ کام چلے گا لیکن جب یہ لوگ اُٹھ جائیں گے اور پیچھے عمومی طور پر چھان رہ جائے گا۔

"لَا يُبَالِيهِمُ اللّٰهُ بَالَةً" اللہ تعالیٰ اُن کا کوئی لحاظ نہیں کرے گا۔

یہ وقت ہے کہ اسلام اجنبی ہونا شروع ہو گیا۔ اسلام میں عمل کرنے والوں کی کوتاہی ہے کہ جن کی سوچ میں بگاڑ آتا گیا اور کہیں عقیدوں میں کمزوریاں آتی گئیں۔ پھر اسلام پردیسی بننے لگا، اجنبی بننے لگا۔ اجنبی بنتے بنتے آج وہ بالکل غریب الوطن ہے۔

آج پورے روئے زمین پر ایک چپہ بھی دکھا سکتے ہو جہاں اسلام کی حکومت ہو، اسلام کا راج ہو، اسلام نافذ ہو۔ وہ دین جس کو نبی علیہ السلام نے اپنا لہو دیا اور جس کو صحابہ نے جانیں دی۔ بدر و حنین جس کیلئے منعقد ہوئے۔ آج وہ دین کہاں ہے؟ اُس کا گھر کہاں ہے؟ اُس کا مسکن کہاں ہے؟ اُس کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ اُس کا نظام کہاں

ہے؟ شریعت کہاں رائج ہے؟ اُس کا نظام تجارت کہاں رائج ہے؟ اُس کا نظام عدالت کہاں رائج ہے؟ ارے پوری دنیا سے بڑھ کر تو یہی سلطنت ہے پاکستان کی جو "لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کے نعرے پہ بنی ہےاس میں کہاں اسلام ہے؟ اس کے تھانے، اس کی کچہریاں، اس کے بازار، اسکی دوکانیں، نظامِ تجارت، نظام معیشت، نظام معاشرت سب کچھ انگریزوں کے کہنے پر ہے جبکہ اسلام تو اس طرح نہیں آیا تھا۔ کہ صرف زبان کا کلمہ رہے اور باقی کام غیروں والے ہوں۔نہیں نہیں ...... وہ تو گھر چاہتا ہے، دل چاہتا ہے، دماغ چاہتا ہے، بدن چاہتا ہے، راج چاہتا ہے، مسجد کے اندر مسجد کے باہر۔لہٰذا آج ہم اسلام کی کوئی جگہ دکھانے سے جب قاصر ہیں تو اس سے بڑی ندامت کیا ہوگی۔

اتنے مسلمان، اوآئی سی، Fifty Seven (57) اسلامک کنٹریز مگر ایک بھی اسلامی ماڈل سلطنت نہیں ہے۔ایک بھی نہیں ہے۔اگر کوئی سعودی حکومت کو سمجھتا ہے تو اس کی غلط فہمی ہے۔

وہاں انکے اپنے بنگلے کعبہ شریف سے اونچے جارہے ہیں اور قبروں پر انہوں نے بلڈوزر چڑھائے ہوئے ہیں۔اس وقت روئے زمین پر اسلام منتظر ہے کہ کون مجھے دیس دے گا، کون مجھے گھر دے گا؟ آج اسلام پردیسی ہے اگر تمہیں اس پر یقین نہیں تو مجھے یہ بتاؤ۔ آج کیا پیرس میں مساجد پر یہ نہیں لکھا گیا "Islam go home" اسلام گھر جائے۔اسلام یہاں نہ رہے اور پیرس کی مسجدوں میں خنزیروں کے سر نہیں پھینکے گئے؟ اور انڈیا میں مسجدوں کے سامنے خنزیروں کے سر نہیں رکھے جا رہے ہیں؟ یہ چاکنگ پیرس میں ہورہی ہے کہ "Islam go home"

تو پتہ چلا اسلام اجنبی ہے۔ اسلام پردیسی ہے۔ اگر آج تم یہ دیکھتے ہو کہ وہاں پر امریکہ میں کعبۃ اللہ کے ماڈل کا شراب خانہ تیار کر دیا گیا ہے اور ہماری مقدس جگہ کو انہوں نے شراب خانہ کا ماڈل بنا کے جب لوگوں کو دعوت عام دی ہے کہ ہم اب پوری طرح اسلام کے خلاف ہیں۔ برداشت نہیں کر سکتے۔ اسلام ہمیں پسند نہیں اور اس طرح بھی کہ یہ اپنے گھروں میں پسند نہیں ہیں۔ یہ اسلام کا پردیسی ہونا نہیں تو اور کیا ہے۔

آج جس وقت ہمارے محبوب علیہ السلام کے گستاخانہ خاکے بنے اور صرف ایک بار ہی نہیں اُن کو بار بار پرنٹ کیا گیا۔ اُن کو نصابوں میں شامل کیا گیا۔ اُن کو فٹ بال اور مختلف چیزوں کے اوپر بنایا گیا اور بار باراُن کی فلمیں چلائی گئیں۔ یہ اسلام کی غریب الوطنی نہیں تو اور کیا ہے؟

آج پوپ بھونکتا ہوا جب اسلام پر ہرزہ سرائی کرتا ہے تو یہ اسلام کی اجنبیت اور پردیس کا عالم نہیں تو اور کیا ہے؟

آج جس وقت چھ لاکھ ڈالر انڈیا کی حکومت افغانستان میں میوزک کیلئے فنڈ دیتی ہے یہ اسلام کی اجنبیت نہیں تو او۔ کیا ہے؟

آج اس نعرہ اسلام پر بننے والے ملک پاکستان کی پنجاب یونیورسٹی میں اگر میوزک کی کلاسیں شروع ہو جاتی ہیں تو یہ دین کا پردیسی ہونا نہیں تو اور کیا ہے؟

آج پاکستان کی یونیورسٹیاں امریکہ کے اڈے بن گئیں ہیں یہ اسلام کا پردیسی ہونا نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ دین کہ جس کے بچے کو غیر مسلم کے ساتھ بیٹھنا حرام قرار دیا گیا تھا۔ آج انکو لیکچر عیسائیوں کے دیئے جا رہے ہیں اور امریکی پروفیسر بلوا کر مسلمانوں کے عقیدے

کو پاش پاش کیا جا رہا ہے۔ یہ غریب الوطن اسلام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

آج حدود اللہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ حدود اللہ کو مشق ستم بنا دیا گیا ہے۔ جن کو دو اور دو چار کا نظریہ آتا تھا۔ گنتی کے دو سو لفظ آتے تھے۔ وہ حدود پہ رائے زنی کر رہے ہیں اور اللہ کے نظام میں کہ جس میں قیاس کا دخل ہی نہیں تھا اُس نظام کو معاذ اللہ اپنی عقل کے مطابق موڑ دینا چاہتے ہیں۔ یہ اجنبیت نہیں تو اور کیا ہے؟

ماؤں کی غیرت پر پہرہ دینے کیلئے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ یہ معمولی سی قربانی تو نہیں تھی۔ 10 لاکھ جانیں دیکر ہم نے پاکستان لیا تھا اور دو کروڑ لوگوں نے گھر چھوڑے، نوے ہزار عورتوں کی عزتیں لٹ گئیں پھر یہ وطن بنا۔ تو کیا ''میراتھن ریس'' کیلئے بنایا تھا؟ کیا اس کو ہم نے عریانی اور فحاشی کیلئے بنایا تھا؟ کیا اس ملک کو ہم نے ناجائز دھندوں کیلئے بنایا تھا؟ نہیں نہیں...... اس کو اسلام کیلئے اور دین کیلئے بنایا تھا اور آج اسکی سڑکوں پر ماؤں بہنوں کو ریس میں دوڑا کر اسلام کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں تو یہ غریب الوطن اسلام نہیں تو اور کیا ہے۔

اسواسطے میرے بھائیو!

کوئی یہ نہ کہے کہ اسلام کا گھر ہے اور اسلام کا دیس ہے۔

اسلام غریب الوطن ہے، اسلام پردیسی ہے، اسلام چاہتا ہے مجھے گھر ملے، آج جو اسلام کو دل دے گا، کل رب اُس کو جنت عطا فرمائے گا۔ ایسی صورتحال میں ہمیں اپنا کردار کرنا ہے اور پوری ملت کا سروے کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے۔ بتیس عیسائی چینلز اسلامی دنیا میں چل رہے ہیں۔ آج ''ورلڈ ہیلپ نامی تنظیم'' عراق کے نقشے چھاپ کے پھر رہی ہے امریکہ میں فنڈ اکٹھا ہو رہا ہے کہ عراق کے اندر ہمیں دس لاکھ

انجیل کی ضرورت ہے۔ اسلام کیلئے وہ یہ تحفے پیش کر رہے ہیں۔ عیسائی ہمارے بندوں کوخراب کرنے کیلئے فنڈ اکٹھا کر رہے ہیں۔ آج ان حالات کے اندر ہماری اعلیٰ افواج کے جوادارے ہیں وہاں داڑھی پہ پابندی لگائی جارہی ہیں۔ وہاں نظام اسلام کے خلاف لوگوں کے ذہن بنائے جا رہے ہیں اُن کے نام اسلام والے ہیں اُنکے دماغ اسلامی نہیں رہے۔ اُنکے دماغ انگریز کے ہیں۔ اُن کے اندر زبان پر بولنے والی فکر غیروں کی ہے۔ لہٰذا جب کسی کے گھر میں غیروں کا قبضہ ہو جائے تو وہ پردیسی نہیں ہوتا تو اور کیا ہوتا ہے؟

یہ اسلام اجنبی ہےاور پردیسی ہے۔

نام تو اُس کا لطف اللہ ہے لیکن بندہ کرتا کیا ہے جو بالکل حرام ہے۔ نام اُس کا غلام رسول رکھا گیا لیکن وہ انگریز کا ایجنٹ بن گیا، آلہ کار بن گیا، وہ افرنگی دوکانوں کا کھلونا بن گیا۔ یہ سارا راہ ورسم، بودوباش اُس کا چہرہ، اُسکے کپڑے، اُس کا کردار، یہ اسلام کی بیٹی جس وقت بغیر پردے اور شارٹ لباس میں اور بالکل ٹائٹ لباس میں اپنے جسم کی نمائش کرتی ہوئی باہر نکلتی ہے اسلام روتا ہے کہ میں نے ایسی بچیاں تو نہیں پالی تھیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وارث بیٹیوں کا کردار ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہمارے ملک میں ہو رہا ہےاور دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ آج سے دس سال پہلے ایسی عریانی نہیں تھی۔ اب اس سے زیادہ گند آ گیا ہے تو پتہ چلا اسلام زیادہ غریب الوطن ہو گیا ہے۔

آج یہ آہیں اور یہ سوز و گداز جو اس اختتامی درس قرآن میں ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ ہم سوچیں کچھ کام میں کروں کچھ کام آپ کریں۔

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

اس واسطے یہ کسی ایک بندے کا کام نہیں ہے۔ پوری ملت کا کام ہے اور جو نقب لگا رہے ہیں۔ اُن کے محاسبے کا وقت ہے۔ اُن کے ساتھ پنجہ آزمائی کا وقت ہے اور یہ ہمارے دین کی امانت ہے۔ ہمارے قرآن کی، ہم اُس درس قرآن کے قائل نہیں ہیں کہ جو درس قرآن اپنا رخ لوگوں کے حالات کی طرف نہ کرے اور جو امت کے سلگتے مسائل ہیں اُن کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ اندرون دل کی آواز ہے۔ یہ ٹھیک ہے اس قرآن کو پڑھ کر دم کریں بیماریاں صحیح ہوتی ہیں اسکے ختم پڑھنے سے برکتیں ملتی ہیں۔ مگر یہ ختم پڑھنے کیلئے ہی نہیں ہے۔ بلکہ باطل نظام ختم کرنے آیا ہے باطل ننگا ناچتا رہے اور ہم مسجد کی الماری تک قرآن بند رکھیں۔ تو پھر قرآن کا حق ادا نہیں ہوگا۔ قرآن غریب الوطن، اسلام غریب الوطن، مسلمان غریب الوطن، کہاں ان کا دیس، کیا پاکستان ہمارا دیس ہے۔ نہیں...... ہمارا کیا ہے یہاں پر غیروں کے اڈے ہیں۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، جسے چاہتے ہیں پکڑتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں پھینکتے ہیں۔

کیا وہ ماؤں کے بچے نہیں ہیں جو کیوبا کی جیلوں میں جانوروں کے پنجروں، جیلوں میں بند ہیں کیا وہ افغانستان کے کیکروں کے پتے تھے۔ جن کو پکڑ کے الٹا لٹکا دیا گیا۔ کیا وہ عراق کی سرزمین جو دلیوں کی سرزمین ہے اُس کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے امام حسین کی اولاد کیا وہ نیک لوگوں کی ذریت نہیں ہے ابوغریب جیل میں کتوں سے جنکا گوشت نچوایا جا رہا ہے۔ ایسے حالات کے اندر ہم کیسے کہہ سکیں گے کہ اسلام کے پاس گھر ہے۔ نہیں اسلام بے گھر ہے اور اسوقت ہم سے گھر کا تقاضا کر

رہا ہے، ایسے حالات کے اندر ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اس ابتلاء کے دور سے گذریں تو کیسے گذریں، ہم اپنا فرض کیسے ادا کریں اور کس انداز میں ہم آگے بڑھیں۔

سب سے پہلا کام فکری محاذ پر ان لوگوں کا مقابلہ ہے کہ جہاں جہاں یہ فکری لونڈے اور فکری گماشتے اور میڈ ان امریکہ فکر کے لوگ اور میڈ ان یورپ نظریات کے لوگ، جب تک عملاً انکا محاسبہ نہیں کریں گے۔ اس وقت تک مزید آگے رسوائی بڑھتی جائے گی۔ اس واسطے خواہ وہ لوگ حکومت میں ہیں۔

یا وہ ڈیموکریٹک پارٹیوں کے اندر ہیں یا وہ لوگ بیوروکریسی کے اندر ہیں۔ جہاں بھی امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور انڈیا کے گٹروں میں پلنے والے کیڑے اگر ہماری کرسیوں کو چمٹے ہوئے ہیں۔ تو ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ ملک کے اندر نظریے کی بقاء کیلئے خطرناک ہیں۔ اسواسطے نظریاتی طور پر ہم کو قرآن کا یہ درس ہے کہ ہم اس ملک کو پاک کرنے کیلئے ان پلید لوگوں کے خلاف اپنے نور قرآن کو عام کریں۔ اسواسطے یہ تحریک آج سے نہیں صدیوں سے چلی آرہی ہے اور پھر بالخصوص آج مجھے علامہ اقبال کا وہ پیغام یاد آتا ہے۔ کہنے لگے۔

سوال مئے نہ کروں ساقی افرنگ سے میں
کہ یہ طریقہ رندان پاکباز نہیں

کیوں ہم غیروں سے لیں، اُن سے مانگیں۔ کیا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے؟ اسلام کے پاس سب کچھ ہے صرف اسلام کی طرف دھیان کرنے کی ضرورت ہے۔ غیروں کی گندی دوکانوں سے گندا سودا مسلمان کیوں خریدے، نظریے کا گندا سودا، زندگی گزارنے کا گندا سودا، جس کے پاس اتنا سچا قرآن ہو وہ جھوٹے لوگوں کے

جھوٹے قانون مانے تو کیوں مانے؟

اس واسطے قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے آج کے حالات کو سمجھو۔

اقبال ایک دن شالامار میں گئے۔ خزاں کا موسم تھا اور عید آئی ہوئی تھی۔ تو کسی نے اقبال سے کہا کہ عید کے بارے میں خوشی کی نظم لکھو۔ عید خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ تو علامہ اقبال کہنے لگے۔

یہ شالا مار میں ایک ایک برگ زرد کہتا تھا
گیا وہ موسمِ گل جس کا راز دار ہوں میں
پائمال نہ کریں مجھ کو زئران چمن
انہیں کی شاخ نشیمن کی یادگار ہوں میں

وہ پتہ جب ہرا بھرا تھا۔ سب اُس کو دیکھتے تھے اور اس کے سائے میں بیٹھتے تھے۔ اُس کو دیکھ کے آنکھیں ٹھنڈی کرتے تھے۔ لیکن جب زرد ہوا تو نیچے آ گرا۔ اب قدموں کے نیچے ہے۔

یہ ہے غریب الوطن کا انداز۔ وہ اسلام جو سروں کا تاج تھا، جو چہرے کی زینت، جو دل کا سرور تھا۔ آج اُس کو پرائیویٹ کر دیا گیا۔ یہ زرد پتہ بنا دیا گیا۔ زرد پتہ بولتا ہے کہ میں تو تمہارے نشیمن کا سرور تھا اے ظالمو! مجھے پاؤں تلے نہ روندو۔ میری دھجیاں نہ اُڑاؤ۔ میں تمہارے لئے سایہ دینے کیلئے آیا ہوں۔ دنیا میں غموں کے دھوپ سے سایہ دوں گا۔ آخرت میں عذاب سے بچالوں گا۔

آگے اقبال کہنے لگے۔

خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں

آج اسلام پر خزاں ہے، اور بہار ہے وہ جو مدینہ شریف کی ہے کہ جب سوسائٹی میں چلنے والے کسی کو ابوبکر صدیق کہا جاتا تھا اور کسی کو عمر فاروق کہا جاتا تھا۔ اب خزاں ہے ایسا چہرہ نظر نہیں آتا۔ ایسے لوگ نظر نہیں آتے جو رستے پہ چلیں تو فرشتوں نے مصافحہ کرنے کیلئے لائنیں بنائی ہوئی ہوں۔ وہ سوسائٹی نہ رہی۔ وہ دین کے ماننے والے نہ رہے۔ وہ اسلام کے متوالے نہ رہے۔ وہ اسلام پر عمل کرنے والے نہ رہے۔
اب اقبال کہنے لگے۔

خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار

تم کہتے ہو عید کی شان میں نظم لکھو۔

خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں
اجاڑ ہو گئے عہدِ کہن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

یہ پتہ بتا رہا ہے کہ میں بڑا قیمتی ہوا کرتا تھا۔ اب میری طرف کوئی دیکھ ہی نہیں رہا۔ میں یوں خزاں کی نظر ہوا تو ہر طرف مجھ پر قدم رکھے جانے لگے۔ لہٰذا آج کا غریب الوطن اسلام جو ہے۔ اُس کی حیثیت کو سمجھنا ہو تو ان شعروں کو سامنے رکھ کر اس مثال کو سامنے رکھو اور پھر اپنے کردار کو دیکھو۔ کہ وہ پتہ جو سایہ کرتا ہوا سے قدموں تلے روندا نہیں جاتا بلکہ اُسے سر کا تاج بنایا جاتا ہے۔

ایسی صورتحال میں کہ جس وقت اپنے گردو پیش کو دیکھنا تو دور کی بات ہے۔ ہم اپنے ملک کے حالات اور اپنے احوال اس وقت سامنے رکھتے ہیں۔ محلے محلے میں

بے حیائی، بدکرداری، جھوٹے لوگ، فراڈی لوگ اور منحوس قسم کے لوگ جنکا کردار صحیح نہیں، عقیدہ صحیح نہیں، ان لوگوں کی طرف پیغام اور پھر جو مسلط حکمران ہیں اُن کیلئے اصلاح کا پروگرام، آخرایک حکومت اور ملک کا بھی بندوں پر اثر ہوتا ہے۔ چھت پہ جو کچھ ہوتا ہے پرنالے کے ذریعے وہی نیچے آتا ہے۔ اگر کسی ملک کا وزیر صحت کنجریوں کے ساتھ ڈانس کر کے کہے یہ ہماری صحت مند سرگرمی ہے تو اس ملک کے بیٹے ڈانس نہیں کریں گے تو کیا کریں گے؟

اور اگر کسی ملک کا پریزیڈینٹ پولو کیمپ میں ناچ رہا ہو تو اُس ملک کے بچوں سے کیا امید ہو سکے گی؟ کیا یہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں؟ اس واسطے

برباد گلستان کرنے کو بس ایک ہی اُلّو کافی ہے
ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہو انجامِ گلستان کیا ہوگا

ہر طرف مسائل ہیں ہر طرف دھندلکیں ہیں۔ ہر طرف اندھیرے ہیں۔ مگر حق پرستوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ اذان پڑھیں، ایک نمازی آ گیا پھر بھی ٹھیک ہے، دس آ گئے پھر بھی ٹھیک ہے، ہزار آ گئے پھر بھی ٹھیک ہے، کوئی نہ آیا پھر بھی اذان پڑھنے والا تو اذان پڑھے گا۔

اس واسطے یہ صراط مستقیم کی اذان ہے۔ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں دی تھی۔ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے دریائے شور کے کنارے اپنی قبر بنوا کے دی تھی وہ ہمارے ذمے آج اُن کا دیا ہوا ایک تحفہ ہے۔ اس واسطے اس اذان کو پڑھنا صراط مستقیم کی اولین ترجیح ہے۔

ہمیں کیا ہو گیا ہے اس میں جو ایجوکیشن کا وزیر ہے۔ اُس کو پرائم منسٹر آف اگنور

نیس کہنا چاہیے۔ جس نے یہ کہہ دیا ہے کہ ہماری اور انڈین ثقافت ایک ہے۔ ہماری تہذیب ہڑپہ سے ہے اور ہمارا اُن کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اتنا بھی جاہل کوئی ہو سکتا ہے؟ ہمارا اور انڈیا کا کوئی فرق نہیں تو وہ جو کہا جاتا ہے آمنہ اور عائشہ نامی عورتیں باڈر کے پار امرتسر میں ہندوں اور سکھوں کے گھر مجبور ہیں؟ اُن سے پوچھو اُن کا قصور کیا تھا؟ جب پاکستان بنا تو نوے ہزار عورتوں کو اغواء کر لیا گیا اور نوے ہزار اسلام کی بیٹیاں ہم سے پوچھتی ہیں ظالمو! اگر تمہارا کوئی فرق نہیں تھا تو ہمیں کیوں مجبور کر دیا۔ ہمیں کیوں مروا دیا، ہماری زندگی کیوں خراب کر دی؟ ایسے وحشی جرنیلوں کو اور ایسے وزیروں کو لگام دے کر سمجھاؤ کہ رام والے اور ہیں رحیم والے اور ہیں۔ ہم وہ نہیں جو کندھارا سے ہوں، ہم وہ نہیں جو ہڑپہ سے ہوں، ہم وہ نہیں جو موہنجو دھاڑو سے ہوں۔

ہڑپہ کی سلوں سے تہذیب چھونے کی ضرورت نہیں ہے ہمارا قرآن ہماری تہذیب ہے۔ ہمارا قرآن ہمارا کلچر ہے۔ ہم ہڑپہ والے نہیں ہم مکہ والے ہیں۔ اس واسطے یہ فکر جس وقت ہمارے سامنے آ گئی تو اب ہم اس کے سینے میں خنجر انہیں گھونپیں گے تو کون اُٹھے گا اگر اسلام کے بیٹے اسلام کے بارے میں اسطرح کے بکواسات کے سامنے خاموش ہو گئے تو اللہ فرماتا ہے تم کافر بن جاؤ گے۔

اِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ (پ۵ النساء)

جب اسلام کا مذاق اڑایا جائے اور تم بیٹھ کے سنو اُسی طرح چوٹی کے کافر بن جاؤ گے۔ لہٰذا اسلام کا مذاق اڑایا جائے تو اب بچنے کیلئے بولو۔ کہ ہم ان ظالموں کے سنگ نہیں ہم ماہ مدینہ کے سنگ ہیں۔

کتنا ظلم ہے یہ کلچر،

تہذیب کیا پلیٹ میں رکھ کر دی گئی؟ پوچھو بدر میں بہنے والے خون سے، اگر کفر کا اور ہمارا فرق نہیں تھا تو پھر باپ بیٹا ایک دوسرے کے مقابلے میں کیوں آ گئے؟ اگر ایسی بات تھی تو ایسا معاملہ کیوں چلتا رہا؟ کربلا کی دھرتی سے اذانِ حسین پوچھتی ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی کو گوالیار کے قلعے میں قید ہونا ہم سے پوچھ رہا ہے اگر ایک معاملہ تھا تو ایسا کیوں ہوتا رہا، کیوں حق والے باطل پرستوں سے ٹکراتے رہے؟ کیا اُن کا جگر نہیں تھا؟ کیا اُن کا کلیجہ نہیں تھا؟ کیا ان کیلئے سہولتوں کی ضرورت نہیں تھی؟ اگر نظام کا فرق نہ ہوتا تو گڑھی خیرو کے لاک اَپ میں امام شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ تڑپ کے کیوں حق کے نعرے لگاتا رہا؟ اور تختہ دار پر مولانا عبدالستار نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں نعرہ بلند کیا؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ فرق ہے ہم گائے کو مقدس نہیں سمجھتے، ہم اُس کو ذبح کرتے ہیں، اور وہ جہاں روٹی کھائی ہو نیچے گائے کا گوبر ملتے ہیں۔ وہ کپڑے اتاریں تو اُن کا دین اور ہم کپڑے پہنیں تو ہمارا دین، وہ اپنے انداز میں ہیں اور ہم اپنے انداز میں ہیں۔

ہمیں ان ظالموں کے ساتھ نہ ملاؤ۔ جہنمیوں کی لسٹ میں ہمیں شامل نہ کرو۔ ہم اُن کے شانہ بشانہ نہیں چل سکتے۔ اُن کا چہرہ سیدھا جہنم کی طرف ہے۔ ہمارا ڈائریکٹ جنت کی طرف ہے۔ اس واسطے یہ غربت کا ایک تجزیہ آپ کے سامنے کر رہا ہوں۔

اس کے علاوہ میرے پاس ایسے درجنوں شواہد ہیں۔ جس وقت ایک دھرتی کے اندر اس ملت کا ہیرو "محمد بن قاسم" ہے اگر اس کو کوئی ظالم کہے اور راجہ دھر کو مظلوم کہے تو کیا اُس نے اسلام کی بولی بولی ہے یا کفر کی بولی بول رہا ہے۔ اس واسطے اس صورتحال کو

سامنے رکھتے وقت اب یہ فیصلہ کرلو۔ اگر ہم گھروں میں ہی رہے، اگر ہم نے دین نہ پڑھا۔ اگر ہم نے دین نہ سمجھایا، اگر ہم نے لوگوں تک پیغام نہ پہنچایا، اگر ہم خود فکری طور پر مسلح نہ ہوئے اور ہم نے لوگوں کو بیدار نہ کیا تو کل گریبان سے پکڑا جائے گا کہ تم گونگے تھے۔ تم کیوں نہ بولے، جس وقت میرے دین کی دھجیاں اُڑائی جارہی تھیں۔

اس وقت اگر کوئی بندہ اللہ کے اس عذاب سے بچنا چاہتا ہے تو بیدار ہو جائے، ہوشیار ہو جائے۔ ہم نے فہم دین کورس کی شکل میں جو تمہیں ایک چھوٹا سا نصاب دیا ہے، اور پچھلا نصاب ہے۔ یہ ایک راستے کی طرف رہنمائی ہے تھوڑی سی کوشش ہے۔ رمضان میں ایک نیکی جب ستر تک پہنچ آتی ہے تو انشاء اللہ ایک کورس ستر تک پہنچ جائے گا۔ اسکا مضمون اور اسکے اندر جو نور ہے، اسکے اندر جو روشنی ہے، وہ یقیناً آگے بڑھے گی۔ اس کولے کے چلیں گے۔

ایک وہ شعبہ ہے کہ درس قرآن ایک دن شیطان بھی دینے آگیا تھا اور صحابی رسول ﷺ کو دینے آگیا تھا۔ اسواسطے ہر درس درس قرآن نہیں ہوتا اور دوسرا درس قرآن میں یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو ہیضہ ہو چکا ہو اور معالج اُنکو زکام کی دوائیاں دیتا رہے۔ لوگ ہیضے میں مرجائیں تو زکام کی دوائی کا فائدہ کیا ہے، اس کی ضرورت کیا ہے؟

نہیں نہیں...... جو بیماری ہو دوائی اُسکی دو، جو مرض ہو علاج اُسکا کرو۔ اسواسطے آج کے حالات میں نام نہاد روشن خیالی، عریانی، فحاشی اور بدلتے ہوئے اطوار اور شعائر اسلام کا جو مذاق اڑایا جارہا ہے سب سے پہلا ٹیکہ اس کے خلاف لگانے کی ضرورت ہے۔

اس واسطے ہم اپنے ہاں اسلاف کا ایک پیغام رکھتے ہیں اور ایک عظمت کے رستے کی طرف چلنے کی کوشش کررہے ہیں، اور ہم پر جو ذمہ داری ہے اور اس سلسلہ

میں ادارہ صراط مستقیم کا ایک پلیٹ فارم ہے اس کیلئے میں تفصیل میں نہیں جاتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ ادارہ ہے کیا؟ یہ کرنا کیا چاہتا ہے؟ اقبال کی زبان سے صرف یہ کہوں گا۔

خفیہ ہنگامے ہیں میری ہستی خاموش میں
پرورش پائی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
مضطرب ہر دم میری تقدیر رکھتی ہے مجھے
جستجو میں لذت تنویر رکھتی ہے مجھے
سرمہ بن کے چشم انسان میں سما جاؤں گا میں
رات نے جس کو چھپا رکھا ہے اُس کو دکھلاؤں گا میں

یہ تینوں شعر حال کی غمازی کرر ہے ہیں

خفیہ ہنگامے ہیں میری ہستی خاموش میں
پرورش پائی ہے میں نے صبح کی آغوش میں

وہ حضرت حافظ الحدیث پیر سید محمد جلال الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت اور انکی تربیت کا یہ پلیٹ فارم ہے۔ عراق کی سرزمین کے مردحر حضرت شیخ عبدالکریم محمد المدارس البغدادی رحمۃ اللہ علیہ یہ اُن کے فیض کا چشمہ ہے۔

اور عرب وعجم کے اساتذہ کے استاذ حضرت عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد نواز نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ یہ اُن کے سوز کا حصہ ہے۔

مضطرب ہر دم میری تقدیر رکھتی ہے مجھے
جستجو میں لذت تنویر رکھتی ہے مجھے

سرمہ بن کے چشم انسان میں سما جاؤں گا میں
رات نے جس کو چھپا رکھا ہے اس کو دکھلاؤں گا میں

اس انداز میں ہمارا یہ ادارہ اور پلیٹ فارم ہم سے اس بات کا تقاضا کر رہا ہے کہ محبوب علیہ السلام نے فرمایا تھا میری مبارکباد ہے اُن لوگوں کیلئے جو اصلاح کریں گے۔ وہ سنت کا درس دیں گے اور سنت پر لوگوں کو لائیں گے اور دین کو زندہ کریں گے۔ اس سلسلے میں ذرا جرأت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ پہلے دین کو اپنا دل تو دو۔ اپنی سوچ، اپنا خیال، اپنا انداز، اپنا شعور اسلام کو پلیٹ میں رکھ کر دو کہ اسلام یہ تیرا ہے جو تیری مرضی ہے وہ میری مرضی ہے یہ اُس کی ڈیوٹی ہے جو غریب الوطن اسلام کے ساتھ ہمدردی چاہتا ہے۔

اور اس کا دل تڑپ رہا ہے کہ سرکار کا بھیجا ہوا مہمان ہو اور گلیوں میں رات کو رُلتا رہے اور ہم گھر نہ کھولیں تو ہم کون شمار ہونگے۔

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

وہ مہمان آیا ہو جس کو طائف کے بازار میں سرکار نے اپنا خون دیا ہو۔ بدر و حنین میں جس کیلئے قربانیاں دی گئی ہوں۔ کربلا میں جس کیلئے پورا کنبہ پیش کیا گیا ہو وہ ہمارے پاس آجائے اور دستک دے کہ میں تمہارا مکی، مدنی، کربلائی اسلام آگیا ہوں۔ ذرا دروازہ کھولو میں رات رہوں تو اندر سے بابو جی کہیں...... نہیں، کلمہ تمہارا ہی پڑھا ہے مگر ہماری اپنی چاہت ہے، ہم اپنی ایک سوچ رکھتے ہیں، اپنی مرضی رکھتے ہیں، ہمارا اپنا دنیا میں ایک رکھ رکھاؤ ہے۔ تو اسلام کہے کہ یہ کلمہ میں کیسے قبول کروں

میں صرف کلمہ نہیں بلکہ پوری زندگی کا نصاب ہوں۔ میں تمہاری رات گذارنے کا بھی طریقہ ہوں۔ اب ایسا ہو رہا ہے ہم زبان سے نہ بھی کہیں لیکن ہمارے گھر بولتے ہیں کہ اسلام کہیں اور جاؤ۔ ہمارے ہاں رزق حلال نہیں ہے سودی کاروبار ہے۔ ہمارے لوگ شرابی ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے، اسلام پھر جو تم بیزار ہو کے نکل جاؤ گے۔ تو ابھی کوئی اور گھر تلاش کرو وہ اسلام گلی گلی چکر لگا رہا ہے۔ ماننے والے خراٹے لے رہے ہیں۔ کیا یہ ہے وفا؟ ہائے افسوس۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہمیں ہوش ہی نہ رہا کہ کتنی مصیبتیں آ گئی ہیں کتنے مصائب ہیں۔ خدا کی قسم آج ہر شخص جس کے دل میں واقعی غیرت ہے۔ جب سنتا ہے کہ لاکھ افغانی شہید ہو گئے، اتنے لاکھ عراقی شہید ہو گئے، اتنے ہزار لبنانی شہید ہو گئے، غزہ کی پٹی پہ یہ ظلم اور گروزنی میں یہ ظلم۔ تو نوجوانوں کا سینہ کھولتا ہے کہ میں جاتا ہوں اور امریکہ کا سر توڑتا ہوں۔ میں اُس سے پنجہ آزمائی کرنا چاہتا ہوں ایسے نوجوان پوچھتے ہیں کہ ہم کریں تو کیا کریں۔

ان کا پہلا کام یہ ہے کہ اسلام کو جو تم دنیا کی زمین دلوانا چاہتے ہو۔ اپنا دل تو پوری طرح اُس کو دے لو۔ اپنے آپ کو تیار کرو۔ خدا کی قسم یہ میری ابزرویشن نہیں ہے۔ یہ امریکی تھنک ٹینک کا فیصلہ ہے کہ اگر ایک مسلمان سر پہ عمامہ باندھ کے چہرے پہ پوری داڑھی رکھ کے سنت کے آئینے میں نظر آتا ہے تو امریکہ کو اتنا ڈر دا ایٹم بم سے نہیں ہوتا جتنا باعمل مسلمان سے ہوتا ہے۔

اس واسطے پہلے یہ کام کرنے کا ہے۔ وہاں جا کے حملے اور منصوبہ بندی اُس کیلئے شاید ضرورت ہی نہ پڑے۔ اگر ہم اپنے آپ سے مخلص ہو جائیں، اسلام سے مخلص ہو جائیں اور اپنے آپ کو تیار کر لیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں میں قطار اندر قطار اب بھی

وہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ لیکن پہلا کام یہ کرنے کا ہے۔

اس سلسلے میں ابتدائی طور پر آپ کیلئے یہ پیغام رکھا ہے۔ آپ کو دعوت دی ہے اس میں نہ پردہ ہے نہ کوئی جھجک ہے، ہم جو کچھ سینے میں رکھتے ہیں وہ زبان پر لاتے ہیں، اور اس میں ہمیں نہ تو یہ امید ہے کہ ہم نرم بات کریں تو کوئی واہ واہ کہے گا۔ اور نہ یہ خطرہ اگر گرم کہیں گے تو کوئی ناراض ہو جائے گا۔

اثر ہو نہ ہو سن تو لو میری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد
میں صورت گل دست صبا کا نہیں محتاج
کرتا ہے میرا جوش جنوں میری قبا چاک

خواہ کوئی ہتھ کڑی لگائے، خواہ کوئی گولی مارے، خواہ کوئی آنکھوں پہ بٹھائے، یہ ہر کسی کا اپنا مقدر ہے، اپنے نصیب ہیں، کربلا والوں کے سامنے لوگوں کی نہیں خدا کی رضا ہوتی ہے۔

اس واسطے یہ معاملہ ایک پالیسی کے طور پر تمہارے سامنے ہے اور وقت کے کربلا کے اندر اذان دینے کا معاملہ ہے۔ ہم نے تمہیں یہ جو امانت سونپی ہے۔ اب اس کا تم پہ قرض ہو گیا ہے۔ ان کی زکوۃ لازم ہو گئی ہے۔ اس پڑھے ہوئے کی زکوۃ لازم ہے کہ

آگے پڑھاؤ۔ آگے لیجاؤ، آگے پھیلاؤ، چلو کیسٹ لگا کے کسی کو سناتے رہو۔

دوکان میں اکیلئے نہ بیٹھا کرو اور گاڑی میں اکیلئے نہ بیٹھو، جس نے کچھ کہنا ہے مجھے کہے مگر کم از کم اُسے سناؤ تو سہی، اُسے بتاؤ تو سہی، اُس کے سامنے پیش تو کرو، وہ زمانہ گذر گیا، وہ زمانہ ختم ہو گیا، نیند کے موسم اُڑ گئے اب بیداری کا زمانہ ہے، تیاری کا زمانہ ہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے مسلمانو!

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

تمہارے گھر کی دہلیز سے لیکر امریکہ تک تمہارے دشمن ہیں۔ اتنے دشمنوں کے ہوتے ہوئے کون عقلمند انسان سوتا ہے، وہ جاگتا ہے، بیدار رہتا ہے، وہ منصوبہ بندی کرتا ہے اس انداز میں ہمیں اسلام کی ترقی اور بحالی کا مقصد مل گیا ہمارے جیتے میں نفاذ اسلام کا سورج طلوع ہو گیا تو پھر وارے نیارے ہیں۔ اگر نہ بھی ہوا تو کوشش کیوجہ سے کم از کم قبر ٹھنڈی رہے گی کہ کوشش ضرور کی تھی ثمر اللہ عطا فرمانے والا ہے۔

اس واسطے آج اس بڑے تلخ موضوع پر بولتے وقت یقیناً جو کان عادی ہوں نرم باتیں سننے کے اُن کو گرم میں تو کان کے پھٹنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے اور دماغ میں آتش فشاں زلزلہ آنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ مگر اب ان زلزلوں کے بغیر گذارہ نہیں ہے۔ اب اس بات کے بغیر ہمارا نشیمن بچ نہیں سکتا اور ہمیں اسلاف کا فریضہ ادا کرنا پڑے گا۔ جب اکبر نے دین الٰہی بنایا اور مجدد الف ثانی اپنے مصلّے پہ بیٹھے رہتے کہ میں تو صوفی ہوں اور بادشاہ وہ ہے۔ میں اُس سے لڑ کیسے سکتا ہوں؟ ٹکرا کیسے سکتا ہوں؟ نہ میرے پاس فوج ہے نہ لشکر اور اُس کے پاس سب کچھ ہے۔ میرے پاس حجرہ ہے، اُس کے پاس جیل بھی ہے۔ مجھے جیل میں ڈالے گا۔ اگر مجدد الف ثانی اس پالیسی پہ

ہوتے تو "حاکم ہدھن" شاید آج مسجدوں میں سجدہ نہ ہوسکتا۔ حضرت مجدد الف ثانی کو جس وقت جہانگیر کے عتاب کا سامنا کرنا پڑا اور کہا گیا کہ تھوڑا سا تو جھک جاؤ لیکن میرے مجدد نے کہا۔

ایک ہے کعبہ میرا اور ایک ہی مسجود ہے
ہر جگہ موزوں نہیں ہے سر جھکانے کیلئے

یہ سلسلہ پیچھے سے آرہا ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں کہ اسلام کو دے سکیں لیکن دل ہے وہ بہت کچھ ہے، اور بڑا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تقریر یہ کرتے ہیں۔

اَحِبُّوْنَا لِحُبِّ الْاِسْلَامِ

جس نے حسین سے محبت کرنی ہو وہ اسلام کے حوالے سے کرے۔

دیکھو اُن کے حوالے کتنے ہیں، وہ حسین رضی اللہ عنہ جو کائنات میں سب سے بڑی شخصیت کے نواسہ ہیں۔ جو ولیوں کے سردار کے بیٹے ہیں۔ جو خواتین کی سردار کے بیٹے ہیں، وہ حسین رضی اللہ عنہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔ خود فرماتے ہیں۔

اَحِبُّوْنَا لِحُبِّ الْاِسْلَامِ

میرے ساتھ محبت کرتے وقت پہلے یہ کہو اسلام کا حسین،

اسلام کے حوالے سے مجھ سے پیار کرو، اور باقی حوالے بھی ضروری ہیں۔

اب اُس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے آج ہم نے اس مضمون کو تمہارے سامنے کھیر بنا کے پیش کر دیا ہے۔

یہ ہمارے پیغام کی تمہید تھی، اور موجودہ صورتحال کے لحاظ سے جو ہمیں حکم ملتا ہے۔

وہ وضاحتیں بھی بڑی ضروری ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مثال دیکر بہت کچھ سمجھا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا۔تو وادیاں بہہ نکلیں۔ بارش ہوتی ہے تو پانی چوٹیوں پہ نہیں گہری جگہ پہ آتا ہے۔چوٹیاں گذرتے پانی سے سیراب ہو جائیں۔تو ہوسکتا ہے کوئی جیتے جیتے بہار آجائے،لیکن اصل حصہ نیچے جھکی ہوئی چیزوں کو ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا،وہ بڑے بڑے دولت والے فرعون و نمرود رہ جاتے ہیں اور جھگیوں کے مکین دین کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ پانی نیچے آجاتا ہے تو پھر کیا ہوتا ہے۔

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا

بارش برستی ہے تو وادی پانی سے بھر جاتی ہے۔پھر پانی آگے نکلنا شروع ہو جاتا ہے، سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو پانی پہ ایک جھاگ بنتا ہے۔وہ جھاگ کیا ہوتا ہے۔پانی جب ملوث ہوتا ہے گندگی آتی ہے پتے آجاتے ہیں۔مرے ہوئے جانور آجاتے ہیں۔ مختلف قسم کی چیزیں اس میں شامل ہوتی ہیں تو پانی اُن کو اوپر لے آتا ہے۔

وآخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

فہرست کتب

بانی ادارہ صراطِ مستقیم پاکستان

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	قیمت
1	فہم دین (اوّل تا پنجم)	محمد اشرف آصف جلالی	فی جلد 260
2	غائبانہ جنازہ جائز نہیں	محمد اشرف آصف جلالی	200
3	مفہوم قرآن بدلنے کی واردات	محمد اشرف آصف جلالی	140
4	محاسن اخلاق	محمد اشرف آصف جلالی	100
5	ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں	محمد اشرف آصف جلالی	40
6	میرے لئے اللہ کافی ہے	محمد اشرف آصف جلالی	40
7	حق چاریار	محمد اشرف آصف جلالی	40
8	جنت کی خوشخبری پانے والے دس صحابہ کرام	محمد اشرف آصف جلالی	40
9	فکر آخرت	محمد اشرف آصف جلالی	40
10	ہاں ہم سنی ہیں	محمد اشرف آصف جلالی	40
11	سرکار غوث اعظم اور آپکا آستانہ	محمد اشرف آصف جلالی	40

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	قیمت
12	ایک نومسلم کے سوالات کے جوابات	محمد اشرف آصف جلالی	40
13	شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق	محمد اشرف آصف جلالی	40
14	توحید و شرک	محمد اشرف آصف جلالی	40
15	ہم اہلسنت و جماعت ہیں	محمد اشرف آصف جلالی	40
16	تحفظ ناموسِ رسالت ایک فرض ایک قرض	محمد اشرف آصف جلالی	40
17	چٹاگانگ میں چند روز	محمد اشرف آصف جلالی	30
18	تحفظ حدود اللہ اور ترمیمی بل	محمد اشرف آصف جلالی	30
19	ایصال ثواب اور گیارھویں شریف کی شرعی حیثیت	محمد اشرف آصف جلالی	30
20	فقہ حنفی سنت نبوی کے آئینے میں	محمد اشرف آصف جلالی	30
21	دختران اسلام کے لیے آئیڈل کردار	محمد اشرف آصف جلالی	30
22	افزائش نور	محمد اشرف آصف جلالی	30
23	جادو کی مزمت	محمد اشرف آصف جلالی	20
24	اصلاح اور اُس کا اجر	محمد اشرف آصف جلالی	20
25	نورانیت مصطفیٰ ﷺ کا انکار کیوں	محمد اشرف آصف جلالی	20

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	قیمت
26	شانِ ولایت قرآن و حدیث کی روشنی میں	محمد اشرف آصف جلالی	20
27	محبت ولی کی شرعی حیثیت	محمد اشرف آصف جلالی	20
28	صلوٰۃ وسلام پر اعتراض آخر کیوں	محمد اشرف آصف جلالی	20
29	فقہ حنفی پر چند اعتراضات کے جوابات	محمد اشرف آصف جلالی	20
30	ربط ملت اور اہلسنت کی ذمہ داریاں	محمد اشرف آصف جلالی	20
31	خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام	محمد اشرف آصف جلالی	20
32	فحش گانوں کا عذاب	محمد اشرف آصف جلالی	20
33	رسول اللہ ﷺ کی نماز	محمد اشرف آصف جلالی	20
34	ترک تقلید کی تباہ کاریاں	محمد اشرف آصف جلالی	20
35	اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک اور ان کا حل	محمد اشرف آصف جلالی	20
36	صراط مستقیم کی روشنی	محمد اشرف آصف جلالی	20
37	مقتدی فاتحہ کیوں پڑھے	محمد اشرف آصف جلالی	20
38	رسول اللہ ﷺ بحیثیت مبشر	محمد اشرف آصف جلالی	20
39	منصب نبوت اور عقیدہ مومن	محمد اشرف آصف جلالی	20

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	قیمت
40	محبت الٰہی اور اسکی چاشنی	محمد اشرف آصف جلالی	20
41	فہم زکوۃ	محمد اشرف آصف جلالی	20
42	حل مشکلات اور عقیدہ صحابہ	محمد اشرف آصف جلالی	20
43	توحید باری تعالیٰ	محمد اشرف آصف جلالی	20
44	قربانی صرف تین دن جائز ہے معہ قربانی کے جانور	محمد اشرف آصف جلالی	20
45	نماز تراویح 20 رکعت سنت ہے	محمد اشرف آصف جلالی	10
46	قرآنی آیات کے حیرت انگیز اثرات	محمد اشرف آصف جلالی	10
47	ظہور امام مہدی مع حضرت عیسیٰ علیہ اسلام اور قادیانی	محمد اشرف آصف جلالی	10
48	مناظرہ دعا بعد جنازہ	محمد اشرف آصف جلالی	10
49	تربیتِ اولاد	محمد اشرف آصف جلالی	30
50	رنج والم سے نجات کا راستہ	محمد اشرف آصف جلالی	30
51	مسئلہ حاضر و ناظر	محمد اشرف آصف جلالی	40

وانک لتہدی الی صراط مستقیم

ادارہ صراط مستقیم پاکستان

وانک لتهدی الی صراط مستقیم

ادارہ صراط مستقیم پاکستان

فہمِ دین

(آٹھ جلدیں)

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

کا اہم اور اچھوتے موضوعات پر لٹریچر

جلد اول

- فہم دین اور ہماری ذمہ داریاں
- محبت الٰہی اور اس کی چاشنی
- منصب نبوت اور عقیدہ مومن
- محاسبہ نفس اور اس کا طریق کار
- فہم زکوٰۃ
- رسول اللہ ﷺ کی نماز
- گھر کا اسلامی ماحول
- آداب زبان
- تعارف آئمہ اربعہ
- قادیانیت کا محاسبہ
- صراط مستقیم کی روشنی میں
- نظام مصطفےٰ ﷺ کی بالادستی
- حل مشکلات اور عقیدہ صحابہ

جلد دوم

- اسلام میں دوستی کا معیار اور طریق کار
- سود اور اسکی اقسام
- ہم اور ہمارے عقائد
- اسوہ حسنہ اور فیشن پرستی
- مسئلہ حیات النبی ﷺ
- ترک اور تقلید کی تباہ کاریاں
- مؤمن کا مقصد حیات
- جہاد اور دہشت گردی میں فرق
- تصوف اور اسلام
- حواس نبوی ﷺ
- اوقات اور مصروفیات کا شرعی توازن
- جنتی آنکھ
- اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک اور ان کا حل

جلد سوئم

- مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ عزوجل
- مفاہیم اسم محمد ﷺ
- روزہ کے اسرار و رموز
- امتیازات نماز
- شان رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق
- زندگی اور اس کی اقسام
- خلفائے راشدین سے حضرت علیؓ کی عقیدت
- ماں کی شان اور امتحان
- بدعت کا معنی و مفہوم
- امتیازات نماز

جلد چہارم

- احادیث ختم نبوت
- سماجی خدمت کا اسلامی فلسفہ
- ہاں ہم سنی ہیں
- ورع و پرہیزگاری کے ماڈل
- طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم
- نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے
- دختران اسلام کیلئے آئیڈیل کردار
- عہد شباب کا اسلامی نصاب
- کاروباری شراکت کے اسلامی اصول
- تحفظ ناموس رسالت ایک فرض اور قرض

جلد پنجم (زیر طبع)

- تربیت اولاد
- تقلید سے متعلق شبہات کا ازالہ
- اسلام بمقابلہ یہودیت و عیسائیت
- اور دل نور ایمان سے جگمگا اٹھا
- جنہیں دیکھ کر رب مسکرائے
- قرآن اور تفکر کائنات
- تصوف عقیدہ توحید کی معرفت
- رنج و الم سے نجات کا راستہ
- مسئلہ حاضر و ناظر
- اے غریب الوطن اسلام کے ہم وطنو!

جلد ششم (زیر طبع)

- میرے رب سے مجھے محبت ہے
- رسول اللہ ﷺ کی جسمانی نفاست
- شان رسالت کی یکتائی
- زکوٰۃ کے اسرار و رموز
- پردہ دختران اسلام کا وقار
- عزت اور اسکے حصول کا طریقہ
- قیمتی اوقات اور زرخیز لمحے
- میوزک خرمن ایمان کے لئے چنگاری
- حق چار یار
- جب سچائی خود بولے

جلد ہفتم (زیر طبع)

- پاکستان اور اہلسنت کا باہمی رشتہ
- مائیں جب فرمائیں
- یہود و نصاریٰ اور ہمارا جداگانہ تشخص
- باپ کی شان اور امتحان
- دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش
- ختم نبوت اور قادیانی کفر
- شہداء زندہ ہیں
- اعتکاف یادِ الٰہی میں انہماک
- ناموس رسالت کے پہرے دار و جاگتے رہو
- آئمہ محدثین اور اہل قبور سے استمداد

جلد ہشتم (زیر طبع)

- خانقاہیں اور لذت اسرار
- میرے لئے اللہ کافی ہے
- آرڈر پر اشیاء تیار کروانے کے شرعی احکام
- رگ ملت اور نشتر تعلیم جدید
- جب رسالت خود نعرہ زن ہو
- حرمت شراب
- انسانی حواس کا صحیح استعمال
- نظام مصطفےٰ ﷺ ایک مثالی انداز حکمرانی
- اسلام ہم تیرے ہیں

☆ نمایاں کی گئی کتابیں الگ کتابچوں کی صورت میں بھی دستیاب ہیں۔

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6 مرکز الاولیس دا تا دربار مارکیٹ شیخ ہندی سٹریٹ لاہور

042-7115771, 0333-8173630, 0321-9407699